اسلامی بینکاری اور علمأ

اختلافی فتوے پر اہلِ علم و فکر
کے تبصروں کا مجموعہ

الافنان

اسلامی بینکاری اور علماء

اختلافی فتوے پر اہلِ علم و فکر کے تبصروں کا مجموعہ

الافنان

صفورہ چوک، کرن ہسپتال روڈ، بالمقابل پی ایس او پمپ، اسکیم ۳۳

یونیورسٹی روڈ کراچی

جملہ حقوق بحق الافنان محفوظ ہیں

طبع جدید : شعبان ۱۴۳۰ھ - اگست ۲۰۰۹ء
مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر : **الافنان**
صفورہ چوک، کرن ہسپتال روڈ، بالمقابل پی ایس او پمپ، اسکیم ۳۳
یونیورسٹی روڈ کراچی ۷۵۲۷۰
فون : 021-4645151 ، 0321-2391971
ای میل : afnancorp@hotmail.com

اسٹاکسٹ :

اِدارۃ المعارف کراچی ۱۴

احاطۂ جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
فون: 021-5032020 ,021-5049733
موبائل: 0300 - 2831960

ملنے کے پتے :

- ادارۃ المعارف کراچی ۱۴
- مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴
- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- بیت القرآن، کراچی
- ادارۂ اسلامیات، انارکلی، لاہور
- مکتبہ زکریا، بنوری ٹاؤن کراچی

فہرستِ مضامین

صفحہ نمبر	عنوان
۹	موتیوں کی لڑیاں * عرضِ ناشر
۱۳	فتویٰ از دارالعلوم دیوبند، انڈیا
۱۵	مروّجہ غیرسودی اسلامی بینکاری نظام، ایک وضاحت * مفتی سیّد عبدالقدوس ترمذی مدظلہم
۲۷	کیا موجودہ اسلامی بینکاری اور ۱۹۸۱ء کی بلاسودی اسکیم میں سرِمو فرق نہیں ہے؟ * سجاد اشرف عثمانی
۳۳	اسلامی بینکوں کا مرابحہ * عبدالمالک
۳۳	۱- جامع معاہدہ....................................

صفحہ نمبر	عنوان
۳۳	۲-مطلوبہ سامان کی خریداری ....
۳۴	۳-خریدے گئے سامان پر قبضہ اور بینک کو اِطلاع ....
۳۵	۴-مرابحے کا اِنعقاد (Execution of Murabaha) ....
۳۵	مرابحہ اور سودی معاملے میں فرق ....
۳۷	چیک اینڈ بیلنس کا نظام ....
۳۸	خدارا اِختلاف کی حدود کو پامال نہ کیجیے! * مولانا عبدالرحمٰن
۴۲	اسلامی بینکاری اور علماء کی ذمہ داری * مفتی ذاکر حسن نعمانی، اُستاذ الحدیث جامعہ عثمانیہ پشاور
۴۲	انقلابِ زمانہ ....
۴۳	معاشی میدان ....
۴۳	روایتی بینک سے اسلامی بینک تک ....
۴۴	فقہائے کرام کی کاوشیں ....
۴۵	دِینی خدمت ....
۴۶	علماء کی ذمہ داری ....
۴۶	مختلف فقہی مذاہب سے اِستفادہ ....
۴۷	موجودہ اسلامی بینکاری ....
۴۹	مفتیانِ کرام کی ذمہ داری ....
۵۰	مشورہ ....

عنوان	صفحہ نمبر

مروّجہ غیر سودی بینکاری کے متعلق اِختلافات کی حقیقت؟ ۵۲
* مولانا سیف اللہ ربانی

اسلامی بینکاری کے خلاف فتویٰ کا فنی جائزہ ۶۰
* مولانا مفتی عبدالحق

اسلامی بینکاری کی مقبولیت و اِفادیت ۶۳
* روزنامہ ''جنگ'' کراچی

اسلامی بینکاری کے خلاف فتویٰ علمی کی بجائے ذاتی اِختلافات پر مبنی ہے ۶۴
* مفتی نذیر احمد خان، سربراہ بنوریہ ریسرچ اکیڈمی

کیا بینک قائم کرنا ہی حرام ہے؟ ۶۷
* مولانا خلیل احمد اعظمی

اسلامی بینکنگ پر اِختلافات
اکابر علماء کے اِرشادات کی روشنی میں چند اُصولی باتیں ۷۰
* پروفیسر عبدالرؤف، سابق صدر شعبۂ سیاسیات، گورنمنٹ ڈگری کالج، مظفر گڑھ
اختلاف کا اُصولی حل ۹۰

اسلامی بینکاری اور صراطِ مستقیم ۹۵
* مولانا رعایت اللہ فاروقی

عنوان	صفحہ نمبر

بیت المال اور بینک کا قیام ١١٢

* مولانا محمد صدیق ارکانی

اسلامی بینکوں کا قیام ١١٣
پاکستان میں اسلامی بینکوں کا قیام ١١٤
پاکستانی اسلامی بینکاری تنقید کی زد میں ١١٥
مولانا عثمانی صاحب پر تنقید کی بارش ١١٧
کیا متبادل بتانا ضروری نہیں؟ ١٢١
خلاف اور اِختلاف ١٢٢

مروّجہ اسلامی بینکاری کا مفصل فتویٰ

ایک معروضی جائزہ ١٢٤

* صغیر مکی

علامہ عثمانی ١٦٠

* محمد الخُنیف

اپنوں کی طرف سے شکوک و شبہات ١٦١
امریکی دایاں بازو اور مشہور امریکی انڈیکس ''ڈاؤ جونز'' کی معاندانہ مہم ١٦٣
علامہ عثمانی اپنے ناقدین کی نظر میں ١٦٤
اس معاندانہ مہم میں اہلِ خلیج کا حصہ ١٦٤

اسلامی بینکاری کا سفر ١٦٧

* مفتی محمد رضوان

صفحہ نمبر	عنوان
۱۷۳	اسلامی بینکاری اور ٹیلی ویژن کے متعلق چند گزارشات * عبداللہ بن محمد شفیع
	بلاسود بینکاری کے خلاف بعض علماء کے فتویٰ کی حقیقت
۱۸۸	اس کا پس منظر و پیش منظر
	* حضرت مولانا سیّد مفتی مختارالدین صاحب مدظلہ، کربوغہ شریف
۱۸۸	ایک قابلِ افسوس مگر نا قابلِ انکار حقیقت ....
۱۸۸	طاغوتی قوتوں کی اہلِ اسلام پر حملہ آور ہونے کی جہات ....
۱۹۰	سقوطِ امارتِ اسلامیہ سے غیر سودی بینکنگ تک! ....
۱۹۲	یہودی لابی اور مغربی میڈیا کی غیر سودی بینکاری کے خلاف تحریک ....
۱۹۳	''دی ٹائمز'' کے چند اِقتباسات ....
۱۹۸	شرعی قانون (شریعت) اور شرعی معاشی نظام کیا ہے؟ ....
۱۹۸	شرعی قانون کیا ہے؟ ....
۱۹۹	اسلامی شرعی نظام - آپ کو کیا جاننا ضروری ہے؟ ....
۱۹۹	قومی سلامتی اور معاشی خطرات ....
۲۰۰	دہشت گردی میں سرمایہ کاری کا طریقہ ....
۲۰۲	شرعی معاشی نظام اور جہاد کی مالی معاونت ....
۲۱۱	نیا شرعی فنانس کیا ہے؟ وزارتِ خزانہ سے نہ پوچھیں ....
۲۱۷	ہمارے ماننے والوں کو اس وقت تک امن سے رہنا چاہئے جب تک وہ جہاد کی طاقت نہ حاصل کرلیں ....
۲۱۹	موجودہ پُرآشوب حالات میں اہلِ حق علماء اور مشائخ کی ذمہ داریاں .....

عنوان	صفحہ نمبر
حالیہ ''متفقہ فتویٰ'' کی اتفاقی حیثیت؟	۲۲۱
فقہی اختلاف مبنی پر اخلاص و دیانت ہو تو رحمت ہے	۲۲۲
طاغوتی قوتوں کا ایک بڑا حربہ!	۲۲۲
اسلامی مالیاتی نظام کو مغرب کسی طرح برداشت نہیں کرنا چاہتا	۲۲۳
اہلِ علم و افتاء اور مشائخِ کرام سے درخواست	۲۲۵
ایک وضاحت	۲۲۶
بلاسود بینکاری کے خلاف شائع ہونے والے فتویٰ کی حقیقت	۲۲۹
صوبہ سرحد کے حضرات علماء و مفتیانِ کرام کے تصدیقی دستخط	۲۲۹
صوبہ پنجاب کے حضرات علماء و مفتیانِ کرام کے تصدیقی دستخط	۲۳۴
آزاد کشمیر	۲۳۹
متفرق شہر	۲۳۹
غیر سودی بینکاری کے بارے میں متعدد علماء اور مفتیانِ کرام کی آراء	۲۴۰

✻✻✻

عرضِ ناشر

موتیوں کی لڑیاں

جن چیزوں سے باری تعالیٰ نے انسانوں کو سختی سے باز رہنے کا حکم فرمایا ہے ان میں سے سود ایک ایسی چیز ہے کہ اس پر وارِد وعیدوں کا تصور کر کے اہلِ ایمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اہلِ فکر ونظر کے لیے یہ منظر سوہانِ رُوح ہے کہ مسلمانانِ ملت کی ایک بڑی تعداد خواہی نا خواہی، دانستہ نادانستہ طور پر اس اکبر الکبائر میں مبتلا اور خدا اور اس کے رسول سے جنگ میں مشغول ہے۔ اسی بے چینی، اِضطراب اور شدید قلق نے دردِ دِل رکھنے والے اُمت کے خیر خواہ علمائے کرام کو مجبور کیا کہ وہ تجارت ومعیشت کے پہیے کو غیر سودی راہوں پر چلانے کے لیے راستہ ہموار کریں، مگر یہ راستہ بنانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے لیے اگر ایک طرف قرآن وسنت اور فقہ پر گہری بابصیرت نگاہ ہونا ضروری تھی تو دُوسری طرف معیشت، قانون اور مالیاتی اِداروں کے نظم ونسق سے کما حقہٗ آگاہی بھی ضروری تھی اور اس کے ساتھ ساتھ ہر دِینی کام کی شرطِ اوّل یعنی تقویٰ، للّٰہیت، حزم واِحتیاط کا مزاج اور اکابر کے ذوق ومشرب سے حظِ وافر کا ملنا کس قدر ضروری ہے، کسی پر مخفی نہیں۔

خوش قسمت ہے مسلمانانِ ہند کی ملت کہ اس کی دِینی سیادت اور قیادت کے مقام پر ہمیشہ ایسی جلیل القدر ہستیاں مسند نشین رہی ہیں کہ وہ اُمت کے اِجتماعی مسائل پر ہمیشہ سر جوڑ کر کسی نہ کسی حل تک پہنچتی رہی ہیں۔ سودی بینکوں کے نظام کے خلاف جن بزرگوں نے بڑے اہتمام سے سر جوڑ کر اس کے بالمقابل غیر سودی اِداروں کا خاکہ تیار کیا، ان میں محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری، مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکی، فقیہ العصر مفتی

رشید احمد لدھیانوی رحمہم اللہ اور اکابر کی ایک طویل فہرست ہے جو اس منحوس نظام کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کی مبارک کوششوں میں مشغول رہی۔

ان تمام بزرگوں کی دُعاؤں اور توجہات کی برکت سے ان کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری اور اس محنت کو آگے بڑھانے اور عملی شکل دینے میں اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ کام شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے لیا جس کا اِعتراف پورے عالمِ اسلام نے ہمیشہ کیا اور اس سلسلے میں بننے والی بین الاقوامی مجالس کی مسندِ صدارت کا اہل ہمیشہ مولانا تقی عثمانی صاحب ہی کو سمجھا گیا۔ چند ماہ قبل پاکستان میں بعض اہلِ علم نے بلاسود بینکاری کے اس نظام پر اپنے عدم اعتماد کا اِظہار کیا اور اس سلسلے میں علمائے کرام نے ایک فتوے پر بھی دستخط کیے جس سے سودی اور غیر سودی بینکاری کے درمیان حدِ فاصل پر زَد پڑ رہی تھی۔ چنانچہ ضروری تھا کہ بلاسود بینکاری کے لئے اکابر کی طرز پر جو شبانہ روز محنت کی گئی تھی، اس کو محفوظ کیا جائے اور سودی اور غیر سودی بینکاری کو ایک ہی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ چنانچہ ملک بھر سے اہلِ اِفتاء نے اس مسئلے پر اپنی آراء کا اظہار کیا جس میں سے ایک بہت ہی وقیع رائے از ہرِ ہند دار العلوم دیو بند کے دار الافتاء کی ہے جو اس زیرِ نظر رسالے کے اِبتدا میں موجود ہے۔ اسی طرح بعض علمائے کرام نے صوبۂ سرحد اور صوبۂ پنجاب کے علماء اور اہلِ فتویٰ سے ان کی رائے معلوم کی، انہوں نے ایک تحریر لکھی جس پر ۴۰ اعلماء نے دستخط فرمائے۔ یہ تمام تحریریں اس موضوع پر اہم ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اہلِ علم کے گراں قدر مضامین ہیں جن کو اس رسالے میں جمع کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اب تو اس موضوع پر خود حضرت شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی صاحب نے ''غیر سودی بینکاری'' کے نام سے ایک ایسی لازوال کتاب تصنیف کر دی ہے جس نے تمام گرد و غبار جھاڑ کر مسئلے کو روزِ روشن کی طرح واضح اور عیاں کر دیا ہے۔ اختلاف کی حدود کی رعایت، دُوسری رائے رکھنے والوں کے لیے عزت و اِحترام کے جذبات اور علمی اِختلاف کو علمی حدود میں رکھنے کا جو نمونہ حضرت شیخ الاسلام نے پیش کیا ہے وہ اصاغر کے لئے اکابر کی

زندگیوں کا ایک خوش نما اور روشن باب ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الاسلام صاحب کو بہت ہی جزائے خیر دے کہ مضبوط علمی وفقہی دلائل کے علاوہ جو اَخلاقی روایات انہوں نے قائم کی ہیں اور سلف صالحین کے اخلاق پر عمل پیرا ہو کر جو روشن مثال قائم کی ہے، اس کی چکا چوند ایک عرصے تک نگاہوں کو خیرہ رکھے گی، جزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء۔

زیرِ نظر رسالہ ان قیمتی مضامین پر مشتمل ہے جن کو اگر ایک جلد میں محفوظ نہ کیا جاتا تو موتیوں کی لڑی بکھری رہتی اور علم کے خوشہ چینوں تک تمام کلیاں نہ پہنچ پاتیں۔ اِدارہ ''الافنان'' ان بکھرے ہوئے مضامین اور تحریروں کو یکجا کر کے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے جو محقق علماء، اہلِ فتویٰ اور دانشوروں کی طرف سے لکھی گئی ہیں۔ ان تحریروں میں نہ صرف اس خاص موضوع پر اظہارِ رائے کیا گیا ہے، بلکہ ان میں بہت سی اُصولی باتیں بھی آ گئی ہیں، اس لیے اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ اس مجموعے سے اس موضوع کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑے گی اور یہ علماء، طلبہ اور دُوسرے علم دوست حضرات کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعے کو قبولیت سے نوازے، آمین۔

اِدارہ

فتویٰ از دار العلوم دیوبند، انڈیا

میں پاکستان میں رہتا ہوں، یہاں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی زیرِ نگرانی اسلامک بینکنگ نے کافی تیزی سے ترقی کی ہے اور کر رہی ہے۔ پاکستان کے بہت سے علماء اس سے متفق بھی ہیں اور بہت سے علماء کو اس سے شاید اِختلاف بھی ہے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے اسلامک بینکنگ ماڈل کے بارے میں دار العلوم دیوبند کے علمائے کرام کی کیا رائے ہے؟ آیا وہ مفتی صاحب کی اسلامک بینکنگ کے طریقۂ کار سے متفق ہیں؟ دانش احمد، پاکستان

فتویٰ: ۱۹۰-۲۴۶/ھ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی کی قائم کردہ و جاری شدہ اسلامک بینکنگ ماڈل کے اُصول وضوابط اور عملی طریقِ کار وغیرہ ہمارے سامنے نہیں، اس لئے کوئی حتمی رائے لکھنا بھی لکھنا مشکل ہے، تاہم حضرت مفتی صاحب موصوف مدظلہٗ جبکہ فقہ وفتاویٰ پر عمیق نظر رکھتے ہیں، اور اِسلامی طریق پر بینکاری کو چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور سود ودیگر غیر شرعی معاملات سے نظام کے تحفظ کی اِستعداد رکھتے ہیں تو ایسی صورت میں مذکور فی السوال ماڈل شرعاً دُرست وصحیح ہونا ہی راجح ہے، اگر کسی جزوی معاملے میں مقامی علمائے کرام اَصحابِ فتویٰ حضرات کو اِختلاف ہو تو تنہائی میں (عوام

میں تشہیر کئے بغیر) بیٹھ کر اہلِ علم حضرات حکمت کے ساتھ اِصلاحی قدم اُٹھائیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

الجواب صحیح
حبیب الرحمٰن، زین الاسلام، وقار علی
مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

از: محمود حسن بلند شہری غفرلہ
۱۴۳۰/۱/۲۸ھ

خورشید حسن
دار الافتاء دار العلوم دیوبند

محمود حسن بلند شہری
دار الافتاء دار العلوم دیوبند

DARUL IFTA
DEOBAND
Tel (01336)222429, Fax 22

***

مفتی سیّدعبدالقدوس ترمذی مدظلہم

مروّجہ غیرسودی اسلامی بینکاری نظام

ایک وضاحت

مملکت اسلامیہ پاکستان جب سے معرضِ وجود میں آئی اس وقت سے شدّت کے ساتھ اس کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس کے معاشی نظام کو بھی قرآن وسنت کے مطابق ڈھالا جائے تاکہ اس کی برکات سے مالامال ہوکر باشندگانِ مملکت مفلوک الحالی سے محفوظ رہیں اور انہیں حقیقی معاشی اِستحکام نصیب ہو، لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ملک سے سود کی لعنت کو ختم کرکے بلاسود اِسلامی نظامِ معیشت کو متعارف کرایا جائے اور بینکاری نظام سے سودی سلسلے کا مکمل خاتمہ کردیا جائے۔

حضراتِ علمائے کرام قیامِ پاکستان کے بعد سے مسلسل اس کی جدوجہد اور کوشش فرماتے رہے اور وہ تمام سودی اِداروں کو متبادل سود سے پاک جائز طریقے اور نظام کی طرف بھی راہنمائی کرتے رہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:-

’’پاکستان میں بینکوں کو سود کی لعنت سے پاک کرکے انہیں شرعی اُصولوں کے مطابق چلانے کی خواہش تو ہمارے اکابر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری صاحب اور مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہم اللہ وغیرہ سب کو رہی، اور انہوں نے اس کے لیے اِبتدائی کوششیں بھی کیں، لیکن اس کے لیے سب سے پہلے ایک منظم تجویز ۱۹۸۰ء میں اِسلامی نظریاتی کونسل نے ایک رپورٹ کی شکل میں پیش کی، حضرت

مولانا سیّد محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہٗ ابتداء میں کونسل کے رُکن تھے، اور اسی وقت کونسل کا ایک بنیادی کام غیر سودی بینکاری کا طریق کار متعین کرنے کو قرار دیا گیا تھا، لیکن اس رپورٹ کی تیاری کے وقت حضرت کی وفات ہوچکی تھی اور ان کی جگہ حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کو رُکن بنادیا گیا تھا، نیز اس وقت حضرت مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل اور حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب اور یہ نیازمند کونسل کے ارکان میں شامل تھے۔ یہ رپورٹ وسیع پیمانے پر اُردو اور انگریزی میں شائع ہوئی، بحیثیت مجموعی اسے سراہا گیا اور اس پر کوئی اِشکال اس وقت سامنے نہیں آیا۔ لیکن جب اس رپورٹ کی تنفیذ کا وقت آیا تو نافذ کرنے والوں نے اس میں ایسی تبدیلیاں کردیں جن کی وجہ سے اس رپورٹ کی تجاویز کا حلیہ بگڑ گیا اور ''غیر سودی بینکاری'' ایک دھوکا ہوکر رہ گئی۔ اس موقع پر اس دھوکے کے خلاف سب سے پہلے بندے ہی نے آواز اُٹھائی، اخبارات اور مضامین کے ذریعے حقیقتِ حال سے عوام کو آگاہ کیا، لیکن ساتھ ہی یہ کوشش بھی جاری رکھی کہ غیر سودی بینکاری کے تصور ہی کو ختم کرنے کے بجائے اس میں اصلاح کی صورتیں پیدا کی جائیں۔ چنانچہ صحیح متبادل طریقے اختیار کرنے کے لیے اس وقت شعبان ١٤١٢ھ میں دارالعلوم کراچی میں ''مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ'' کا ایک اجلاس بلایا گیا تھا جو غالباً کئی روز تک جاری رہا تھا۔ اس میں دارالعلوم کے اصحابِ فتویٰ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا مفتی وجیہ صاحب قدس سرہٗ، حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم اور جامعہ خیر المدارس کے مفتی محمد انور صاحب مدظلہم بھی شامل تھے۔ اس وقت متبادل طریقوں کا تعین کرنے کے لیے ایک تحریر پر سب نے اتفاق کیا، البتہ حضرت مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم نے بحیثیتِ مجموعی اتفاق فرمانے کے ساتھ تین نکات سے متعلق اختلاف فرمایا۔ یہ پوری تحریر حضرت مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہٗ نے اپنے ''احسن الفتاویٰ'' کی ساتویں جلد میں ص:١٢١ پر ''بلاسود بینکاری'' کے عنوان سے شائع فرمائی ہے۔

اس تحریر کے ذریعے چند متبادل طریقوں پر بحیثیت مجموعی مجلس کا اتفاق ہو گیا تھا، اس لیے اسی بنیاد پر ملکی بینکوں میں تبدیلی لانے کی کوشش کی گئی لیکن افسوس ہے کہ حکومتی سطح پر یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ اسی دوران عرب ممالک میں ''غیر سودی بینکوں'' کے قیام کی تحریک نے خاصا زور پکڑا، اور وہاں اس قسم کے بینک قائم ہونے لگے، ان کے طریق کار کے بارے میں ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے اجلاسات میں غور ہوتا رہا، اور اس کی قراردادوں میں بھی بنیادی طور پر وہی موقف اختیار کیا گیا جو ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کی مذکورہ بالا تحریر میں اختیار کیا گیا تھا۔ اور ان کی تایید میں مفصل مقالات مجمع کے مجلّہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف ہندوستان میں مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع الفقہ الاسلامی ہند کے نام سے جو اِدارہ قائم کیا تھا، اس کے مختلف اجلاسات میں بھی یہ موضوعات زیرِ بحث آئے، جن میں علمائے ہندوستان نے تحقیقی مقالات بھی تحریر فرمائے۔ پھر چونکہ بینکوں کے نظام میں تبدیلی لانے کے لیے اور بھی بہت سے کام ضروری تھے، اس لیے عالمِ اسلام میں ان کاموں کے لیے الگ الگ ادارے قائم ہوئے، انہی میں سے ایک ادارہ ''المجلس الشرعی'' کے نام سے قائم ہوا جو اس وقت بیس علماء پر مشتمل ہے، اس کے ارکان میں شیخ محمد الصدیق الضریر (سوڈان)، شیخ وہبہ الزحیلی (شام)، شیخ سعید رمضان البوطی (شام)، شیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع (سعودی عرب)، شیخ عبدالرحمٰن الاطرم (سعودی عرب)، شیخ عبدالستار ابوغدہ (شام)، شیخ عجیل النشمی (کویت)، شیخ علی محی الدین القرہ داغی (عراق)، شیخ نظام یعقوبی (بحرین) جیسے معروف علماء شامل رہے ہیں۔ اس مجلس نے غیر سودی بینکوں کے تفصیلی طریقِ کار سے متعلق متعین ''معاییر'' تیار کرنے کا کام اپنے ذمے لیا ہے، جس میں زیرِ بحث اُمور سے متعلق کسی ایک عالم سے کتبِ فقہ کی روشنی میں ایک مفصل مقالہ اور متعلقہ موضوع پر ایک متن تیار کرایا جاتا ہے جو بطور معیار مالیاتی اداروں میں نافذ کیا جا سکے۔ اس متن پر مجلس شرعی میں بحث ہوتی ہے جو کئی کئی دن جاری رہتی ہے۔ اختلافِ آرا کو کھلے دِل سے سن کر اس پر آزادانہ گفتگو ہوتی ہے، اور جب

ایک مسودہ تیار ہو جاتا ہے تو ان علماء کا ایک اجتماع منعقد ہوتا ہے جو مجلس شرعی کے رکن نہیں ہیں مگر ان موضوعات پر تصنیفی اور تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ یہ اجتماع ''جلسة الاستماع'' کے نام سے ہر معیار پر دوبارہ غور کرنے کے لیے منعقد ہوتا ہے اور باہر کے علماء کی آراء سنی جاتی ہیں۔ پھر مجلس ان آراء کی روشنی میں مسودے پر دوبارہ غور کرتی ہے اور تیسری خواندگی کے بعد اسے ''معیار'' کے طور پر شائع کیا جاتا ہے۔ اب تک اس طرح تیس کے قریب معاییر شائع ہو چکے ہیں۔'' (اقتباس از گرامی نامہ حضرت عثمانی صاحب مدظلہم)

اس تفصیل سے واضح ہے کہ موجودہ غیر سودی بینکاری نظام جس کی سرپرستی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرما رہے ہیں وہ تنہا ان کی اِنفرادی رائے پر مبنی نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی تحریر، **مجمع الفقه الإسلامي** کی قراردادوں اور **المجلس الشرعي** کے صادر کیے ہوئے معاییر پر ہے۔

''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کے جس اِجلاس کا ذِکر حضرت نے اپنی تحریر میں فرمایا ہے وہ دارالعلوم کراچی میں ۲۱، ۲۲؍رجب المرجب ۱۴۱۲ھ - ۲۷، ۲۸؍جنوری ۱۹۹۲ء سوموار، منگل دو روز جاری رہا اور حضرتِ اقدس والد ماجد قدس سرہٗ کے ہمراہ احقر بھی اس میں شریک رہا، اور اس طرح بفضلہ تعالیٰ احقر کو بھی دو روز تک اربابِ فضل و کمال سے اِستفادے کا شرف حاصل ہوا۔

عالمِ اسلام کے اکثر خطوں میں سود سے پاک مالیاتی اِدارے قائم کرنے کے رُجحان اور غیر سودی نظام سے متعلق موجودہ کوشش کی مخالفت کے نتائج پر روشنی ڈالتے ہوئے اسی گرامی نامے کے آخر میں حضرت مولانا مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:-

''دوسرے اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ صرف پاکستان نہیں، بلکہ عالمِ اسلام کے اکثر خطوں میں الحمدللہ سود سے پاک مالیاتی ادارے قائم کرنے کا رُجحان روز بروز بڑھ رہا ہے، اور پچھلے تیس چالیس سال سے، تقریباً تمام عرب ممالک میں، نیز ملائشیا، انڈونیشیا،

بنگلہ دیش، برونائی وغیرہ میں اور مغربی ملکوں میں سے برطانیہ امریکا وغیرہ میں ایسے اِدارے بڑی تعداد میں قائم ہوئے ہیں، جن کی راہنمائی ان علاقوں کے علماء کرتے ہیں۔ یہ سارے کے سارے علماء متساہل یا مداہن نہیں ہیں، ان میں بعض ایسے حضرات بھی شامل ہیں جن کے علم کے ساتھ ان کا ورع وتقویٰ بھی ظاہر وباہر ہے۔ پھر چونکہ سودی نظام نے دُنیا بھر کو اپنے شکنجے میں بُری طرح جکڑا ہوا ہے، اس لیے اس کام کے لیے مناسب فضا تیار کرنے کے لیے بہت سے معاون اِداروں کی ضرورت تھی جو رفتہ رفتہ وجود میں آئے ہیں۔ مثلاً متعدد مقامات پر تاجروں اور پیشہ وَر حضرات کو معاملات سے متعلق اسلامی اَحکام، شرکت، مضاربت، مرابحہ، اِجارہ، کفالہ، رہن، زکوٰۃ وغیرہ سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ شرقِ اَوسط کے علماء خاص طور پر ان اِداروں کی راہنمائی کے لیے کتابیں، رسالے اور تحقیقی مضامین لکھ رہے ہیں، اور اس موضوع پر شائع شدہ مواد بلا مبالغہ لاکھوں صفحات تک پہنچ چکا ہوگا۔ اب عام یونیورسٹیاں بھی اس موضوع کو داخلِ نصاب کرنے لگی ہیں۔ اسی طرح بلاسود بینکاری کے لیے اکاؤنٹ کے معیار بھی سودی بینکوں سے مختلف ہونا ضروری ہیں، اسکے لیے اکاؤنٹ کے معاییر بحرین کے ایک اِدارے نے تیار کیے ہیں۔ کمپیوٹر کے پروگراموں میں تبدیلی کی ضرورت تھی، وہ کام الگ ہوا ہے۔ مرکزی بینکوں کے قواعد غیر سودی بینکوں کے لیے الگ ہونے چاہئیں، چنانچہ پاکستان سمیت کئی مرکزی بینکوں میں اس غرض کے لیے الگ شعبہ قائم کرکے غیر سودی بینکوں کے لیے الگ قواعد بنائے گئے ہیں۔ ان اِداروں کی درجہ بندی (ریٹنگ) کے لیے الگ معیار کی ضرورت تھی جس میں شرعی اَحکام کی پابندی کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے لیے ان اِداروں کی الگ ریٹنگ ایجنسی قائم ہوئی ہے، اور یہ سارا کام لادِینی حلقوں کی شدید مخالفتوں کے علی الرغم ہوا ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود یقیناً ان اِداروں کو خامیوں اور غلطیوں سے پاک نہیں کہا جاسکتا، بالخصوص جبکہ یہ نظام اپنے ابتدائی مراحل میں ہے، اس کے لیے موزوں رجالِ

کار کی فراہمی ایک مستقل مسئلہ ہے، اور اسے ہر قدم پر سودی نظام کی پیدا کی ہوئی مشکلات سے سابقہ پیش آتا ہے۔ لیکن بندہ یہ سمجھتا ہے کہ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ حتی الامکان ان خامیوں اور غلطیوں کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی جائے، نہ یہ کہ ان خامیوں کی وجہ سے غیر سودی بینکاری کے اس سارے کام کو بیک جنبشِ قلم رائیگاں اور ناجائز قرار دے کر ان سے بالکل قطع تعلق کر لیا جائے۔ اس سے بظاہر یہ ادارے ختم تو نہیں ہوں گے، لیکن اوّل تو ان کی خامیوں میں اور اضافہ ہوگا، اور دُوسرے مسلمانوں کے درمیان خلفشار بڑھے گا، اور اس کے نتیجے میں دراصل سودی نظام اور ان لادینی طاقتوں کے ہاتھ مضبوط ہوں گے جو ان کوششوں کے دشمن ہیں، اور جن کا عین مفاد یہ ہے کہ غیر سودی بینک ناکام ہوں، اور ان کے اس پروپیگنڈے کو تقویت حاصل ہو کہ سود کے بغیر تجارت و معیشت چل نہیں سکتی۔''

حضرت عثمانی مدظلہم کی تحریر فرمودہ تفصیل کی روشنی میں قارئینِ مجلّہ الحقانیہ یقیناً سمجھ چکے ہوں گے کہ مروّجہ غیر سودی اسلامی بینکاری نظام کی طرف کی گئی پیش رفت خامیوں کے اِحتمال کے باوجود مجموعی طور پر اِسلامی اُصولوں پر مبنی ہے، اسے وقت کے جید علمائے کرام اور فقہائے عظام کی تائید حاصل ہے اور اسے کلیۃً غیر اِسلامی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں احقر ناکارہ سے جب بھی کسی نے اِستفسار کیا تو احقر نے یہی جواب دیا کہ عالمِ اسلام کی عظیم شخصیت محقق العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ جن کا علم اور فضل و کمال، دیانت و تقویٰ مُسلّم ہے، اگر وہ اس کی تائید فرما دیں تو جن حضرات کو ان پر اعتماد ہے وہ ان کی رائے پر عمل کر سکتے ہیں۔ مروّجہ غیر سودی اسلامی بینکاری نام کے مرتبہ خاکے میں چونکہ واضح طور پر کوئی ایسی بات نہ تھی جس کی وجہ سے اس کو ناجائز یا حرام قرار دیا جاتا، علاوہ ازیں پاکستان کے کسی دارالافتاء کا اِختلاف بھی سامنے نہیں آیا تھا اس لیے اس سے متعلق کیے گئے سوال کا یہی جواب دیا گیا۔

شعبان المعظم ۱۴۲۹ھ کے آخر میں حضرتِ اقدس شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی زیرِ صدارت جامعہ فاروقیہ کراچی میں اکتیس (۳۱) مفتیانِ

عظام وعلمائے کرام کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں شریک ہونے والے مفتیانِ کرام نے متفقہ طور پر فتویٰ دیا کہ:-

''اسلام کی طرف منسوب مروّجہ بینکاری قطعی غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے، لہٰذا ان بینکوں کے ساتھ اسلامی یا شرعی سمجھ کر جو معاملات کیے جاتے ہیں وہ ناجائز اور حرام ہیں اور ان کا حکم دیگر سودی بینکوں کی طرح ہے۔''

اس فتویٰ سے موجودہ مروّجہ اسلامی بینکاری نظام کے جائز، ناجائز ہونے کے متعلق ایک مرتبہ پھر شدّت سے سوال پیدا ہوا اور ضرورت محسوس ہوئی کہ جواز کے فتویٰ کی دوبارہ وضاحت کی جائے، حق تعالیٰ بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائیں ہمارے مخدوم بزرگ شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی مدظلہم کو کہ انہوں نے اس کے لیے حضرت فضیلۃ الاستاذ قاری المقری احمد میاں تھانوی مدظلہم کے ذریعے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کو جو اس وقت ایک خاندانی تقریب کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے تھے، دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک لاہور تشریف لانے کی دعوت دی، اسی طرح مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم، مولانا زبیر اشرف عثمانی، مولانا عمران اشرف عثمانی، مولانا رشید اشرف سیفی مدظلہم کو بھی اس اجتماع میں مدعو کیا گیا اور ان سب حضرات نے ۱۳/نومبر ۲۰۰۸ء-۱۴/ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ کو دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں قدم رنجہ فرمایا، حضرت قاری مقری مولانا احمد میاں تھانوی مدظلہٗ نے تلاوت فرمائی اور اجتماع کے پس منظر پر روشنی ڈالی، پھر شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی مدظلہٗ نے سپاس نامہ پیش فرمایا، اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام مدظلہم نے ڈھائی گھنٹے تک متعلقہ موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرمائی اور مختلف سوالات کے جواب بھی دیے، حضرت نے مروّجہ غیر سودی اسلامی بینکاری نظام کے متعلق اپنے موقف کی کھل کر وضاحت فرمائی، حال ہی میں بعض حضرات علمائے کرام نے اس کے قطعی حرام اور ناجائز ہونے کا جو فتویٰ صادر فرمایا ہے اس کے بارے میں آپ نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا:-

''میں نے وہ مکمل فتویٰ اور اس کی تائید میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی مفصل تحریر کو اس نیت سے پڑھا کہ اگر ہمارا موقف دلائل کی روشنی میں غلط ثابت ہوگیا تو ان شاء اللہ اس سے رُجوع کرلیا جائے گا، لیکن پوری تحریر پڑھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اس کی بیشتر باتیں واقعے کی غلط اطلاع پر مبنی ہیں، اور کچھ واقعی فقہی نکات ہیں جن میں دو رائیں ہوسکتی ہیں، لیکن ان کی بناء پر غیر سودی بینکاری کے پورے نظام کو ناجائز قرار دینا دُرست نہیں۔''

آپ کے بعد حضرت مفتیٔ اعظم مدظلہم نے مختصر مگر جامع مانع خطاب فرمایا، اِختلافِ رائے کی حدود کے حوالے سے آپ نے حضراتِ علمائے کرام اور فقہائے عظام کے مابین فقہی اختلافات کو مستحسن قرار دیتے ہوئے اس پر زور دیا کہ اِختلاف کے اِظہار کا انداز حضرات علمائے کرام کے شایانِ شان ہونا چاہیے، کسی بھی ذی قدر عالم یا اس کی رائے کا اِستخفاف یا کسی کی تفسیق، تجہیل یا طعن وتشنیع کسی طرح بھی جائز نہیں، اِختلافات میں اس کا لحاظ انتہائی ضروری ہے۔ آخر میں آپ کی دُعا پر یہ پروگرام بخیر وخوبی مکمل ہوا۔ تفصیل کے لیے قارئین کرام اور شائقین حضرات حضرت کے بیان کی سی ڈی حاصل فرماکر غور سے اسے سماعت فرمالیں۔

حضرت کے اس مفصل بیان سے شرکائے محفل کو بہت ہی فائدہ اور اِطمینان ہوا، اور احقر کو بھی اپنے سابقہ موقف پر مزید شرحِ صدر محسوس ہوا، اس لیے اب تک احقر کا رُجحان حسبِ سابق اسی رائے کی طرف ہے جس کی تفصیل سطورِ بالا میں لکھ چکا ہوں، تاہم اس پر کوئی ضد یا بے جا اصرار وجمود نہیں ہے، اگر دلائل سے دُوسری رائے پر شرحِ صدر ہوگیا تو پھر بلاکسی تردّد کے سابقہ رائے سے رُجوع کا اعلان کردیا جائے گا، واللہ علیٰ ما اقول شہید۔ ہمارے اکابر اور بزرگوں کا ہمیشہ یہی شیوہ رہا ہے جیسا کہ ''ترجیح الراجح'' اور ''اِختیار الصواب فی مختلف الابواب'' دیکھنے سے واضح ہے، اس سلسلے میں حضرتِ اقدس حکیم الامت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ کا یہ ملفوظِ گرامی اِنتہائی اہم اور قابلِ قدر ہے، فرمایا کہ:-

''میرے کسی مسئلے پر جب کوئی شخص اعتراض کرتا ہے تو سب سے اوّل میرے دِل میں یہی بات آتی ہے کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہوگی اور غور کر کے فوراً رجوع کر لیتا ہوں، اس کی خواہ مخواہ کے لیے توجیہ و جواب کے درپے نہیں ہوتا۔ اس میں چند فوائد ہیں، اوّل یہ کہ اس میں بہت آرام رہتا ہے، مفت کے فکر اور غور سے بچتا ہوں، دوم وقت ضائع نہیں ہوتا، سوم اس کی جگہ دُوسرے کام بہت سے ہو جاتے ہیں جو اَز حد نافع ہوتے ہیں، اگر ایسی عادت نہ رکھتا تو پھر اتنے کام کبھی بھی انجام نہیں دے سکتا، چہارم ہر توجیہ کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ مجھ سے کوئی غلطی نہیں ہوتی جو صریح کبر ہے، پنجم اپنے متعلقین کی عادت بھی اسی قسم کی ہوگی کہ توجیہ بلاوجہ سے اِحتراز کریں گے ورنہ لوگوں کو اس میں سخت غلو ہے۔''

(ملفوظات حسن العزیز ملفوظ نمبر ۱۱، النور ماہ ذوالحجہ ۱۳۴۵ھ)

بغیر شرحِ صدر اور بغیر غور و فکر کے، محض اِعتماد پر دستخط کا طریقہ، خلافِ قاعدہ ہونے کی وجہ سے ہمارے اکابر نے پسند نہیں فرمایا، حضرتِ اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہٗ اس بارے میں حضرتِ اقدس سہارنپوری قدس سرہٗ کا معمول یوں بیان فرماتے ہیں:-

''ایک فتویٰ اکابر مدرّسین میں سے ایک بزرگ کا لکھا ہوا تھا، ان کے لکھنے پر اِعتماد اور سرسری نظر سے دیکھنے کے بعد دیگر مدرّسین کی طرح اس پر میں نے بھی دستخط کر دیے، یہ فتاویٰ اِبتداء میں یا دیگر مدرّسین کے دستخطوں کے بعد میرے حضرت، میرے مرشد حضرتِ اقدس مولانا خلیل احمد صاحب کی خدمت میں پیش کیے جایا کرتے تھے اور حضرتِ اقدس قدس سرہٗ کے دستخط کے بغیر باہر نہیں جایا کرتے تھے۔ یہ فتویٰ جب حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش ہوا تو حضرت نے فتویٰ پر یہ لکھ کر کہ ''اس میں یہ غلطی ہے دوبارہ دُرست کرو'' اس کو واپس کر دیا اور کسی مدرّس سے بھی مطالبہ نہیں کیا، لیکن از راہِ شفقت - اللہ جل شانہٗ میرے جملہ اکابر کو ان کی شفقتوں کا بہت ہی بہتر بدلہ عطا فرمائے - مجھ سے دریافت کیا کہ ''اس فتویٰ کو پڑھ کر دستخط کیے یا بغیر پڑھے ہی دستخط کر دیے؟'' میں

نے عرض کیا کہ سرسری دیکھا تھا مگر فلاں حضرت کا لکھا ہوا اور سب مدرّسین کے دستخط ہونے کی وجہ سے زیادہ غور کی ضرورت نہیں سمجھی۔ میرے حضرت قدس سرہٗ نوّر اللہ مرقدہٗ نے ایک ڈانٹ پلائی کہ دستخط فتووں کی تصدیق اور اس کی شہادت ہے، بغیر تحقیق کے کیوں دستخط کیے؟ وہ ڈانٹ مجھ پر ایسی مؤثر ہوئی کہ اس کے بعد سے کسی ایسے مسئلے کے علاوہ جو بندہ کے خیال میں بالکل کھلا ہوا نہ ہو اور اس پر اس ناکارہ کے دستخط کی خاص وجہ بھی نہ ہو دستخط بھی نہیں کرتا۔'' (آپ بیتی نمبر۵، ص:۱۲۰)

ایک ہی نظام کے بارے میں دو مختلف اور متضاد فتویٰ صادر ہونے سے عوام میں اضطراب اور تشویش کا پیدا ہو جانا ایک فطری امر ہے، لیکن اس کا حل اس کے سوا اور کیا ہے کہ یا تو جانبین سے اربابِ فتویٰ جمع ہو کر دونوں آراء پر غور کے بعد باہم کسی ایک جانب متفق ہو جائیں یا پھر دیگر بہت سے فقہی اختلافی مسائل کی طرح حسبِ قاعدہ انہیں اختیار دے دیا جائے کہ وہ دیانۃً جس فتویٰ پر چاہیں عمل کر لیں، لیکن کسی بھی فریق کی بے ادبی، گستاخی، بے احترامی اور ان پر طعن و تشنیع سے مکمل اجتناب کریں، دونوں آراء کو قابلِ احترام اور فریقین کو دیانت دار اور اَمانت دار سمجھیں، حضراتِ علمائے کرام بھی اپنے اپنے حلقۂ اَحباب کو اسی کی تلقین فرمائیں تا کہ اختلاف اپنی حدود میں رہے، خدانخواستہ خلاف یا شقاق کی صورت اختیار کر کے اُمت میں انتشار کا سبب نہ بنے۔

حضراتِ اہلِ علم اور اہلِ حق میں اختلافِ آراء نہ مستبعد ہے اور نہ ہی کوئی نئی چیز ہے، لیکن اس سلسلے میں بھی اپنے بزرگوں کے اختلافات کا انداز یقیناً ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے، اس کے لیے رسائل ''پیر و مرید کا فقہی اختلاف، الاعتدال'' وغیرہ کا پیشِ نظر رکھنا انتہائی مفید ہے۔

بہرحال بینکاری نظام سے متعلق حالیہ اختلاف کوئی نئی چیز نہیں ہے، حضراتِ علمائے کرام پر یہ حقیقت ہرگز مخفی نہیں کہ غیر منصوص اور غیر قطعی مسائل میں اہلِ حق کے مابین ہمیشہ اختلافات کا سلسلہ چلتا رہا ہے اور یہ اختلاف اگر دیانت اور تقویٰ کی بنیاد پر ہو (جیسا

کہ اہلِ حق کے اِختلاف میں یہی صورت ہوتی ہے) تو پھر اختلاف بھی اُمت کے لیے رحمت کا باعث بن جاتا ہے۔

اب چونکہ اس موضوع پر دونوں طرف سے مدلل آراء سامنے آچکی ہیں، اس لیے اہلِ علم اور اَربابِ فتویٰ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ انہیں بنظرِ انصاف ملاحظہ فرما کر جس رائے پر شرحِ صدر ہو اسے اِختیار فرمائیں اور اگر جانبین کے بڑے حضرات مل کر باہم غور و خوض کے بعد کسی نکتے پر جمع ہو جائیں تو یہ اور بھی بہتر ہوگا۔

اہلِ حق کا طریقہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ وہ اپنے مخالف نقطۂ نظر رکھنے والے حضرات کے کلام میں خوب غور و خوض کرتے ہیں اور حتی الامکان اس کے دلائل بھی تلاش فرماتے ہیں تاکہ اگر فریقِ مخالف کی بات حق ہو تو اسے قبول کرلیا جائے، اپنے موقف پر بے جا اِصرار ان کا شیوہ نہیں ہے، لیکن آج کل یہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ فریقِ مخالف کے نقطۂ نظر پر غور اور توجہ تو دُور کی بات ہے اسے سننا بھی گوارا نہیں ہوتا۔

احقر ناکارہ نے ایک طویل عرصہ حضرتِ اقدس والد ماجد قدس سرہٗ کی خدمت میں گزارا، وہاں بارہا دیکھنے میں آیا کہ فریقِ مخالف کی رائے اور اس کے دلائل اور منشاء پر حضرت رحمہ اللہ خود بھی غور فرماتے اور ہمیں بھی اس پر متنبہ فرماتے تھے، بغیر غور و خوض کے دُوسرے فریقے کے نقطۂ نظر کو رَدّ کر دینا آپ کے ہاں نہایت ناپسندیدہ تھا، اس بارے میں جامعہ دارالعلوم کراچی کے اُستاذِ حدیث مخدوم و مکرم حضرت مولانا محمود اشرف عثمانی مدظلہم اپنا مشاہدہ یوں تحریر فرماتے ہیں:-

''ایک خاص بات جو مفتی صاحب کے یہاں دیکھی اور کم حضرات میں نظر آئی وہ مخالف فرقے یا مخالف نقطۂ نظر رکھنے والے حضرات کے نقطۂ نظر کی توجیہ بلکہ ان کے لیے دلائل کی تلاش ہے، احقر نے بار بار اس کا مشاہدہ کیا کہ اگر ان کی مجلس میں مخالف فرقے کے کسی مسئلے کا ذکر کیا جاتا تو وہ اوّل مرحلے میں اسے فوری طور پر رَدّ کرنے کی بجائے اسے توجہ سے سنتے، ان کے نقطۂ نظر کی تفصیل پوچھتے، ان کے دلائل معلوم کرتے، اگر کوئی شخص

ان کے دلائل نہ بتائے تو خود ان کی طرف سے کوئی دلیل بیان کرتے، پھر حاضرین سے اس کا جواب طلب کرتے، اس بات کی آج کے دور میں غیر معمولی قدر محسوس ہوتی ہے جبکہ فریقِ مخالف کے دلائل پوچھنا تو بڑی بات ہے دُوسرے کا نقطۂ نظر تفصیل سے معلوم کرنا بھی لوگوں کے لیے گوارا نہیں رہا، اوّل مرحلے ہی میں دُوسرے کی تفسیق، تضلیل بلکہ تکفیر تک کردی جاتی ہے اور یہ سوچا تک نہیں جاتا کہ دُوسرے کا موقف اصل میں کیا ہے؟ اس نے کیا بات کہی ہے اور کیوں کہی ہے؟ احقر کے سامنے کئی بار ایسا ہوا کہ متجددین یا گمراہ لوگوں کی کوئی بات مجلس میں ذکر کی گئی اور مفتی صاحب نے اوّلاً ان کی دلیل ذکر کی اور پھر حضرت مفتی صاحب (حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی) سے کہا کہ حضرت! وہ لوگ تو یہ یہ دلائل دیتے ہیں، ان کے کیا جواب ہوگا؟ کچھ جوابات حضرت مفتی صاحب اپنا کام کرتے کرتے دیتے تو باقی جوابات خود مفتی صاحب دے کر مسئلہ مکمل طور پر منقح کردیتے اور جانبین کا نقطۂ نظر پوری طرح سامنے آجاتا، یہ عدل و انصاف پر مبنی وہ طریقۂ کار ہے جو باعتماد، تبحر اکابر علماء اور سلف صالحین کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔''

(حیاتِ ترمذی ص:۲۹۱)

آخر میں احقر اپنی ان بے ربط اور طویل گزارشات کو اس دُعا پر ختم کرکے اجازت چاہتا ہے:-

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا
وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

آں کے پیش تو گفتم غم دل، وترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہٗ

۱۸/ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ

(ماہنامہ الحقانیہ، ساہیوال سرگودھا، محرم ۱۴۳۰ھ - جنوری ۲۰۰۹ء)

سجاد اشرف عثمانی

کیا موجودہ اسلامی بینکاری اور ۱۹۸۱ء کی بلاسودی اسکیم میں سرِ مو فرق نہیں ہے؟

پچھلے دنوں بنوری ٹاؤن سے چھپنے والی ایک کتاب کے بیک ٹائٹل پر لکھے ہوئے ایک جملے کو پڑھ کر بندہ ایک عجیب سی اُلجھن کا شکار رہا۔ جملہ یہ تھا: ''مروّجہ مرابحہ کا رِبح اور اِجارہ کی اُجرت ۱۹۸۱ء کی بلاسودی اسکیم کے مارک اَپ سے سرِ مو مختلف نہیں۔''

اس کو پڑھ کر میرے ذہن میں فوری طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا ۱۹۸۱ء کی اسکیم کے بارے میں غیر شرعی ہونے کا بیان اور اس اسکیم کے خلاف آواز اُٹھانے والوں میں سب سے آگے ہونے کا اِقرار جبکہ موجودہ اسلامی بینکاری کے عملاً قیام اور اس کے جواز کا فتویٰ دینا، کیا لاعلمی کی وجہ سے ہوا ہے یا اس کا کوئی اور سبب ہے؟ یہ کیا وجہ ہے کہ آپ ۱۹۸۱ء کی اسکیم کو غیر شرعی قرار دیتے ہیں! اور اَب موجودہ اسلامی بینکاری پر جواز کا فتویٰ دیتے ہیں!

اگر ان دونوں میں کوئی فرق نہیں تو حضرت کے اس وقت کے بیان اور موجودہ فتویٰ میں فرق کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ اور اگر ۱۹۸۱ء کی اسکیم اور موجودہ اسلامی بینکاری میں فرق تھا تو اس کتاب میں لکھے گئے اس جملے میں کیسے ان دونوں میں فرق نہ رکھا گیا، آیا وہ اس جملے سے اپنی دیانت وامانت کا صحیح حق ادا کر رہے تھے یا اس فرق کی طرف ان حضرات کی نظر ہی نہ گئی؟

اس جستجو کے نتیجے میں بندہ نے ۱۹۸۱ء کی اسکیم اور موجودہ اسلامی بینکاری کے نظام کے درمیان موازنے کے لیے ۱۹۸۱ء کی حکومت کی پیش کردہ اسکیم، اسلامی نظریاتی

کونسل کی پیش کردہ تحقیقی رپورٹ (جو کہ علمائے کرام، ماہرینِ معاشیات اور بینکاری کی مدد سے مرتب کی گئی تھی) حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ کی تحریرات اور اسلامی بینکوں کے موجودہ چیک اینڈ بیلنس کے نظام کا مطالعہ کیا۔

اس موازنے سے حاصل ہونے والی معلومات میرے لیے بہت حیران کن تھیں کیونکہ اس موازنے نے مجھے ان دونوں نظاموں کے درمیان ایسے ایسے فرق کی طرف نشاندہی کی کہ جس سے ان دونوں نظاموں کے درمیان واضح فرق احقر کے سامنے آیا۔ جس کی وجہ سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے اس کو غیر شرعی قرار دینے اور موجودہ اسلامی بینکاری پر شرائط کے ساتھ جواز کے فتویٰ کی واضح وجوہات سامنے آ گئیں، ذیل میں ان میں سے چند واضح فرق ذکر کیے جاتے ہیں:-

ا-۱۹۸۱ء کی اسکیم

بنیادی فرق مارک اَپ کے طریقۂ کار میں فقہی شرائط کا لحاظ نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوا تھا، شریعتِ اسلامی میں خرید وفروخت کے اُصول وضوابط مقرّر کیے گئے ہیں جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ بائع (بیچنے والا) جو چیز فروخت کر رہا ہے وہ اس کے قبضے میں آ چکی ہو، جو چیز کسی انسان کے قبضے میں نہ آئی ہو اور جس کا کوئی خطرہ (Risk) بائع نے قبول نہ کیا ہو اسے آگے فروخت کر کے اس پر نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ اس اسکیم میں اس شرط کا لحاظ نہ رکھا گیا تھا اور نہ ہی فروخت شدہ چیز کے بینک کے قبضے میں آنے کا کوئی ذکر تھا، بلکہ اُلٹی یہ صراحت کی گئی تھی کہ بینک اس اسکیم میں کوئی چیز مثلاً چاول اپنے گاہک کو فراہم نہ کرے گا بلکہ اس کو چاول کی بازاری قیمت دے گا جس کے ذریعے وہ کلائنٹ بازار سے چاول خرید لے گا، اس اسکیم کے الفاظ یہ تھے:-

> ''جن اشیاء کے حصول کے لیے بینک کی طرف سے رقم فراہم کی گئی ہے ان کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ وہ بینک نے اپنی فراہم کردہ رقم کے معاوضے میں بازار سے خرید لی ہیں، اور پھر انہیں تو ے

دن کے بعد واجب الاداء زائد قیمت پر ان اِداروں کے ہاتھ فروخت کررہا ہے۔ (ہمارا معاشی نظام ص:۱۲۵)

اس میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہ تھا کہ وہ اشیاء جو کلائنٹ بینک سے خریدے گا وہ بینک کی ملکیت اور بینک کے قبضے میں کب اور کس طرح آئیں گی؟ صرف رقم دے کر اس پر نفع لیا جاتا تھا، اس میں نہ کسی قسم کی وکالت کا معاہدہ ہوا، نہ بینک کا قبضہ وضمان تھا اور نہ ہی حقیقی خرید وفروخت تھی، محض اسلامی نام تھا۔

موجودہ اسلامی بینکاری میں طریقۂ کار

جبکہ موجودہ اسلامی بینکاری میں ان شرائط کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس میں وکالت کا معاہدہ (Agency Agreement) ہوتا ہے جس پر کلائنٹ اور بینک دونوں کے دستخط ہوتے ہیں، جس کے نتیجے میں کلائنٹ مطلوبہ سامان کی خریداری کے لیے بینک کا وکیل بن جاتا ہے اور یہ کہ اس وکالت کے معاہدے پر کلائنٹ کے دستخط خریداری سے پہلے ضروری ہوتے ہیں، اگر اس پر دستخط خریداری کے بعد ہوں تو یہ خریداری کلائنٹ کی اپنی ذاتی خریداری سمجھی جاتی ہے، اسلامی بینک اس پر مرابحہ نہیں کرسکتا، پھر جب کلائنٹ مطلوبہ سامان کی خریداری کر کے قبضہ کرلیتا تو یہ سامان بینک کے ضمان (Risk) میں آجاتا ہے، یعنی اگر اس مرحلے پر کوئی نقصان ہوا تو یہ نقصان بینک کا ہوگا، اس کے بعد کلائنٹ بینک کو خریداری کے لیے ایجاب (Offer to Purchase) کرتا ہے، جب بینک اس آفر کو قبول (Accept) کرلیتا ہے تو مرابحہ کا عقد مکمل ہوتا ہے، اس کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

اب اس میں دیکھیں وکالت بھی ہے، ضمان بھی ہے اور پھر ایجاب وقبول کے ذریعے بیع بھی ہے، جبکہ ۱۹۸۱ء کی اسکیم میں یہ معاہدے ہیں ہی نہیں بلکہ اس کے خلاف کی صراحت ہے جیسا کہ ذکر کردہ حوالے سے واضح ہے۔

۲- دُوسرا فرق، ۱۹۸۱ء کی اسکیم

دُوسرا واضح اور بنیادی فرق یہ ہے کہ اس اسکیم میں رقم کی معینہ مدّت میں ادائیگی

نہ ہونے پر طے شدہ قیمت پر اِضافی رقم لیے جانے کا قانون تھا۔

جبکہ شریعت میں بیع مؤجل کے لیے ایک لازمی شرط یہ ہے کہ عقد کے وقت فروخت شدہ چیز کی قیمت متعین ہوجائے اور یہ بات بھی کہ یہ قیمت کتنی مدّت میں ادا کی جائے گی؟ پھر اگر خریدار معینہ مدّت پر طے شدہ قیمت ادا نہ کرے تو اَب مزید مہلت کے بدلے اس سے طے شدہ قیمت سے زائد رقم کا مطالبہ کرنا شرعاً دُرست نہیں، ہاں البتہ اس سے رقم وصول کرنے کے لیے تمام قانونی طریقے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

جبکہ اس اسکیم میں اس اہم اور بنیادی شرط کی بھی نہ صرف یہ کہ پابندی نہیں کی گئی بلکہ بعض معاملات میں صراحت کے ساتھ اس کی خلاف ورزی کی گئی تھی، چنانچہ اس میں کہا گیا تھا:-

> ’’بلوں کی ادائیگی میں بینک جو رقم خرچ کرے گا، اس پر اِبتداءً بیس دن کی مدّت کے لیے اعشاریہ ۸۷ فی صد مارک اَپ وصول کرے گا، اور اگر یہ رقم بیس دن میں ادا نہ ہوئی تو اس قیمت پر مزید چودہ دن کے لیے اعشاریہ ۵۸ فی صد مارک اَپ کا مزید اِضافہ ہوگا اور اگر ۳۴ دن گزر جانے پر بھی قیمت کی ادائیگی نہ ہوئی تو اس قیمت پر مزید اعشاریہ ۶۲ فی صد مارک اَپ کا اِضافہ ہوگا، اور اگر ۴۸ دن گزر جانے پر بھی ادائیگی نہ ہوئی تو آئندہ ہر پندرہ دن کی تاخیر پر مزید اعشاریہ ۹۷ فی صد کے مارک اَپ کا اِضافہ ہوتا چلا جائے گا۔‘‘
>
> (ہمارا معاشی نظام ص:۱۲۷)

موجودہ اسلامی بینکاری نظام کا طریقۂ کار

اس شرعی خرابی کا موجودہ اسلامی بینکاری میں کوئی تصوّر نہیں، اس مسئلے میں مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے اجلاس ۱۹۹۲ء میں پاکستان بھر کے مستند علماء کا پیش کردہ طریقہ اس سے بالکل مختلف نظر آتا ہے، ۱۹۸۱ء کی اسکیم میں تو ادائیگی کی تاخیر کی صورت میں سود خود بخود

مہلت کے حساب سے بڑھتا رہتا ہے لیکن علماء کا پیش کردہ طریقہ جو اسلامی بینکوں کے لیے وضع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مرابحہ یا اِجارہ کے معاہدوں (Agreements) میں کلائنٹ یہ وعدہ کرتا ہے کہ ادائیگی کی تاخیر کی صورت میں اتنی رقم کسی خیراتی اِدارے یا خیراتی کام میں خرچ کروں گا، یہ رقم نہ جرمانہ ہے اور نہ رِبا بلکہ کلائنٹ کی طرف سے اِلتزام (Undertaking) کا نتیجہ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج:۷ ص:۱۲۰)

اُصولی طور پر سودی بینکوں کے جرمانے اور مذکورہ صدقے میں دو واضح فروق موجود ہیں:-

۱- مارک اَپ بینک کی آمدنی کا حصہ بنتا ہے، جبکہ صدقہ بینک کی آمدنی کا حصہ نہیں بنتا، بلکہ بینک پر شرعاً لازم ہے کہ اسے کسی خیراتی کام (Charity) میں خرچ کرے

۲- جرمانہ بینک کے معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے کیونکہ یہ کلائنٹ اور بینک کے باہمی معاملے کی وجہ سے ہوتا ہے، جبکہ صدقہ بینک کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا کیونکہ یہ بندے اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے۔ بینک کے معاف کرنے کا زیادہ سے زیادہ یہ مطلب ہوگا کہ اس کی ادائیگی بینک کے ذریعے ضروری نہیں ہوگی، لیکن اپنے طور پر اس کو بہرحال صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔

۳- ۱۹۸۱ء کی اسکیم

ایک مزید فرق ملکی ہنڈی اور Bill of Exchange کے بنانے کے طریقۂ کار میں واضح تھا، اس میں جو طریقۂ کار اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز کے برعکس عملاً اِختیار کیا گیا تھا وہ بعینہٖ وہی سودی طریقہ تھا جو سودی بینکوں میں رائج ہے، جس میں فرق صرف اتنا تھا کہ جو کٹوتی پہلے ڈسکاؤنٹ (Discount) کہلاتی تھی اس کو "مارک ڈاؤن" (Mark Down) کا نام دیا گیا۔

موجودہ اسلامی بینکاری میں Bill of Exchange

اس مسئلے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے شرعی

قواعد کی روشنی میں ایک صورت تجویز کی تھی جو اسلامی بینکوں میں اب رائج ہے۔

وہ یہ کہ یہاں دو معاملے الگ الگ کیے جائیں، ایک تو اِسلامی بینک کو متعین اُجرت کے بدلے بل وصول کرنے کا وکیل بنایا جائے۔ دُوسرا معاملہ یہ ہے کہ بینک سے قرض لینے اور بینک کو خریدار سے ملنے والی رقم پر اپنے قرض کے بدلے میں قبضہ دینے کا اِختیار ہوگا۔

یہاں اس بات کا بھی پورا اِہتمام ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی معاملہ دُوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہو۔ (تکملۃ فتح الملہم ج:۱ ص:۳۶۳)

۴-۱۹۸۱ء کی اسکیم

ایک واضح فرق یہ بھی تھا کہ اس اسکیم میں حکومت کی طرف سے اسکیم کے تحت چلنے والے بینکوں کے کسی قسم کے چیک اینڈ بیلنس کا نظام قائم نہیں کیا گیا جو ان کی عملی غلطیوں کی طرف نشاندہی کرتا۔

موجودہ اسلامی بینکاری

جبکہ موجودہ اسلامی بینکاری میں ان اسلامی بینکوں کے شرعی معاملات کے عملی نفاذ کی نگرانی کے لیے بورڈ یا شریعہ ایڈوائزر ہوتا ہے، جو ان بینکوں کی عملی غلطیوں کو بھی پکڑتا ہے اور وقتاً فوقتاً اِصلاح کرتا رہتا ہے۔

اس تمام تفصیل کے خلاصے پر مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۸۱ء کی اسکیم اور موجودہ اسلامی بینکاری میں بہت فرق ہے، ان حالات میں یہ کہنا: ''مروّجہ مرابحہ کا رِبح اور اِجارہ کی اُجرت ۱۹۸۱ء کی بلاسودی اسکیم کے مارک اَپ سے سرِمو مختلف نہیں''، کتنی حقیقت پر مبنی ہے، اس کا فیصلہ آپ خود کرسکتے ہیں۔

***

عبدالمالک

اسلامی بینکوں کا مرابحہ

مرابحہ دراصل بیع (Sale) کی ایک قسم ہے، جس میں سامان بیچنے والا شخص (Seller)، خریدار کو یہ بتلاتا ہے کہ یہ سامان مجھے کتنے میں پڑا اور میں اس پر کتنا منافع رکھ کر آپ کو فروخت کر رہا ہوں۔ گویا اس میں عام بیع کی شرائط کی پابندی کے ساتھ ساتھ ایک اِضافی شرط کی پابندی بھی ضروری ہوتی ہے، وہ یہ کہ بائع (Seller) اپنے سامان کی لاگت اور اس پر حاصل ہونے والا نفع بھی خریدار کو بتائے۔

اسلامی بینکوں میں انجام پانے والا مرابحہ درج ذیل مراحل پر مشتمل ہوتا ہے:-

۱-جامع معاہدہ

پہلے مرحلے میں کلائنٹ اور بینک آپس میں ایک جامع معاہدہ کرتے ہیں، اسے جنرل ایگریمنٹ یا "Ficility Agreement" کہا جاتا ہے۔ اس میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ کلائنٹ کتنی رقم تک سامان بینک سے خریدے گا، بینک خریدے گئے سامان پر کتنا نفع لے گا، ادائیگی کا طریقۂ کار کیا ہوگا، وغیرہ۔

۲-مطلوبہ سامان کی خریداری

اس کے بعد بینک وہ سامان مارکیٹ سے خریدتا ہے، جسے بعد میں کلائنٹ کو فروخت کرنا ہوتا ہے۔

اس موقع پر اِسلامی بینکوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ خود بازار سے مطلوبہ

سامان کی خریداری کرے یا کلائنٹ کے علاوہ کسی اور شخص کو وکیل بنا کر خریداری کرے، البتہ ضرورت کے موقع پر خود اسی کلائنٹ کو خریداری کا وکیل بنایا جاسکتا ہے۔(المعاییر الشرعیۃ، تملک المؤسسۃ السلعۃ قبل بیعھا للآمر بالشراء، البند رقم:۳/۱/۳ ص:۱۲۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر خریداری میں کلائنٹ کو وکیل بنایا جائے اور نہ ہی بینک یہ شرط لگاتا ہے کہ ہم تمہیں مرابحہ کے ذریعے سامان تب فروخت کریں گے جب تم ہمارے وکیل کی حیثیت سے سامان خریدوگے، بلکہ اگر کہیں ایسی مجبوری پیش آجائے کہ بینک خود یا کلائنٹ کے علاوہ کسی دُوسرے شخص کو وکیل بنا کر خریداری نہ کرسکتا ہو تو اسی کلائنٹ کو خریداری کا وکیل بنایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا دُرست نہیں کہ ''اسلامی بینک کلائنٹ سے اس شرط پر مرابحہ کرتا ہے کہ وہ بینک کا وکیل بن کر بینک کے لیے خریداری کرے'' بلکہ صحیح بات وہی ہے جو اُوپر بیان ہوئی، البتہ ہمارے ہاں عام طور پر کلائنٹ کو اس لیے وکیل بنایا جاتا ہے اور وہ خود بھی وکیل بننا پسند کرتا ہے کہ وہ بینک سے کافی مالیت کا سامان خرید رہا ہوتا ہے، اور بینک یا اس کے نامزد کردہ فرد کو ہر کلائنٹ کے مطلوبہ سامان کی صحیح جان پہچان نہیں ہوتی، اس لیے اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ بینک مطلوبہ سامان خرید کر لائے اور خریدار یہ کہہ کر رَدّ (Reject) کردے کہ یہ سامان میری مطلوبہ صفات (Specifications) کے مطابق نہیں، اور ایسی صورت میں اگر سپلائر وہ سامان واپس لینے سے اِنکار کردے تو بینک کو بھاری مالی نقصان ہوسکتا ہے، اس لیے فریقین کی باہمی رضامندی سے کلائنٹ کو مطلوبہ سامان کی خریداری کا وکیل بنایا جاسکتا ہے اور کلائنٹ کو خریداری کا وکیل بنانا کسی شرعی اُصول سے متصادم نہیں۔

۳-خریدے گئے سامان پر قبضہ اور بینک کو اِطلاع

اگر خریداری کے لیے کلائنٹ کو وکیل بنایا جائے تو وہ مطلوبہ سامان کی خریداری کے بعد اس پر قبضہ (Possession) کرتا ہے اور بینک کو یہ اِطلاع دیتا ہے کہ میں نے

آپ کے وکیل ہونے کی حیثیت سے یہ سامان خرید کر اس پر قبضہ کر لیا ہے۔ چونکہ شرعاً وکیل کا قبضہ مؤکل (Principal) کا قبضہ ہوتا ہے، اس لیے یہ سمجھا جائے گا کہ شرعاً یہ مؤکل یعنی بینک کے قبضے میں ہے۔ چنانچہ اس مرحلے پر قبضے کے سارے اَحکام جاری ہوتے ہیں خصوصاً یہ حکم کہ اگر کلائنٹ کی کسی تعدّی (Negligence) کے بغیر سامان ہلاک ہو گیا تو یہ نقصان بینک کا ہوگا، کلائنٹ کا نہ ہوگا، اور اگر سامان کسی دُوسرے ملک سے خریدا (اِمپورٹ کیا) جا رہا ہے تو اس ملک سے پاکستان پہنچنے اور کلائنٹ کو مرابحہ پر بیچنے سے پہلے تک تمام رِسک بینک کا ہے، اور ہلاکت کی صورت میں بینک ہی کا نقصان ہوگا۔

۴-مرابحے کا اِنعقاد (Execution of Murabaha)

اس کے بعد کلائنٹ بینک کو یہ پیشکش (Offer) کرتا ہے کہ وہ یہ سامان اسے متعینہ قیمت پر جس میں لاگت اور بینک کا نفع شامل ہو فروخت کر دے، اور وہ اس کی قیمت کی ادائیگی فوراً یا مخصوص مدّت کے بعد کرے گا، جب بینک اسے قبول (Accept) کر لیتا ہے تو مرابحہ وجود میں آجاتا ہے اور کلائنٹ پر اس کی قیمت کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے۔ بینک اس واجب الاداء قیمت کے بدلے کلائنٹ سے کچھ ضمانتیں (Collatorals) لیتا ہے۔ یہ ہے خلاصہ اس معاملے کا جسے ''مرابحہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

مرابحہ اور سودی معاملے میں فرق

اس تفصیل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ کنوینشنل بینکوں کے سودی قرض والے معاملے اور اِسلامی بینک کے مرابحہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

کنوینشنل بینک نقد رقم قرض پر دے کر اس کے بدلے (Against) نفع کماتا ہے، اور چونکہ یہ رقم قرض پر دی جاتی ہے اس لیے بینک اس پر کوئی خطرہ (Risk) نہیں اُٹھاتا، جبکہ اِسلامی بینک مرابحہ میں پہلے کوئی چیز خریدتا ہے، اس کے ضائع یا ہلاک (Damage) ہونے کا خطرہ (Risk) برداشت کرتا ہے اور پھر اس پر قبضہ ہو جانے کے

بعد نفع پر آگے فروخت کرتا ہے۔ یہ معاملہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ایک عام دُکان دار کوئی چیز خرید کر اسے نفع پر آگے فروخت کر دیتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عام دُکان دار عام طور پر یہ نہیں بتلاتا کہ اس نے یہ چیز کتنے میں خریدی اور وہ اس پر کتنا نفع لے رہا ہے (بیع کی اس قسم کو ''مساومہ'' کہتے ہیں) جبکہ اسلامی بینک مذکورہ دونوں باتیں بتلاتا ہے، یہ بھی بنیادی طور پر بیع ہی کی ایک قسم ہے اور اسے ''مرابحہ'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے حکم کے مطابق بیع جائز اور سود حرام ہے، اِرشادِ باری ہے:-

''وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا.'' (البقرة)

ترجمہ:- اور اللہ نے خرید و فروخت کو حلال قرار دیا ہے جبکہ سود کو حرام۔

اور چونکہ مرابحہ بیع کی ایک قسم ہے لہٰذا جب قرآن مجید نے خرید و فروخت کی اجازت دی تو مرابحہ بھی اس میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز ٹھہرا بشرطیکہ اس کی شرائط کی پابندی کی جائے۔

اس کے جائز ہونے کی عقلی وجہ وہی ہے کہ مرابحہ میں اسلامی بینک مبیع (Subject Matter) سے متعلق رِسک (Risk) کو برداشت کرتا ہے اور شریعت کا قانون یہ ہے کہ ''الغنم بالغرم'' یعنی جو رِسک برداشت کرتا ہے وہ نفع لینے کا حق دار ہے۔

واضح رہے کہ یہاں ''رِسک'' سے مراد وہ رِسک ہے جو بیچی جانے والی چیز (Subject Matter) سے متعلق ہو، کلائنٹ کے نادہندہ (Default) ہونے والا رِسک مراد نہیں، اس لیے کہ نادہندگی (Default) کا خطرہ تو ہر مالی معاملے میں ہوتا ہے، لیکن آج تک کسی ماہرِ شریعت نے اس رِسک کی بنیاد پر کسی معاملے کو جائز نہیں کہا۔ دُوسری بات یہ ہے کہ اگر اس رِسک کا اِعتبار کرلیا جائے تو پھر دُنیا کا کوئی معاملہ بھی ناجائز نہیں رہے گا، حالانکہ قرآن وحدیث کے واضح اَحکامات کی روشنی میں بہت سے معاملات شرعاً ناجائز ہیں۔

چیک اینڈ بیلنس کا نظام

چونکہ مرابحہ بیع کی ایک قسم ہے اس لیے اس میں بیع کی تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، نیز مرابحہ کے مذکورہ مراحل کا شرعی حدود کے مطابق اَنجام دینا بھی ضروری ہے اوراس بات کا جائزہ لینے کے لیے کہ یہ معاملات شرعی اُصولوں کے مطابق انجام دیے جارہے ہیں یانہیں، ہر اِسلامی بینک یا کنوینشنل بینک کی اسلامی برانچوں کی نگرانی کے لیے ایک مستند عالمِ دِین بطور شریعہ ایڈوائزر مقرّر ہوتا ہے جو نہ صرف مختلف معاملات میں بینکاروں کی رہنمائی کرتا ہے بلکہ وقتاً فوقتاً ان معاملات کا جائزہ بھی لیتا رہتا ہے، اس طرح گویاایک چیک اینڈ بیلنس کا نظام قائم کیا گیا ہے۔(ماخوذ اسلامی بینکاری-حقیقت پسندانہ جائزہ از: مولانا اعجاز احمد صمدانی، تفصیل کے لیےان کی کتاب ''اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ'' کا مطالعہ بہت مفید ہے)۔

***

مولانا عبدالرحمٰن

خدارا اِختلاف کی حدود کو پامال نہ کیجیے!

حال ہی میں متعدّد علمائے کرام کی طرف سے جب مروّجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں عدمِ جواز کا فتویٰ منظرِ عام پر آیا تو اس سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ موجودہ اسلامی بینکاری کے جائز ہونے میں علمائے کرام کا اِختلاف ہے، لیکن یہ اِختلاف کس نوعیت کا ہے، اس بارے میں ہمیں بنوری ٹاؤن کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب ''مروّجہ اسلامی بینکاری - تجزیاتی مطالعہ'' میں موجود ان کی اس بات سے اتفاق ہے، کتاب کے الفاظ یہ ہیں:-

> ''یہ اِختلاف دِینی اور اُصولی ہونے کی بناء پر شرعاً محمود و مطلوب بھی ہے اور یہ ایسا اِختلافِ رائے ہے جس کی مثالوں سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے، اس کی سب سے واضح مثال خود فقہِ حنفی ہے۔''
>
> (ص:۵۲)

اب سوال یہ ہے کہ آج کے اس دور میں ایسے اِختلافی مسائل میں اِختلاف ظاہر کرنے کا دُرست طریقہ کیا ہے؟ اس پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' میں بڑی دِلکش اور جامع بحث کی ہے، ایک جگہ آپؒ لکھتے ہیں:-

> ''اسی کے ساتھ یہ اَمر بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ یہ دور بنیادی طور پر بدعت و ضلالت، اِلحاد و کج رَوِی اور دِین سے بے قیدی اور

آزادی کا ہے، اس زمانے میں ایسے ضروریاتِ دِین اور قطعیاتِ اسلام جن میں کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں، انہیں بھی مشکوک ٹھہرانے کی کوششیں ہورہی ہیں، صحابہؓ و تابعینؒ اور سلف صالحینؒ نے قرآن و سنت سے جو کچھ سمجھا، اسے بھی زورِ اجتہاد سے غلط ثابت کرنے کی حماقتیں ہورہی ہیں، اور دورِ جدید کی تمام بدعتوں اور ضلالتوں کو عین دِین و اِیمان باور کرایا جارہا ہے۔ ایسے لادِینی ماحول میں دِین دار طبقے کی فروعی و اِجتہادی مسائل میں ہنگامہ آرائی اہلِ دِین کی سبکی و رُسوائی اور لادِین طبقے کی حوصلہ افزائی کا موجب ہے۔''

(ج:۲ ص:۱۶)

نیز علمائے کرام فرماتے ہیں کہ مختلف فیہ مسائل میں کوئی جانب منکَر نہیں ہوتی، اور غیر منکَر کو منکَر کہنا خود منکَر ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جن علماء کی رائے میں موجودہ اسلامی بینکاری جائز نہیں، بلاشبہ انہیں اپنی تحقیق ہی کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے لیکن اس میں اُصولِ اِختلاف کو بھی مدِنظر رکھنا چاہیے تھا جبکہ ابھی ان کی طرف سے آئی ہوئی تحریرات میں اُصولِ اِختلاف کو بُری طرح پامال کیا گیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:-

۱- اس فتویٰ کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ ملک بھر کے چاروں صوبوں کے مفتیانِ کرام کا متفقہ فتویٰ ہے، اس بات کا خلافِ واقعہ ہونا اَظہر من الشمس ہے، بلکہ خود ان کے گزشتہ اِعتراف کے بھی منافی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ فتویٰ پاکستان کے کسی ایک شہر کے علماء کا بھی متفقہ فتویٰ نہیں ہے، ہاں اگر یہ کہا جاتا کہ یہ اس مخصوص اِجلاس میں شریک علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے تو بجا ہوتا۔

۲- بنوری ٹاؤن کی طرف سے شائع ہونے والی کتاب ''مروّجہ اسلامی بینکاری- تجزیاتی مطالعہ'' کے ص:۳۶۰ پر کہا گیا ہے:-

''اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم اور ان کے

چند تلامذہ کے علاوہ پاکستان کے علماء مروّجہ اسلامی بینکاری کو خلافِ شرع قرار دیتے ہیں تو یہ کہنا ہرگز بے جا نہ ہوگا، پھر آپ کے بھی وہ تلامذہ جن کا ان بینکوں کے ساتھ مفادات یا ملازمت کا تعلق ہے اور بس!''

سوال یہ ہے کہ کیا جامعۃ الرشید، جامعہ بنوریۃ العالمیہ، جامعہ اشرف المدارس، جامعہ امدادیہ فیصل آباد، دارالعلوم اسلامیہ لاہور، جامعہ حقانیہ ساہیوال کے مفتیانِ کرام اور دیگر متعدّد مدارس کے اربابِ فتویٰ اسی زُمرے میں آتے ہیں؟

۳- اس اِختلاف کو اِیمانیات کے اِختلاف کا درجہ دیا گیا ہے، چنانچہ اسی کتاب کے ص:۳۵۶ پر ہے:-

''اگر آپ دیانت داری کے ساتھ ان سودی کوششوں سے الگ ہونا چاہیں تو صرف آپ کے مقصد کی روایتی ہار ہوگی، ایمان وعمل کی ہار اِن شاء اللہ نہیں ہوگی۔''

کیا فقہِ حنفی کے ذخیرۂ اِختلاف میں اس طرح کی کوئی مثال ملتی ہے؟

۴- حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے بارے میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کی نظر میں بھی مروّجہ اسلامی بینکاری ناجائز ہے، مثلاً ص:۱۱۱ پر ہے:-

''بینکوں کو اِسلامی کہنے میں اگر وہ حجت بنے تھے تو غیر اِسلامی کہنے میں بھی وہی حجت بن چکے ہیں۔''

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت مدظلہم کی نظر میں موجودہ اسلامی بینکاری ناجائز ہے تو انہوں نے علیحدگی اِختیار کیوں نہیں کی؟ جواب تو واضح ہے کہ موجودہ اسلامی بینکاری کے بارے میں حضرت مدظلہم کی وہ رائے نہیں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہے، اس طرزِ عمل سے ان کی کردارکشی کرنے کے علاوہ کچھ مقصود نظر نہیں آتا۔ ستم بالاستم یہ کہ معزّز مؤلفین نے

حضرت مد ظلہم کے ۱۹۸۱ء کی اسلامی بینکاری کے تجزیے کو موجودہ اِسلامی بینکاری پر من وعن چسپاں کر کے کمالِ مہارت دِکھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ الحمدللہ حضرت مد ظلہم زندہ حیات ہیں، ان سے ان کی عبارات ومضامین کا مطلب معلوم کرنے میں کوئی دُشواری نہیں، ایسے میں ان کی عبارات کی توجیه القول بما لا یرضٰی قائله کرنے کا کیا داعیہ ہوسکتا ہے؟

۵- بعض نوجوان علمائے کرام کی اسلامی بینکوں سے متعلق تحریرات سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ وہ صرف مرابحہ اور اِجارہ کو اِسلامی بینکاری کی اصل بنیاد قرار دیتے ہیں۔ یہ بات کئی جگہوں پر مختلف پیراؤں میں آئی ہے، سہولت کے لیے چند مقامات کے صرف نمبر ذکر کیے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمایئے: ص:۴۴، ۷۷، ۱۰۷، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۹، ۳۱۲، ۳۳۰ خصوصاً ص:۲۲۵ پر دارالعلوم کراچی کے اُستاذ مولانا اعجاز احمد صمدانی کے رسالے ''اسلامی بینکاری- ایک حقیقت پسندانہ جائزہ'' کا حوالہ دے کر اسے ایک مستقل نظریہ قرار دیا گیا ہے، حالانکہ اس رسالے کے ص:۱۶۲ پر لکھتے ہیں:-

> جیسا کہ اس رسالے کے شروع میں گزرا کہ مرابحہ، اجارہ وغیرہ جیسے معاملات کو شرعی اَحکام کے مطابق انجام دیا جائے تو ایسا کرنا جائز تو ہے لیکن یہ پسندیدہ تمویلی طریقے نہیں، اس لیے اسلامی بینکوں کو صرف انہی پر اِکتفا کرنے کے بجائے کلائنٹ سے مشارکہ ومضاربہ کی بنیاد پر بھی فنانس کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ موجودہ حالات میں یہ کوشش قابلِ اطمینان حد تک نہیں ہورہی۔

کیا ایسی صراحت کے باوجود ان کی طرف مرابحہ اور اِجارہ کو اِسلامی بینکاری کی اصل بنیاد قرار دینا دُرست ہوسکتا ہے؟ قارئین خود فیصلہ فرمائیں!

ان حالات میں ان معزّز علماء سے صرف یہی گزارش کی جاسکتی ہے کہ اَز راہِ کرم اِختلاف ضرور کریں لیکن مخالفت نہ کریں، اور اس اِختلاف میں دُوسرے علماء پر کیچڑ اُچھالنے سے پرہیز فرمائیں، ورنہ وہی نتائج سامنے آئیں گے جس کا اِظہار مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے فرمایا۔

مفتی ذاکر حسن نعمانی
اُستاذ الحدیث جامعہ عثمانیہ پشاور

اسلامی بینکاری اور علماء کی ذمہ داری

فقہائے کرام کا اُمتِ مسلمہ پر بہت بڑا اِحسان ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان حضرات نے اپنے اپنے دور میں عمل کے لیے لوگوں کو صحیح مسائل بتائے ہیں۔ اگر عمل کے لیے راہ متعین نہ ہو تو عمل مشکل ہو جاتا ہے، کفار کے ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو سب سے بڑی مشکل یہی پیش آتی ہے کہ ان کو ان کا دِینی مسائل میں کوئی رہنمائی والا نہیں ملتا۔

انقلابِ زمانہ

ہر زمانے میں مختلف انقلابات آتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے نئے نئے مسائل سامنے آتے رہتے ہیں، جن کا فقہی حل فقہائے کرام اِنفرادی اور اِجتماعی اِجتہاد کے ذریعے پیش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ فقہی ذخائر کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کس دور میں کون سا نیا مسئلہ تھا؟ اور اس کو اس دور کے نامورَ اور بڑے فقہاء نے کیسے حل کیا؟ ہر دور کے نامورَ فقہاء کی بڑی بڑی کتابیں اور فتاویٰ اس کا بین ثبوت ہے۔

ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں مختلف میدانوں میں بڑے بڑے اِنقلابات آئے ہیں، مثلاً طب کا میدان، سیاست کا میدان، سائنس وٹیکنالوجی کا میدان اور معاشی میدان۔

معاشی میدان

معاشیات بذاتِ خود بہت بڑا وسیع اور اہم میدان ہے، سب سے زیادہ کام اسی میدان میں ہوا ہے، اسلام کا اپنا ایک معاشی تصوّر ہے، جس کی بنیاد حلال وحرام اور جائز وناجائز پر ہے۔ ورنہ محض معاشی میدان میں سود اور جوے کی پروانہیں ہوتی، موجودہ معاشی نظاموں کا بڑا دارومدار بینک پر ہے اور روایتی بینکوں کا بنیادی کام کرنسی کا سودی لین دین ہے۔

لوگ بینکوں میں رقم حفاظت، امانت اور کاروبار کی حیثیت سے رکھتے ہیں، اپنی رُقوم ایک جگہ سے دُوسری جگہ منتقل کرتے ہیں، بینکوں سے قرضہ لیتے ہیں، بینکوں کے ذریعے گاڑیاں اور مشینریاں لیتے ہیں، برآمدات ودرآمدات میں بینک اہم کردار ادا کرتا ہے، لوگوں کی تنخواہیں بینکوں کے راستے سے آتی ہیں اور لوگ ایک دُوسرے کو ادائیگیاں مختلف بینکوں کے چیک کے ذریعے کرتے ہیں، مذکورہ اُمور میں سود کا عنصر زیادہ شامل ہوتا ہے۔

روایتی بینک سے اسلامی بینک تک

موجودہ روایتی بینکوں پر صدیاں بیت چکی ہیں، ان کا قبلہ دُرست کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، یعنی جیسے کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں اپنے دِین کی حفاظت اور ترویج کے لیے رجالِ کار پیدا کرتا ہے بلکہ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ ہر صدی میں ایک مجدّد پیدا ہوتا ہے، مجدّد کبھی فرد ہوتا ہے، کبھی جماعت ہوتی ہے، یہ مجدّد فرد یا جماعت اپنے دور میں تجدیدی کارنامے سرانجام دیتے ہیں۔

معاشیات کے میدان میں اس دور کا بڑا مسئلہ متبادل اسلامی بینکاری ہے، اس پر گزشتہ کئی دہائیوں سے دردِ دِل رکھنے والے سمجھ دار فقہاء، بینکار اور ماہرینِ معاشیات نے مل کر خوب کام کیا، جن میں ہندوستان، پاکستان کے علاوہ عرب علماء نے زیادہ کام کیا ہے،

جس کی وجہ سے پچھلی چند دہائیوں سے پوری دُنیا میں اسلامی بینکاری عملاً شروع ہو چکی ہے جس کے لیے بنیادی اور معیاری کتاب ''المعاییر الشرعیۃ'' ہے، اس کا انگریزی ترجمہ "Shariah Standerds" کے نام سے ہو چکا ہے، یہ کتاب بحرین سے چھپی ہے۔

فقہائے کرام کی کاوشیں

تمام فقہائے کرام اپنے دور کے جدید مسائل حل کرتے ہیں جن کے لیے مأخذ قرآن، حدیث، اِجماع اور قیاس ہے، اسی طرح اُصولِ فقہ اور اُصولِ اِجتہاد ہیں جس کی وجہ سے بے شمار قواعد، اُصولِ فقہ اور قواعدِ فقہ وجود میں آ چکے ہیں، جن کی روشنی میں نئے پیدا ہونے والے مسائل حل ہوتے ہیں، ضروری نہیں کہ تمام نئے مسائل کا حل قدیم اور پُرانی فقہ میں ملے یا کسی ایک فقہ میں ملے۔

اس لیے بوقتِ ضرورت تمام فقہی مذاہب سے بقدرِ ضرورت اِستفادہ کرنا پڑے گا، خاص کر اس وقت کہ پوری دُنیا ایک گاؤں بن چکی ہے، زمان اور مکان کے فاصلے ختم ہو چکے ہیں، دُور دُور کے لوگ ایک دُوسرے کے ساتھ معاملات میں مشغول ہیں۔ پوری دُنیا میں ایک دُوسرے کے ساتھ معاملات کرنے والے ضروری نہیں کہ سب حنفی ہوں، کوئی حنفی ہے، کوئی شافعی ہے، کوئی حنبلی ہے، کوئی مالکی ہے اور کوئی کافر ہے۔ یہ معاملات کرنے والے اگر اپنی اپنی فقہ سے ذرّہ برابر نہ ہٹیں تو لوگ مشکلات میں پڑ جائیں گے، معاملات ٹھپ ہو کر رہ جائیں گے، اور اگر تمام فقہی مذاہب والے سود اور جوے کو معاملات سے نکالنے کے لیے متحد ہو جائیں تو یہ ایک اچھی سوچ اور فکر ہوگی۔

اسی سوچ اور فکر میں بقدرِ ضرورت ایک دُوسرے سے مدد لینے میں شرعی گنجائش بھی ہے کیونکہ دلائل کے اِختلاف میں رحمت ہے، تمام فقہی مذاہب شرعی دلائل کی روشنی میں فقہ مرتب کرتے ہیں۔ خواہشات کی بنیاد پر بلا ضرورت فقہی مسلک چھوڑنا اور بات ہے اور ضرورت کی بنیاد پر مجبوراً بقدرِ ضرورت کسی مسلک پر چلنا اور بات ہے۔ دونوں میں زمین

و آسمان کا فرق ہے، خاص کر جب تمام مکاتبِ فکر سود اور جوے کے خلاف متحد ہو جائیں تو پوری دُنیا کی معیشت اور خاص کر بینک سے سود ختم کریں گے۔

یہ ایک مبارک اور اچھی سوچ اور کاوِش ہے، اس کی طرف تمام علماء اور فقہاء کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

دِینی خدمت

دِین کی خدمت کے کئی شعبے ہیں، دِین کی سب سے زیادہ خدمت اس وقت مدارس میں ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ تبلیغی جماعت اس دِین کو پوری دُنیا میں پھیلا رہی ہے۔ دِین کو لوگوں کے لیے عملاً آسان بنانا اور بتلانا یہ فقہائے کرام کا کام ہے، اس کے لیے مدرسے کی چاردیواری سے نکل کر پوری دُنیا کے معاملات کا دقتِ نظر سے جانچنا ضروری ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ لوگ عملاً کیا کر رہے ہیں؟ کن معاملات میں سود اور جوا ہے؟ کونسے معاملات باطل اور کونسے فاسد ہیں؟

لوگوں کے معاملات کی حقیقت تک رسائی بڑی ضروری ہے، معاملات و مسائل کی تہہ تک پہنچنے کے لیے جو ذرائع اور وسائل ہیں ان کو حاصل کرنا فقیہ کا فریضہ ہے۔ انگریزی اور عربی زبان پر عبور بڑا ضروری ہے، ان دو زبانوں کی وجہ سے مسائل کی تہہ تک رسائی ممکن بن جاتی ہے، پھر مسائل کے حل کے لیے فقہی مہارت ضروری ہے۔

اس وقت ہمارے بے شمار بڑے بڑے جبال العلم موجود ہیں جن میں مسائل کے حل کی اعلیٰ اِستعداد بھی موجود ہے لیکن دُنیا کے معاملات اور لوگوں کے مسائل کی تہہ تک پہنچنا ان کے لیے مشکل ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو مدرسے سے باہر ہونے والے معاملات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، یا وسائل کی کمی ہے، یا ان کے ساتھ ماہرینِ فن کا رابطہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے بعض لوگ ان کے سامنے ناجائز باتوں کے بارے میں ایسا سوال مرتب کرتے ہیں جس کا ان کو ہاں اور جائز میں جواب مل جاتا ہے حالانکہ معاملہ فی نفسہٖ ناجائز

ہوتا ہے۔ اگر ہم خود معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی اِستعداد رکھتے تو ایسا نہ ہوتا، اس لیے بڑی اِحتیاط کی ضرورت ہے، اگر کہیں سے ایسے سوال آجائے تو خود کسی نہ کسی طریقے سے معاملے کی حقیقت جاننے کی کوشش ضروری ہے تاکہ غلطی سے یا غلط فہمی سے غلط جواب نہ دیں۔

علماء کی ذمہ داری

لوگوں کو حرام اور ناجائز سے بچانے کے لیے ناجائز کی نشاندہی کے بعد صحیح، جائز، آسان متبادل اور قابلِ عمل راہ دِکھلانا علماء کا اہم فریضہ ہے۔

معیشت کی گاڑی کو حرام کہہ کر ہم نہیں روک سکتے، وہ تو چلتی رہے گی اس لیے کہ حرام کی گاڑی رُک جائے اور حلال کی گاڑی نہ ہو تو لوگ اپنا ضروری سفر پھر بھی جاری رکھیں گے، لوگ حلال گاڑی کا کب تک اِنتظار کریں گے؟ حرام معیشت کی گاڑی بڑی تیزی کے ساتھ بہت آگے نکل چکی ہے، اس پر صدیاں بیت چکی ہیں، ہم نے چند دہائیوں سے معیشت کی حلال گاڑی شروع کرنے کی کوشش کی۔

مختلف فقہی مذاہب سے اِستفادہ

دُنیا بھر کے مختلف مکاتبِ فکر والوں کا اس وقت گہرا ربط اور تعلق ہے کیونکہ زمان و مکان کے فاصلے ختم ہو گئے ہیں اس لیے ان لوگوں کے معاملات کا حل قدیم فقہ یا صرف ایک ہی فقہ میں دیکھنا مشکل ہو جائے گا، کیونکہ آج کل کے جدید مسائل ان فقہائے کرام کے دور میں نہ تھے اس لیے آج کل ان کا حل اِجتماعی اِجتہاد ہے، اس کے لیے قرآن و حدیث، قدیم فقہ، قواعدِ فقہ و اُصولِ فقہ کے ساتھ تمام مکاتبِ فکر کی فقہ پر نظر ضروری ہے۔

تمام مکاتبِ فکر سے یہ اِستفادہ صرف بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت ہے، یہ نہ خروج عن المذہب ہے اور نہ مذہب سے خروج کی دعوت ہے، اور نہ یہ ہر کہہ ومہہ کا کام ہے، بلکہ اس کے لیے تجربہ کار، وسیع النظر، صاحبِ بصیرت اور ماہر فقیہ النفس چاہیے تاکہ مذاہب سے اِدھر اُدھر خروج کھیل تماشا نہ بن جائے۔

موجودہ اسلامی بینکاری

اس وقت کی موجودہ اسلامی بینکاری کا سب سے بڑا ہدف یہ ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے بینکوں سے سود اور خلافِ شرع معاملات کو ختم کیا جائے، جس کے لیے ہندوستان، پاکستان اور عرب علماء نے ماہرینِ معاشیات اور ماہرینِ بینکنگ کے ساتھ مل کر کام کیا، یہ کام عربی اور انگریزی زبان میں بہت ملتا ہے، اب اُردو زبان میں کچھ مواد سامنے آرہا ہے، لیکن وہ بہت کم ہے، البتہ عملاً پورا رائج نظام انگریزی میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بینکوں اور سرکاری اداروں میں تمام ملازمین کی سرکاری زبان انگریزی ہے، انگریزی کے علاوہ ان کے لیے کام کرنا، چلانا اور سمجھنا مشکل ہے۔ دُوسری طرف ہمارے علمائے کرام کی اس دور کی کمی، انگریزی زبان سے ناواقفیت ہے، جس کی وجہ سے بعض اوقات غلط فہمیاں پیدا ہوجاتی ہیں، لیکن انگریزی زبان سے ناواقفیت کا یہ مطلب نہیں کہ اس نظام کو سمجھنے کی کوشش ہی چھوڑ دیں کیونکہ بینکنگ کا نظام ہو یا کوئی اور نظام ہو سب کی بنیاد قرآن و حدیث اور اِسلامی فقہ ہے، سب نظام، فقہ کے محتاج ہیں، اگر فقہ اور فقاہت نہیں تو اِسلامک بینکنگ اور دیگر تمام نظام بے کار ہوکر رہ جائیں گے۔

اس لیے علمائے کرام کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ دُنیا کے لیے ہر جگہ صحیح اسلامی فقہی نظام بنا کر دیں، اگر کسی اور نے بنایا ہے تو علماء سے اس کی تائید لیں، اگر اس میں کوئی غلطی ہو تو اس کی اِصلاح کریں کیونکہ جس طرح غلط اور غیر اِسلامی نظام چلانا غلطی ہے تو غیر اِسلامی کو اِسلامی کہہ کر چلانا اس سے زیادہ سنگین غلطی ہے۔

اس وقت دُنیا میں کچھ علماء اسلامی بینکاری اور تکافل وغیرہ کے ساتھ عملاً وابستہ ہیں اور کچھ علماء ان پر اِعتماد کر رہے ہیں، بعض علماء مخالف بن گئے ہیں۔

مخالفین کی مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ مروّجہ اسلامی بینکاری کو قطعی غیر شرعی اور غیر اسلامی کہہ دیا، جس کی وجہ سے ہر طرف ایک تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ یہ فتویٰ صادر کرنے

والوں میں ایسے مفتی حضرات بھی شامل ہیں جن کو نفسِ بینکنگ اور اِسلامک بینکنگ کے بارے میں کچھ پتہ نہیں، صرف چند حضرات کی تحقیق پر اِعتماد کر کے فتویٰ پر دستخط کر دیے ہیں، حالانکہ ایسا کرنا علم اور دیانت کے خلاف ہے۔ اور فتویٰ لکھنے والوں نے بھی بے احتیاطی کے ساتھ حرمت کا فتویٰ صادر کر دیا، حالانکہ ایک ماہر، تجربہ کار، وسیع النظر، دُور اندیش اور صاحبِ بصیرت مفتی بعض نازک اور عالمگیر مسائل میں ایسا نہیں کرتا، بہت احتیاط کرتا ہے۔

پھر اُن علماء کو اِعتماد میں نہیں لیا جو نظریاتی طور پر ان مسائل میں گہری نظر رکھتے ہیں یا عملاً اس نظام کے ساتھ وابستہ ہیں، تاکہ طرفین ایک دُوسرے کو مطمئن کر سکیں۔ اپنے گھر کے اندر اِختلافات کو حل کرنے کی بجائے اِختلافات اور حرمت کی گیند عوام کی طرف پھینک دی۔ حالانکہ ایک دن ضرور یہ علماء آپس میں مل بیٹھ کر ایک دُوسرے کو مطمئن کریں گے۔ فتویٰ صادر کرنے سے پہلے آپس میں مل بیٹھ کر ایک متفقہ بات عوام کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت تھی، اور اگر فتویٰ صادر کرنا تھا تو پھر یوں لکھنا چاہیے تھا کہ ہماری تحقیق کے مطابق موجودہ اِسلامی بینکاری غیر اسلامی ہے۔ اگر اس نظام کے بانی اور عملاً ملوث حضرات ہمیں مطمئن کر دیں تو فتویٰ سے رُجوع کر سکتے ہیں، لیکن ان حضرات نے حرمت کا فتویٰ صادر کر کے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مروّجہ بینکاری تمام علمائے کرام کے نزدیک حرام ہے، حالانکہ ہندوستان، پاکستان اور عرب علماء کی یہ رائے نہیں ہے۔

''پشاور میڈیکل کالج'' میں ''پولیو'' کے قطرے پلوانے کے جواز کے بارے میں ایک میٹنگ ہوئی، جس میں جناب مفتی غلام الرحمٰن صاحب، جناب مفتی منیب الرحمٰن صاحب اور جناب مفتی محمود اشرف صاحب کے علاوہ دیگر علماء بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر حضرات بھی موجود تھے، بیرونِ ملک کا وفد بھی تھا، پہلے یہ بحث ہوئی کہ ''پولیو'' کے قطروں کے کوئی مضر اَثرات نہیں اور فوائد زیادہ ہیں۔ تو جب فتویٰ لکھنے کی نوبت آئی تو فتویٰ لکھنے کے دوران میں نے کہا کہ فتویٰ میں لکھیں کہ ''ڈاکٹروں کی تحقیق کے مطابق'' تو اس جملے سے مفتی محمود اشرف صاحب (دارالعلوم کراچی) نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ آپ نے بڑے صحیح

اور اچھے جملے کا اِضافہ کیا، کل کو اگر تحقیق بدل جائے تو علماء کو فتویٰ سے رُجوع کرنا بھی آسان ہوگا کہ اب تحقیق یہ ہے۔

مفتیانِ کرام کی ذمہ داری

حرمت کا فتویٰ صادر کرنے والوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ موجودہ اِسلامی بینکاری غیرشرعی اور حرام ہے تو جائز، حلال متبادل نظام پیش کریں، اس فتویٰ میں نہ اِصلاح کی تجاویز ہیں، نہ متبادل جائز نظام ہے، بظاہر تو اس کا یہ مطلب ہے کہ بس سودی بینکاری کرتے رہو کیونکہ متبادل اسلامی بینکاری ہمارے بس کی بات نہیں۔

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے معیشت کے میدان میں عالمی سطح پر بہت کام کیا ہے لیکن لاہور کے ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کا کام حضرتِ موصوف کی محنت کو تنقید کا نشانہ بنانا ہے، حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ معیشت کے میدان میں فقہی کام کرنے والوں کی خدمات کا اِعتراف کرکے اس کو آگے بڑھائیں، غلطی نظر آئے تو اِصلاح کریں یا متبادل جائز صورت بتائیں، گزشتہ فقہاء نے ایسا ہی کیا ہے۔

لیکن لاہور کے مفتی صاحب اپنی تنقیدی کتاب کے ''پیش لفظ'' میں لکھتے ہیں ''ہمارے پاس نہ اتنے وسائل ہیں نہ اصحابِ کار ہیں، نہ اتنا حوصلہ ہے اور نہ حکومت سے منوانے کی توقع ہے۔''

مفتی صاحب خود اِعتراف کر رہے ہیں کہ متبادل نظام پیش نہیں کرسکتے، جب خود حوصلہ نہیں تو دُوسروں کی حوصلہ شکنی کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ دِینی کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ خود بھی ایک کام نہیں کرتے اور دُوسروں کو بھی کرنے نہیں دیتے، اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ خود اِعتراف بھی کر رہے ہیں کہ نہ اتنا حوصلہ ہے یعنی متبادل جائز نظام پیش نہیں کرسکتے۔

(جہاں تک خیبر بینک کا تعلق ہے تو) خیبر بینک کی اسلامی بینکاری نے ضلع مردان میں ایک NGO کو تیس لاکھ روپے مضاربت پر دیے اور ان سے کہا کہ دیہات کی سطح پر زمین داروں کے ساتھ مرابحہ کرو۔ بینک کے اندر مرابحہ کا جو طریقۂ کار ہے اس کے تمام ضروری فارم اور کاغذات ان کو دے دیے۔ یہ کاغذات اُردو میں تھے، انہوں نے ہمیں بتائے بغیر وہ کاغذات دارالعلوم دیوبند بھیج دیئے، وہاں کے مفتیانِ کرام نے بڑی دِقتِ نظر کے ساتھ ان کاغذات کا مطالعہ کیا اور چند لفظی تبدیلیاں کیں، مثلاً ہم نے لکھا تھا ''معاہدۂ مرابحہ'' تو انہوں نے اِصلاح کی کہ ''معاملۂ مرابحہ'' ہم نے ویسا ہی کر دیا۔ دو تین مرتبہ اس اِدارے نے دارالعلوم دیوبند سے رابطہ کیا، پھر انہوں نے جواز کا فتویٰ دیا، وہ فتویٰ ہمارے پاس موجود ہے، اس کے بعد اس اِدارہ NRSP نے وہی کاغذات اور دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ''دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک'' بھیج دیئے، وہاں کے دارالافتاء والوں نے بھی مرابحہ کے اس نظام کو جائز قرار دیا، یہ فتویٰ بھی ہمارے پاس موجود ہے۔

مشورہ

اسلامی عملی بینکاری کا یہ ایک عبوری دور ہے، نظریاتی خاکے پیش کرنا آسان ہے لیکن عملی تطبیقات بہت مشکل ہوتی ہیں، ممکن ہے اس نظام میں غلطیاں بھی ہوں گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک اہم دِینی محنت کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ ہر نظام کی اِبتداء میں بے شمار غلطیاں ہوتی ہیں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اِصلاح ہوتی رہی۔ ایک آدمی سائیکل چلانا سیکھتا ہے تو کتنی غلطیاں کرتا ہے، بار بار گرتا اور اُٹھتا ہے، اگر کوئی اس کو ایسی حالت میں ٹوک دے کہ ''نہیں چلا سکتے تو کیوں چلاتے ہو؟'' لیکن ایک سمجھ دار آدمی اس کا حوصلہ بڑھاتا ہے کہ شہسوار گرتے ہیں اور ساتھ غلطی بتلا کر اِصلاحی طریقہ بھی بتلا دیتا ہے، کچھ عرصے بعد وہ آدمی بہترین سائیکل سوار بن جاتا ہے۔

اس لیے علماء کو چاہیے کہ آگے بڑھیں، جدید مسائل کو حل کریں، انگریزی

سیکھیں، جدید مسائل کی حقیقت کو سمجھیں اور دُنیا پر یہ بات ثابت کر دیں کہ قرآن وحدیث میں تمام مسائل کا حل موجود ہے، گزشتہ فقہائے کرام کی علمی وفقہی کاوشوں کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ دورِ حاضر کے تمام فقہاء اور علمائے کرام کو اَسلاف کی طرح دِینی خدمت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

***

مولانا سیف اللہ ربانی

مروّجہ غیر سودی بینکاری کے متعلق اِختلافات کی حقیقت؟

گزشتہ سال جامعہ فاروقیہ میں مختلف دِینی اِداروں کے علمائے کرام نے مروّجہ اسلامی بینکاری کو ناجائز اور سودی نظام قرار دیتے ہوئے پریس کانفرنس میں عوام الناس سے اپیل کی کہ وہ مروّجہ اسلامی بینکاری کے دھوکے میں نہ آئیں۔ دُوسری طرف موجودہ اسلامی بینکاری کے لیے کوشاں علمائے کرام نے اس طریقۂ کار پر تعجب کا اِظہار کرتے ہوئے کہا کہ کم وبیش بیس سال سے اسلامی بینکاری کا نظام چل رہا ہے، جس کی دن بدن اِصلاح کی مزید کوششیں جاری ہیں، جس کے بارے میں مخالفت کا جو طریقۂ کار اپنایا گیا وہ نا سمجھ آنے والا معاملہ ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس موضوع پر مکمل دلائل دیے جاتے اور بینکاری نظام میں اسلامی ماہرین کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی اُصولی، دیرپا اور متبادل نظام کی نشاندہی کی جاتی۔

مغرب موجودہ غیر سودی نظام کی مقبولیت اور اِفادیت سے کافی اِضطراب میں مبتلا ہے، مغرب نے مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات پختہ کردی ہے کہ دُنیا میں مالیاتی نظام بغیر سود کے چل ہی نہیں سکتا، پوری دُنیا اس سودی نظام میں گرفتار ہے، اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی طریقہ انہیں نظر ہی نہیں آتا۔ اب جبکہ اسلامی ممالک کے علمائے کرام نے مسلمانوں کو یہودی اور بنیے کے تسلط سے آزاد کرانے کے لیے غیر سودی نظامِ بینکاری کا

ایک راستہ دِکھایا ہے تو اسے ناکام کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کیے جارہے ہیں جس کا مظاہرہ آئے روز مختلف ممالک میں جاری ہے۔

جامعہ فاروقیہ میں منعقدہ اجلاس کے فیصلوں کے اعلان پر بھی حیرت ہوئی، میں ذاتی طور پر اس مسئلے پر معلومات حاصل کرتا رہا اور ان فیصلوں کے سیاق وسباق پر غور کرتا رہا ہوں، گزشتہ روز جامعہ بنوریہ عالمیہ کے مہتمم شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد نعیم اور دارالافتاء جامعہ بنوریہ کے مفتیانِ کرام سے تبادلۂ خیال ہوا اور طے ہوا کہ کوئی نیا فتویٰ جاری کیے بغیر اہلِ مدارس کو حقائق سے آگاہ کیا جائے، اس لیے جامعہ فاروقیہ کے اعلان کے بعد مولانا مفتی تقی عثمانی کے خیالات کو آپ کی خدمت میں اِختصار کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے، جبکہ مفتی تقی عثمانی صاحب خود آج کل سعودی عرب کے دورے پر ہیں۔ جن کی آمد پر اس موضوع پر تفصیلاً قارئین کی خدمت میں رپورٹ پیش کی جائے گی۔

۹ر جمادی الثانیہ بروز ہفتہ کو مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے اپنی خدمت میں اپنی خواہش اور حکم پر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو ٹیلی فون پر یاد فرمایا اور ان کے اِستفسار پر مولانا نے بتایا کہ بینکاری کے سلسلے میں کچھ مشورہ کرنا ہے، جس میں کچھ ساتھی اور بھی ہوں گے اور اس کے لیے اتوار اور پیر کے بعد کوئی دن مقرّر کرلیا جائے۔ چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب منگل ۲۱ر جمادی الثانیہ کو جامعہ فاروقیہ میں حاضر ہوئے، جہاں شہر کے کچھ دُوسرے علماء بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ خیال تھا کہ بینکاری سے متعلق شرعی مسائل کے بارے میں کوئی مشورہ ہوگا، لیکن مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے فرمایا کہ کوئی مذاکرہ مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ایک تحریر پڑھ کر سنائی جو مولانا تقی صاحب کے نام تھی اور اس کا ایک نسخہ مولانا تقی صاحب کو بھی عطا فرمایا، اس میں غیر سودی نظام کی کسی معین غلطی کی نشاندہی کے بغیر یہ فرمایا گیا تھا کہ: ''اسلامی بینکاری کا نظام جاری کرنے میں آپ سے غلطی ہوئی ہے'' اور آخر میں سورۂ جاثیہ کی آیتِ کریمہ کے حوالے سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا تھا کہ ان سے یہ غلطی خواہش پرستی کی وجہ سے ہوئی ہے، اس لیے یہ تحریر سننے کے بعد مولانا تقی

صاحب نے مولانا سے کچھ عرض کرنے کی درخواست کی جس پر آنجناب نے کچھ عرض کرنے کی اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ مجھے ایئرپورٹ جانا ہے۔ مولانا مفتی تقی صاحب نے اِختصار ہی کے ساتھ کچھ عرض کرنے کی درخواست کی اور کچھ جملے بولنے شروع کیے تو اس پر بھی مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے اِجازت نہیں دی اور اُٹھ کر تشریف لے گئے۔

پاکستان میں بینکوں کو سود کی لعنت سے پاک کر کے انہیں شرعی اُصولوں کے مطابق چلانے کی خواہش تو ہمارے اکابر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری صاحب اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہم اللہ وغیرہ سب کو رہی اور انہوں نے اس کے لیے ابتدائی کوششیں بھی کیں، لیکن اس کے لیے سب سے پہلے ایک منظم تجویز ۱۹۸۰ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک رپورٹ کی شکل میں پیش کی، حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری صاحب قدس سرہٗ ابتداء میں کونسل کے رُکن تھے اور اس وقت کونسل کا ایک بنیادی کام غیر سودی بینکاری کا طریقِ کار متعین کرنے کو قرار دیا گیا تھا، لیکن اس رپورٹ کی تیاری کے وقت حضرتؒ کی وفات ہو چکی تھی اور ان کی جگہ حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ کو رُکن بنا دیا گیا تھا، نیز اس وقت حضرت مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکا خیلؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب اور مولانا محمد تقی صاحب کونسل کے ارکان میں شامل تھے۔ یہ رپورٹ وسیع پیمانے پر اُردو اور انگریزی میں شائع ہوئی، بحیثیتِ مجموعی اسے سراہا گیا اور اس پر کوئی اِشکال اس وقت سامنے نہیں آیا، لیکن جب اس رپورٹ کی تنفیذ کا وقت آیا تو نافذ کرنے والوں نے اس میں ایسی تبدیلیاں کر دیں جن کی وجہ سے اس رپورٹ کی تجاویز کا حلیہ بگڑ گیا اور ''غیر سودی بینکاری'' ایک دھوکا ہو کر رہ گئی، اس موقع پر اس دھوکے کے خلاف سب سے پہلے مولانا تقی صاحب ہی نے آواز اُٹھائی، اخبارات اور مضامین کے ذریعے حقیقتِ حال سے عوام کو آگاہ کیا، لیکن ساتھ ہی یہ کوشش بھی جاری رکھی کہ غیر سودی بینکاری کے تصوّر ہی کو ختم کرنے کے بجائے اس میں اصلاح کی صورتیں پیدا کی جائیں۔ چنانچہ صحیح متبادل طریقہ اختیار کرنے کے لیے اس وقت

شعبان ۱۴۱۲ھ میں دار العلوم کراچی میں ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کا ایک اجلاس بلایا گیا تھا جو غالباً کئی روز تک جاری رہا تھا، اس میں دار العلوم کے اَصحابِ فتویٰ کے علاوہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہم اور جامعہ خیر المدارس ملتان کے مفتی محمد انور صاحب مدظلہم بھی شامل تھے۔ اس وقت متبادل طریقوں کا تعین کرنے کے لیے ایک تحریر پر سب نے اِتفاق کیا، البتہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہم نے بحیثیتِ مجموعی اِتفاق فرمانے کے ساتھ تین نکات سے متعلق اختلاف فرمایا۔ یہ پوری تحریر حضرت مفتی رشید احمد صاحب قدس سرہٗ نے اپنے ''احسن الفتاویٰ'' کی ساتویں جلد میں ص:۲۱ پر ''بلاسود بینکاری'' کے عنوان سے شائع فرمائی ہے۔

اس تحریر کے ذریعے چند متبادل طریقوں پر بحیثیتِ مجموعی مجلس کا اتفاق ہوگیا تھا، اس لیے اسی بنیاد پر ملکی بینکوں میں تبدیلی لانے کی کوشش کی گئی، لیکن افسوس ہے کہ حکومتی سطح پر یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی، اسی دوران عرب ممالک میں ''غیر سودی بینکوں'' کے قیام کی تحریک نے خاصا زور پکڑا اور وہاں اس قسم کے بینک قائم ہونے لگے، ان کے طریقِ کار کے بارے میں "مجمع الفقه الإسلامي" کے اِجلاسات میں غور ہوتا رہا اور اس کی قراردادوں میں بھی بنیادی طور پر وہی موقف اختیار کیا گیا جو ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' کی مذکورہ بالا تحریر میں شائع ہوچکے ہیں۔ دُوسری طرف ہندوستان میں مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "مجمع الفقه الإسلامي هند" کے نام سے جو اِدارہ قائم کیا تھا، اس کے مختلف اِجلاسات میں بھی یہ موضوعات زیرِ بحث آئے، جن میں علمائے ہندوستان نے تحقیقی مقالات بھی تحریر فرمائے۔ پھر چونکہ بینکوں کے نظام میں تبدیلی لانے کے لیے اور بھی بہت سے کام ضروری تھے، اس لیے عالمِ اسلام میں ان کاموں کے لیے الگ الگ اِدارے قائم ہوئے، انہی میں سے ایک اِدارہ ''المجلس الشرعي'' کے نام سے قائم ہوا جو اس وقت بیس علماء پر مشتمل ہے، اس کے ارکان میں شیخ محمد الصدیق الضریر (سوڈان)، شیخ وہبہ الزحیلی (شام)، شیخ سعید رمضان البوطی (شام)، شیخ عبداللہ بن

سلیمان بن منیع (سعودی عرب)، شیخ عبدالرحمٰن الاطرم (سعودی عرب)، شیخ عبدالستار ابوغدہ (شام)، شیخ عجیل النشمی (کویت)، شیخ علی محی الدین القرہ داغی (عراق) اور شیخ نظام یعقوبی (بحرین) جیسے معروف علماء شامل رہے ہیں۔ اس مجلس نے غیر سودی بینکوں کے تفصیلی طریقِ کار سے متعلق متعین "معایير" تیار کرنے کا کام اپنے ذمے لیا ہے، جس میں زیرِ بحث اُمور سے متعلق کسی ایک عالم سے کتبِ فقہ کی روشنی میں ایک مفصل مقالہ اور متعلقہ موضوع پر ایک متن تیار کرایا جاتا ہے جو بطورِ معیار مالیاتی اداروں میں نافذ کیا جا سکے۔ اس متن پر مجلس شرعی میں بحث ہوتی ہے جو کئی دن جاری رہتی ہے، اِختلافِ آراء کو کھلے دِل سے سن کر اس پر آزادانہ گفتگو ہوتی ہے اور جب ایک مسوّدہ تیار ہو جاتا ہے تو ان علماء کا ایک اِجتماع منعقد ہوتا ہے جو مجلسِ شرعی کے رُکن نہیں ہیں مگر ان موضوعات پر تصنیفی اور تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ یہ اِجتماع "جلسة الاستماع" کے نام سے ہر معیار پر دوبارہ غور کرنے کے لیے منعقد ہوتا ہے اور باہر کے علماء کی آراء سنی جاتی ہیں، پھر مجلس ان آراء کی روشنی میں مسوّدے پر دوبارہ غور کرتی ہے اور تیسری خواندگی کے بعد اسے "معیار" کے طور پر شائع کیا جاتا ہے، اب تک اس طرح کے تیس کے قریب "معایير" شائع ہو چکے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ غیر سودی بینکاری کے سلسلے میں مولانا نے جو بھی کام کیا ہے وہ تنہا اپنی اِنفرادی رائے کی بنیاد پر نہیں بلکہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ، مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی تحریر، مجمع الفقه الإسلامي کی قراردادوں اور المجلس الشرعي کے صادر کیے ہوئے معایير کی بنیاد پر کیا ہے۔

پھر بھی یقیناً اس طریقِ کار کو غلطیوں سے پاک نہیں کہا جا سکتا اور اگر کسی غلطی کی نشاندہی ہو جاتی ہے تو اس کے تدارک کی پوری کوشش کی جاتی ہے، نیز اگر اب بھی اہلِ علم کو اس کے طریقِ کار میں اشکال ہو تو یہ دروازہ ہر وقت کھلا ہے کہ وہ اشکال سامنے آئے اور اس پر فقہی نقطۂ نظر سے غور کیا جائے۔

کچھ عرصہ پہلے جامعۃ الرشید کے حضرات نے کراچی کے اہلِ فتویٰ حضرات کے

لیے تقریروں کے ایسے سلسلے کا اہتمام کیا جس میں غیر سودی بینکاری کے مروّجہ طریقوں کی وضاحت کی جائے۔ دار العلوم کے ایک اُستاذ مولانا حسان کلیم صاحب نے توضیحی تقریروں کا یہ سلسلہ شاید دو ڈھائی ماہ تک جاری رکھا، جس میں مولانا مفتی عبدالمجید دِین پوری صاحب اور مولانا مفتی ڈاکٹر منظور احمد مینگل صاحب بھی اہتمام سے شریک ہوئے تھے، اسی وقت جامعۃ الرشید کے منتظمین اور خود مولانا حسان کلیم صاحب نے یہ وضاحت کی کہ سلسلے کی تکمیل کے بعد ان میں سے جن اُمور پر فقہی اِشکالات ہوں انہیں مرتب کرلیا جائے اور پھر ایک نشست مولانا مفتی محمد تقی صاحب کے ساتھ رکھ لی جائے جس میں ان اِشکالات پر گفتگو ہو جائے۔ مفتی ابولبابہ صاحب نے مولانا مفتی تقی صاحب تک یہ پیغام بھی پہنچایا اور انہوں نے بخوشی ایسی نشست میں شرکت کا اِرادہ کیا لیکن پھر نہ کوئی اِشکالات مرتب کیے گئے اور نہ ایسی کسی نشست کا اِہتمام ہوا، جس کا تأثر مولانا حسان کلیم صاحب نے یہ لیا کہ شاید کوئی قابلِ ذکر اِشکالات باقی نہیں رہے۔

۹؍جمادی الثانیہ کو پہلی بار مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے مولانا مفتی تقی صاحب کو طلب فرمایا تو کچھ عرض کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور جو تحریر عطا فرمائی اس میں بھی بینکاری کے معاملات سے متعلق کسی غلطی کی کوئی نشاندہی نہیں، صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ اس معاملے میں اِضطراب پایا جاتا ہے اوّل تو مولانا مفتی تقی صاحب کو اس درجے کے اِضطراب کا واقعی علم نہیں تھا، جس کا مولانا سلیم اللہ خان نے ذکر فرمایا، دُوسرے اس قسم کا اِضطراب تو لال مسجد کے قضیے میں وفاق المدارس کے بارے میں بھی رہا ہے لیکن کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وفاق کا موقف غلط تھا؟

میزان بینک کے عملے کے بارے میں جو باتیں ذکر کی جاتی ہیں وہ واقعۃً قابلِ اعتراض ہیں، واقعہ یہ ہے کہ مولانا مفتی تقی صاحب یا شریعہ بورڈ کا کوئی رُکن بینک کا نہ مالک ہے نہ بینک کا حصہ دار ہے، نہ بینک کے انتظامی معاملات اور عملے کے تقرّر سے مولانا تقی صاحب کا کوئی تعلق ہے، ان کا کام تجارتی عقود و معاملات کے بارے میں یہ دیکھنے کی

حد تک محدود ہے کہ وہ شریعت کے مطابق ہیں یا نہیں، اس کے باوجود مولانا مفتی تقی صاحب وقتاً فوقتاً اس بارے میں بینک کی انتظامیہ کو متنبہ کرتے رہتے ہیں، جس کا کچھ اثر بھی ظاہر ہوا ہے لیکن یہ خرابی بہر حال ابھی تک موجود ہے اور اس کے اِزالے کی ممکنہ کوشش بھی ہو رہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ محض عملے کی وضع قطع کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو تجارتی معاملات بینک میں ہو رہے ہیں وہ حرام ہیں۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے اکثر خطوں میں الحمدللہ سود سے پاک مالیاتی اِدارے قائم کرنے کا رُجحان روز بروز بڑھ رہا ہے اور پچھلے تیس چالیس سال سے تقریباً تمام عرب ممالک میں نیز ملائیشیا، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، برونائی وغیرہ میں اور مغربی ملکوں میں سے برطانیہ اور امریکا وغیرہ میں ایسے اِدارے بڑی تعداد میں قائم ہوئے ہیں جن کی رہنمائی ان علاقوں کے علماء کرتے ہیں۔ یہ سارے کے سارے علماء متساہل یا مداہن نہیں ہیں، ان میں بعض ایسے حضرات بھی شامل ہیں جن کے علم کے ساتھ ان کا ورع وتقویٰ بھی ظاہر و باہر ہے، پھر چونکہ سودی نظام نے دُنیا بھر کو اپنے شکنجے میں بُری طرح جکڑا ہوا ہے، اس لیے اس کام کے لیے مناسب فضلاء تیار کرنے کے لیے بہت سے معاون اِداروں کی ضرورت تھی جو رفتہ رفتہ وجود میں آئے ہیں۔ مثلاً متعدد مقامات پر تاجروں اور پیشہ ور حضرات کو معاملات سے متعلق اسلامی اَحکام، شرکت، مضاربت، مرابحہ، اِجارہ، کفالہ، رہن، زکوٰۃ وغیرہ سے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ شرقِ اوسط کے علماء خاص طور ان اِداروں کی رہنمائی کے لیے کتابیں، رسالے اور تحقیقی مضامین لکھ رہے ہیں اور اس موضوع پر شائع شدہ مواد بلا مبالغہ لاکھوں صفحات تک پہنچ چکا ہے، اب عام یونیورسٹیاں بھی اس موضوع کو داخلِ نصاب کرنے لگی ہیں۔ اسی طرح بلاسود بینکاری کے لیے اکاؤنٹ کے معیار بھی سودی بینکوں سے مختلف ہونے ضروری ہیں، اس کے لیے اکاؤنٹ کے معاییر بحرین کے ایک اِدارے نے تیار کیے ہیں۔ کمپیوٹر کے پروگراموں میں تبدیلی کی ضرورت تھی، وہ کام الگ ہوا ہے، مرکزی بینکوں کے قواعد

غیر سودی بینکوں کے لیے الگ ہونے چاہئیں، چنانچہ پاکستان سمیت کئی مرکزی بینکوں میں اس غرض کے لیے الگ شعبہ قائم کر کے غیر سودی بینکوں کے الگ قواعد بنائے گئے ہیں، ان اِداروں کی درجہ بندی (ریٹنگ) کے لیے الگ معیار کی ضرورت تھی جس میں شرعی اَحکام کی پابندی کو مرکزی اہمیت حاصل ہے اس کے لیے ان اِداروں کی الگ ریٹنگ ایجنسی قائم ہوئی ہے اور یہ سارا کام لادِینی حلقوں کی شدید مخالفتوں کے علی الرغم ہوا ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود یقیناً ان اداروں کو خامیوں اور غلطیوں سے پاک نہیں کہا جا سکتا، بالخصوص جبکہ یہ نظام اپنے ابتدائی مراحل میں ہے، اس کے لیے موزوں رجالِ کار کی فراہمی ایک مستقل مسئلہ ہے، اور اسے ہر قدم پر سودی نظام کی پیدا کی ہوئی مشکلات سے سابقہ پیش آتا ہے۔ ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ حتی الامکان ان خامیوں اور غلطیوں کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی جائے، نہ یہ کہ ان خامیوں کی وجہ سے غیر سودی بینکاری کے اس سارے کام کو بیک جنبشِ قلم رایگاں اور ناجائز قرار دے کر ان سے بالکل قطع تعلق کر لیا جائے۔ اس سے بظاہر یہ اِدارے ختم نہیں ہوں گے لیکن اوّل تو ان کی خامیوں میں اور اِضافہ ہوگا اور دُوسرے مسلمانوں کے درمیان خلفشار بڑھے گا اور اس کے نتیجے میں دراصل سودی نظام اور ان لادِین طاقتوں کے ہاتھ مضبوط ہوں گے جو ان کوششوں کے دُشمن ہیں اور جن کا عین مفاد یہ ہے کہ غیر سودی بینک ناکام ہوں اور ان کے اس پروپیگنڈے کو تقویت حاصل ہو کہ سود کے بغیر تجارت و معیشت چل نہیں سکتی۔

***

مولانا مفتی عبدالحق

اسلامی بینکاری کے خلاف فتویٰ کا فنی جائزہ

موجودہ اسلامی بینکاری نظام دورِ حاضر میں نہ صرف پاکستان بلکہ یورپی ممالک کے ساتھ ساتھ امریکا میں بھی نافذ العمل ہے اور دُنیا کے غیر اِسلامی ممالک میں بھی Islamic Banking Window Operation انجام پارہا ہے۔ دُنیا میں رائج سودی نظاموں میں اس ایک اور نظام کی شمولیت کی وجہ جہاں بعض جید علماء کی کوششیں اور کاوشیں ہیں، وہاں نائن الیون کے بعد غیر مسلم دُنیا میں اسلام کو جاننے کی خواہش کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ بالفاظِ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان بننے میں جہاں مسلمانوں کی کوشش اور جدوجہد شامل تھی وہاں ہٹلر کے ظالمانہ اقدامات بھی کارگر ثابت ہوئے، جس نے انگریز کی گرفت کو ہندوستان پر کمزور کردیا، جس کے نتیجے میں تحریکِ آزادی اور پھر تحریکِ پاکستان مؤثر طریقے سے اپنے مقاصد کے حصول میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

یہ بات بدیہی ہے اور اَظہر من الشّمس ہے کہ نائن الیون کے واقعے کے بعد دُنیا کے مسلمانوں میں سود سے متعلق آگاہی اور اِسلامی تعلیمات سے متعلق دِلچسپی بڑھتی چلی گئی اور اس بات کا قوی اِمکان موجود تھا کہ عرب کا بڑا طبقہ سرمائے کو سودی بینکاری نظام سے نکال لے جس کا براہِ راست اثر امریکی معیشت پر پڑتا، لہٰذا حالات کو بھانپتے ہوئے امریکی Think Tank نے فوری طور پر عوارض کو جاننے کی کوشش کی جس میں یہ بات سامنے آئی کہ مسلمان ایک ایسا بینکاری نظام چاہتے ہیں جو کہ سود سے پاک ہو، چنانچہ ایسے لوگوں کو اِسلامی ممالک سے بلایا گیا جو کہ اِسلامی معیشت اور اِقتصادیات کے حوالے سے کچھ

معلومات رکھتے تھے اور یوں انہی بینکوں میں Conventional Banking کے ساتھ ساتھ Islamic Banking Window Operation کی سہولت بڑے مسلمان سرمایہ داروں کوفراہم کی گئی تا کہ امریکی معیشت کو تباہی سے بچایا جا سکے۔

رمضان المبارک ۲۰۰۸ء کے اوّل عشرے میں اس ناچیز کے کانوں میں الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کے توسط سے ایک فتویٰ پہنچا ہے جس میں ظاہراً علماء کی ناراضگی کی شدّت Alaince Motors سے بھی زیادہ معلوم ہوتی ہے جس میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ موجودہ اسلامی بینکاری نظام ناجائز اور حرام ہے کیونکہ اسلامی بینکاری نظام اور عام بینکاری نظام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مزید براں یہ بھی خبر میں نشر ہوا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے علماء نے اسے ناجائز قرار دے دیا ہے، چنانچہ اس فتویٰ کے بعد نہ صرف عوام میں بلکہ خواص میں بھی مایوسی کی کیفیت پائی جاتی ہے جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:-

اسلامی بینکاری کو نافذ العمل کرنے والے بھی ان مدارس کے علماء ہیں جن مدارس کا الحاق وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ہی ہے، چنانچہ یہ فتویٰ اِصالۃً ہی باطل ہے بوجہ قضیہ کے معلل ہونے کے چونکہ اس فتویٰ کی بنیاد ہی معلل مقدمے پر رکھی گئی ہے جس کا اثر نتیجے پر ہوگا اور وہ بھی معلل ہوگا اور یہ قانون ہے کہ:-

إذا كان المقدم باطلا فالتالي مثله.

جب مقدم باطل ہے تو مؤخر بھی باطل ہوگا۔

اگر وفاق المدارس کے علماء کا فتویٰ بعض دُوسرے وفاق المدارس کے علماء کو مستثنیٰ کر کے جاری کیا گیا تو اس کی وضاحت الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کی ذمہ داری تھی، جس میں غفلت برتنے پر میڈیا کو تنبیہ کی جانی چاہیے تھی اور اس فتویٰ کی دوبارہ اشاعت کی جانی چاہیے تھی، مگر اس بارے میں اب تک خاموشی اختیار کرنا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ فتویٰ سطحی مطالعے کے بعد وجود میں آیا ہے اور ایک Casual Statement ہے۔

اس فتویٰ میں کلیۃً موجودہ اسلامی بینکاری نظام کو حرام قرار دیا گیا ہے، بوجہ مشابہ ہونے عام بینکاری کے، جبکہ کلیۃً تو عام بینکاری کو بھی حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

چیزوں کو حرام یا تو علی الاطلاق کیا جاتا ہے اور یا علی التحقیق کیا جاتا ہے، اور علماء اس بات کو جانتے ہیں کہ جن اُمور کا تعلق نظریات سے ہو، ان میں محرمات کا اِطلاق کل پر نہیں ہوتا بلکہ اجزاء پر ہوتا ہے۔

دُنیا میں کوئی قانون کلی نہیں ہوتا، ہاں کوئی کلی قانون کی حیثیت اختیار کرسکتا ہے، چنانچہ مذکورہ بالا فتویٰ میں نظری اشیاء میں کسی قانون کو کلی بنا کر پیش کردینا ایک مضحکہ خیز اُمر ہے۔

مذکورہ بالا فتویٰ میں اسلامی بینکاری نظام کو ایک اسلامی نظام سمجھ لیا گیا ہے، جبکہ یہ بات ایک قاری اور ہر عام و خاص پر واضح ہے کہ اسلامی بینکاری نظام مکمل اسلامی نظام نہیں ہے بلکہ اسلامی نظام کا ایک فرد ہے۔

اس فتویٰ میں انسان کی حالتِ اِختیار اور حالتِ اِضطراری کو بالکل نظرانداز کردیا گیا ہے، وَاِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ!

اس فتویٰ کے دینے میں حالات و واقعات کا اِعتبار بالکل نہیں کیا گیا ہے، جبکہ شریعت ہر دور میں حالات و واقعات کو مقامِ اعتبار دیتی ہے۔

اس فتویٰ میں جلد بازی سے کام لیا گیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے مختلف مسائل میں علمائے کرام و مفتیانِ عظام یہ غلطی کرچکے ہیں اور اس کی مبرہن مثال چاند تک انسان کی رسائی ہے کہ جس کو علماء نے باری تعالیٰ کے کاموں میں دخل اندازی قرار دیا، مگر جب یہ اَمر محقق ہوگیا کہ انسان چاند پر پہنچ چکا ہے تو مختلف تاویلات کا سہارا لیتے ہوئے اپنے قول سے رُجوع کی ضرورت پیش آئی، یہ کہتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں ہر چیز کو اِنسان کے لیے مسخر کردیا ہے۔

اس فتویٰ میں افسوسناک اَمر یہ ہے کہ علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے کسی چیز کو حرام تو قرار دے دیا مگر اس نظام کے متبادل سے متعلق یہ فتویٰ خاموش ہے۔

اسلامی بینکاری کی مقبولیت و اِفادیت

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے ڈپٹی گورنر نے اسلامی بینکاری کے متعلق تین روزہ ورکشاپ کے اِختتام پر اِظہارِ خیال کرتے ہوئے اسلامی بینکاری کے اِداروں پر زور دیا کہ وہ اپنی خدمات کا دائرہ وسیع کریں تاکہ بینکنگ انڈسٹری میں ان کی شمولیت اور مارکیٹ شیئرز میں اضافہ ہوسکے۔ اس وقت صدیوں پر محیط بینکاری نظام کے مقابلے میں اسلامی بینکاری کے نظام کو نہ صرف مسلمان ممالک بلکہ مغربی ملکوں میں بھی زبردست پذیرائی حاصل ہوئی ہے، اور سرمایہ کار اور بینکنگ انڈسٹری سے متعلق افراد اور اِدارے بڑی تیزی کے ساتھ اس نظام سے وابستہ ہو رہے ہیں۔ اس نام کی بدولت نہ صرف عام شہریوں اور کھاتہ داروں کو بہتر سہولتیں میسر آتی ہیں بلکہ اس شعبے میں سرمایہ کاری کی بھی زبردست حوصلہ افزائی ہوتی ہے، اور سرمایہ کار اپنے سرمائے کو زیادہ محفوظ خیال کرتے ہیں۔ اس وقت عالمی سطح پر جو مالیاتی بحران پیدا ہوا ہے اس نے اسلامی بینکاری کی ضرورت و اہمیت میں مزید اِضافہ کیا ہے اور اس نظام کے لیے زیادہ سازگار ماحول پیدا ہوا ہے۔ اس سے مالیاتی نظام کو بہتر بنانے اور اس شعبے میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی میں بڑی مدد مل رہی ہے، اور پورے شعبے میں ترقی کے یکساں مواقع پیدا ہو رہے ہیں۔ اس پورے نظام کی بنیاد کو اِسلامی نظامِ معیشت کی بنیاد پر اِستوار کر کے موجودہ بینکاری نظام کا ایک زیادہ مؤثر اور کامیاب نعم البدل سامنے لایا جاسکتا ہے۔ ضرورت اس اَمر کی ہے کہ مسلمان ممالک کے حکمران اور سرمایہ کار اس نظام کی سرپرستی میں اپنا کردار اَدا کریں۔

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی جمعہ یکم ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ - ۲۷ فروری ۲۰۰۹ء)

مفتی نذیر احمد خان
سربراہ بنوریہ ریسرچ اکیڈمی

اسلامی بینکاری کے خلاف فتویٰ علمی کی بجائے ذاتی اِختلافات پر مبنی ہے

علامہ اشہبؒ جو اِمام مالکؒ کے براہِ راست شاگرد ہیں، اور مالکی مسلک کے زبردست محقق جانے جاتے تھے، آپؒ نے حدیث وفقہ براہِ راست اِمام مالکؒ سے حاصل کی بلکہ اِمام مالکؒ کے منظورِ نظر شاگردوں میں آپؒ کا شمار ہوتا تھا۔ مالکی مسلک کے حوالے سے پورے مصر میں ان کا ہم پلّہ کوئی فقیہ نہ تھا، مصر میں مالکی مسلک کی ترویج میں آپؒ کی کوششوں کو بڑا دخل تھا، مالکی مسلک کو مقبول کرانے میں عملی اقدام سے کہیں زیادہ دِفاع کا کردار آپؒ کا بہت ہی زیادہ تھا۔ اسی وجہ سے آپؒ کی وقت کے بحرِ زخار اِمام شافعیؒ کے ساتھ اکثر وبیشتر نوک جھونک اور مناظرہ بازی چلتی رہتی تھی۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ علامہ اشہب کا اِمام شافعیؒ کے ساتھ مناظرہ جاری تھا، علامہ نے گھنٹہ بھر تقریر میں دلائل کے انبار لگادیے، لیکن وقت کے عصائے موسوی نے لمحہ بھر میں سب کے سب اپنی عالمانہ چابکدستی سے دریابُرد کردیے، اور چارہ وناچار علامہ اشہب کو خاموش ہونا پڑا، لیکن اپنی شکست کے غم سے زیادہ مالکی فقہ کے مستقبل کے غم نے آپ کو اس قدر پریشان کیا کہ بے تاب ہوکر غصے میں بے ساختہ چابیوں کا ایک بھاری بھرکم گچھا اِمام شافعیؒ کے چہرے پر دے مارا، مار اس قدر زوردار تھی کہ اِمام شافعیؒ صاحبِ فراش بنے اور اَنجام کار شہیدِ علم قرار پائے۔

علامہ کا فقہِ مالکی سے لگاؤ اور عقیدت کی اِنتہا یہ تھی کہ بجائے اِمام شافعیؒ کی قابلیت ومقبولیت کے معترف ہونے کے خود آپؒ کی حیات کو ایک خطرہ قرار دیتے تھے، صبح کی سحر گاہیوں میں کبھی کبھار تڑپ کر جو کلمات نکلتے وہ کچھ اس قسم کے تھے:-

اَللّٰھُمَّ اَمِت الشَّافِعِیَّ وَاِلَّا ذَھَبَ عِلْمُ مَالِک.

اے اللہ! اِمام شافعی کو موت دیدے، ورنہ مصر سے مالکی مسلک کا خاتمہ ہوجانا ہے۔

لیکن پیکرِ علم وعمل اِمام شافعیؒ کا اخلاق دیکھیں کہ انہوں نے علمی اِختلاف کو اس کے دائرے تک محدود رکھا اور کبھی بھی اس کو ذاتیات پر حاوی ہونے نہیں دیا، آپؒ برملا علامہ اشہبؒ کی فقاہت کا اِعتراف فرماتے اور ان کی فقیہانہ تحقیقات کی تحسین فرماتے، آپؒ اکثر و بیشتر فرماتے:-

مَا اَخْرَجَتْ مِصر اَفْقَه مِن اشهب.

یعنی مصر کی سرزمین اشہبؒ سے بڑا فقیہ پیدا نہیں کرسکی۔

علامہ اشہبؒ بھی گزر گئے اور وقت کے نابغۂ روزگار اِمام شافعیؒ بھی، مقبولیت کسے ملی اور دُنیا کس کی مقلد ہوئی، مصر کیا عالمِ اسلام کا بچہ بچہ اِمام شافعیؒ کی قابلیت و اِمامت کا معترف ہے، اور علامہ اشہبؒ جن کا اپنے وقت میں ڈنکا بجتا تھا شاید ہی مسلمانوں کا عام طبقہ ان کے نام سے شناسائی رکھتا ہو۔

اس واقعے کو پڑھنے کے بعد میرے دِماغ میں بعض علمائے کرام کا اِسلامی بینکاری کے خلاف متشدّدانہ فتویٰ گھومنے لگا، اِختلافِ رائے فقہ کی ترقی کا زینہ ہے، بجا طور علمائے کرام کو کسی پیش آمدہ مسئلے میں رائے قائم کرنا یا کسی کے فتویٰ سے اِختلاف کرنا ان کا علمی حق ہے، اس سے کسی کو اِنکار نہیں ہے، لیکن اِختلاف کے اِظہار میں غیر مہذّب لہجہ وقت کے مقتداؤں کو زیب نہیں دیتا ہے، ہماری دانست میں اس اِختلاف کے اِظہار میں صریح علمی بددیانتی ہوئی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اِختلافِ رائے رکھنے والوں کو علمی

اِختلاف کم اور ذاتی اِختلاف کہیں زیادہ تھا، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے لکھے پڑھے طبقے نے اس فتویٰ کو جذباتی فتویٰ قرار دے کر کوئی اہمیت نہیں دی ہے۔

چند مخصوص علمائے کرام کی رائے کو متفقہ فتویٰ قرار دے کر مولانا محمد تقی عثمانی کو مطعون کرنے کی کوشش دراصل اپنے حقیقی مفہوم میں چابیوں کا وہ زوردار گچھا ہے جس سے علمائے دیوبند سے منسلک ہر فرد کا دِل زخمی کیا گیا ہے۔ بنوری ٹاؤن اور احسن العلوم سے نکلنے والی کتابوں میں حدودِ اِختلاف کو جس انداز سے پامال کیا گیا ہے اور اِظہارِ رائے کے لیے جو زبان استعمال کی گئی ہے سن کر اور پڑھ کر ہر مسلمان کا دِل زخمی ہوا ہے، لیکن مقامِ شکر ہے کہ اس فتویٰ نے مولانا محترم اور ان کے مشن کو اور مقبول بنادیا ہے، اس فتویٰ کے اِجراء کے بعد اصل حقائق سامنے آنے پر مسلمانوں کی توجہ اسلامی بینکوں کی طرف پہلے کی نسبت کافی زیادہ بڑھی ہے، اور علمائے کرام بھی ایک دِینی مشن کے طور پر اِسلامی بینکاری کو پروان چڑھانے کی تگ ودو میں لگ گئے ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح شہیدِ علم اِمام شافعیؒ کے شاگرد، فقہِ شافعی کو مصر کے بچے بچے کا مسلک بنا گئے اور صدیاں گزرنے کے باوجود آج بھی مصر کی سرزمین فقہِ شافعی کی روشنی سے تاباں ہے۔

***

مولانا خلیل احمد اعظمی

کیا بینک قائم کرنا ہی حرام ہے؟

اسلامی بینکاری پر گفتگو سے پہلے یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ بینکاری کے نظام کا اصل مقصد کیا ہے؟ اور یہ مقصد شریعت سے متصادم ہے یا نہیں؟

معاشرے میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں، کچھ لوگ وہ ہیں جن کے پاس فراوانی کے ساتھ سرمایہ ہے، جبکہ کچھ لوگ وہ ہیں جن کے پاس سرمایہ تو نہیں لیکن ان میں کاروبار کرنے کی اہلیت ہے، وہ تجارت کرنا بہتر جانتے، صنعت قائم کر سکتے ہیں اور ان کے پاس مفید ہنر موجود ہے۔

بینکاری کا نظام معاشرے کے ان دونوں طبقوں کو ملانے کے لیے وجود میں آیا کہ جس کے پاس سرمایہ ہے اس کا سرمایہ بیکار تجوریوں میں نہ پڑا رہے اور جس کے پاس کاروباری صلاحیت ہے اس کی صلاحیتوں کو زنگ نہ لگے، ان دونوں طبقوں کو ملایا جائے تاکہ معاشرے میں کاروباری سرگرمیاں بڑھیں، معاشی لحاظ سے ترقی ہو اور لوگوں کو روزگار کے مواقع ملیں۔

اس بنیادی مقصد پر اگر غور کیا جائے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔

شرکت اور مضاربت کی مشروعیت کا بنیادی مقصد اور فلسفہ ہی یہی ہے کہ سرمایہ اور کاروباری صلاحیتوں کو ملایا جائے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ یتیم کے مال

کو تجارت میں لگاؤ کہ اسے زکوٰۃ نہ کھالے۔یعنی اگر اس کا مال تجوری میں رکھا رہے گا تو اس میں اضافہ تو ہوگا نہیں اور زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی جس کی وجہ سے مال ظاہری طور پر کم ہوتا جائے گا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مال اور سرمایہ بیکار پڑے رہنا شریعت کی نگاہ میں پسند نہیں، اسے مارکیٹ میں آنا چاہیے تاکہ اس سے معاشی سرگرمیاں وجود میں آئیں۔اب سوال یہ ہے کہ جب بینکاری کا بنیادی مقصد صحیح ہے تو مروّجہ بینکاری کو ناجائز کیوں کہا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مروّجہ بینکاری کو جو ناجائز کہا جاتا ہے وہ اس وجہ سے کہ اس وقت پوری دُنیا میں بینکاری نظام کا ڈھانچہ زیادہ تر سود ہی پر قائم ہے، جس کے پاس سرمایہ ہے بینک اس سے سود پر قرضہ لیتا ہے اور جسے سرمایہ کی ضرورت ہے اسے سود پر قرضہ دیتا ہے، اور سود کا لین دین شرعاً حرام اور ناجائز ہے، لہٰذا اس حرام عنصر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مروّجہ بینکاری نظام کو ناجائز کہا جاتا ہے۔لہٰذا اگر سود اور دیگر حرام اُمور سے اِحتراز کرتے ہوئے بینکاری نظام قائم کیا جائے تو اسے محض اس وجہ سے ناجائز نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بینکاری ہے، کیونکہ مروّجہ بینکاری کے ناجائز ہونے کا سبب بینکاری ہونا نہیں بلکہ سود اور دیگر حرام اُمور پر مشتمل ہونا ہے۔

موجودہ اسلامی بینکاری میں فی الوقت یہی کوشش کی گئی ہے کہ بینکنگ کا بنیادی مقصد سود اور دیگر حرام اُمور سے بچتے ہوئے حاصل کیا جائے۔شریعت نے تمویل اور تجارت کے جو طریقے بتائے ہیں، انہیں اِختیار کرتے ہوئے لوگوں سے رُقوم وصول کی جائیں اور آگے انہیں نفع بخش تجارت میں لگا کر نفع حاصل کیا جائے اور وہ نفع بینک اور رُقوم دینے والوں میں متناسب طور پر تقسیم کیا جائے۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں اگر ہم بعض حضرات اہلِ علم کے اس قول کا جائزہ لیں کہ اسلام اور بینکاری اپنی بنیادی خصوصیات اور اَہداف کی وجہ سے دو متضاد حقیقتیں ہیں تو

یہی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان حضرات نے بینکاری کے اصل ہدف اور اس کے مروّجہ عملی طریقے کو جو کہ سود پر اِستوار ہے خلط کر دیا۔ یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اسلام اور بینکاری کا وہ عملی طریقہ جو سود کی بنیاد پر قائم ہو، دو متضاد حقیقتیں ہیں، لیکن نفسِ بینکاری کے مقصد ہدف اور اِسلام کے اَحکام میں کوئی تضاد نہیں جیسا کہ اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

اصل مقصد اور عملی طریقۂ کار میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ان حضرات نے بینکاری کو شراب نوشی اور قمار پر قیاس کیا ہے، حالانکہ یہ قیاس کسی بھی درجے میں صحیح نہیں، شراب نوشی کا اصل مقصد نشہ حاصل کرنا ہے اور قمار کا مقصد ناجائز طریقے سے دُوسروں کا مال کھانا ہے کہ کم رقم خرچ کر کے زیادہ رقم حاصل کر لی جائے، یہ دونوں ہی مقاصد شرعاً صحیح نہیں، اس لیے اگر کوئی شراب نوشی اور قمار کا متبادل تلاش کرے تو اسے غلط کہا جائے گا، کیونکہ ان کا اصل مقصد ہی شریعت سے متصادم ہے، جبکہ بینکاری کا اصل مقصد یہ ہے کہ سرمایہ اور عملی صلاحیتوں کو ملا کر معاشی سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے، جب یہ مقصد صحیح ہے تو اسے حاصل کرنے کے لیے بینکاری کا ایسا طریقہ اگر متعارف کرایا جائے جو شریعت کے اُصولوں سے متصادم نہ ہو تو یہ آپ کے نزدیک ناقابلِ قبول کیوں ہے؟

***

پروفیسر عبدالرؤف
سابق صدر شعبۂ سیاسیات، گورنمنٹ ڈگری کالج، مظفر گڑھ

اسلامی بینکنگ پر اِختلافات
اکابر علماء کے اِرشادات کی روشنی میں چند اُصولی باتیں

ملک سے سود ختم کرنے کے سلسلے میں اِبتدائی کوشش کے طور پر اِسلامی بینکاری نظام رائج کیا گیا، چند اِسلامی بینکوں میں سے ''میزان بینک'' کی اِبتدا ۲۰۰۱ء میں ہوئی۔ سات سال کا عرصہ گزر چکا، ملک بھر میں اس کی شاخیں بڑھتے بڑھتے ۱۶۶ تک پہنچ کی ہیں۔ ایک بینک ''بینک اسلامی'' دو تین سال کے اندر ملک بھر میں ۱۰۲ شاخیں قائم کر کے کام کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی شاید ایک دو اور بینک بھی اسلامی بینکنگ کر رہے ہیں۔ سات تک اسلامی بینکنگ رائج رہنے کے بعد اہلِ فتویٰ علمائے کرام نے اس سے شدید اِختلاف کرتے ہوئے مروّجہ اسلامی بینکاری کو قطعی غیر شرعی اور غیر اِسلامی قرار دیا ہے۔ ناجائز و حرام ہونے کے سلسلے میں فقہی مسائل پر شبہات کے جواب تو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ ہی دیں گے، کیونکہ یہ صرف اِجتہادی صلاحیت رکھنے والے محقق علماء ہی کا کام ہے، البتہ اس سلسلے میں جن بعض دیگر باتوں کا ذِکر کیا جاتا ہے، ان کے بارے میں چند گزارشات غور فرمانے کے لیے پیشِ خدمت ہیں۔

۱- ایک اہم گزارش یہ ہے کہ اصل مسئلے کی نوعیت و اہمیت کو سمجھنے میں شاید کچھ توجہ کی کمی ہے۔ بات صرف یہ نہیں ہے کہ لوگوں نے پیسہ رکھنا ہے تو سود سے بچنے کے لیے کرنٹ اکاؤنٹ کھولیں، یا غربا کو بینکوں سے جائز طریقے سے سہولت کے ساتھ قرضے کس

طرح ملیں کہ غربا کے مسائل حل ہو جائیں۔ معاملے کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے اور اصل مسئلہ بہت بڑا ہے کہ سود جیسا مہلک اور بڑا گناہ، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اور اپنے رسول کی طرف سے ان لوگوں کے لیے اعلانِ جنگ قرار دیا ہے، اور جو ایسا گناہ ہے کہ جس کے معاف نہ ہونے کا خطرہ ہے، جس پر لعنت کی وعید ہے اور جس کے پھیلنے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینا کہا گیا ہے وہ سود ملک کے چھوٹے بڑے تمام اداروں بلکہ معیشت کی رَگ رَگ میں سرایت کیے ہوئے ہے، لیکن اس کو قابلِ عمل متبادل طریقے کے ذریعے ختم کرنے کی کوئی ٹھوس کوشش نہیں کی جاتی رہی۔ ریاست وحکومت کے نظام اور اس کے آئین وقانون کو اِسلامی بنانے کے لیے علمائے کرام کتنی زیادہ کوششیں فرماتے رہے ہیں، دِینی رسائل میں مضامین لکھے جاتے ہیں، جلسے اور جلوس منعقد کیے جاتے ہیں، تحریکیں چلائی جاتی ہیں، اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی جاتی ہیں، علمائے کرام دِین کی ایک ایک جزوی اور اِستنباطی بات کو بھی زندہ رکھنے کے لیے کتنے فکرمند رہتے ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب جمعہ کے دن کی چھٹی ختم کردی گئی تو اس کے بحال کروانے کے لیے کتنی کوششیں کی گئیں۔ لیکن غور فرمایا جائے کہ یہ سب قوانین مکمل اسلامی بن جائیں، لیکن سود اسی طرح باقی رہے، تو گویا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اعلانِ جنگ برقرار ہے اور اس صورتِ حال کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ عام طور پر کھانا حرام، پینا حرام اور لباس حرام ہو تو قبولیت کہاں سے ہوگی؟ غرب ک ے مسئلے کو حل کرنے کے لیے اسلامی حکومت کے فرائض میں بنیادی ضروریاتِ زندگی (روٹی، کپڑا، ضروری مکان، علاج، تعلیم) کی فراہمی ہے، لیکن اس فرض کی ادائیگی کے لیے جو پیسہ اِستعمال ہوتا ہے، اس سب کی بنیاد سود ہے۔ اسلامی حکومت کے فرائض میں جہاد جیسے عظیم حکم کو پورا کرنا ہے، فرمایا گیا ہے: "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ" کفار کے لیے سامانِ جنگ کی تیاری کرو، جس قدر ہوسکے۔ اس کی تیاری کے لیے ہر قسم کی اسلحہ ساز فیکٹریاں چاہئیں، ایٹمی قوت چاہیے، ترقی یافتہ ممالک سے جدید ترین طیارے اور دیگر جنگی (بری،

بحری، ہوائی) سامان چاہیے، یہ سارے کام سود کی بنیاد پر چلنے والے بینکوں سے براہِ راست وابستہ ہیں، تو گویا ہر لین دین میں، ہر معاہدے میں، ہر خرید وفروخت میں سود ہی سود ہے۔ چنانچہ اسی سود کو ختم کرنے کا جذبہ اور فکر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ میں بھرپور طریقے سے موجود تھی، اپنی آٹھ جلدوں پر مشتمل تفسیر ''معارف القرآن'' کے شروع میں شاید ہی کسی اور مسئلے پر اتنی تفصیل سے بحث کی ہو جتنا کہ سود کے مسئلے پر کی ہے۔ (یہ جذبہ اور فکر تو دیگر تمام اکابر علماء میں بھی بھرپور طریقے سے موجود تھا اور ہے، لیکن متبادل حل کے لیے قدم اُٹھانے کی بات ہو رہی ہے) اسی جذبے کے تحت سود کو ختم کرنے کے لیے عملی قدم بھی اُٹھایا، حضرت مفتی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:-

> احقر نے چند علماء کے مشورے سے بے سود بینکاری کا مسوّدہ عرصہ ہوا تیار کر بھی دیا تھا، اور بینکاری بعض ماہرین نے موجودہ دور میں قابلِ عمل تسلیم بھی کر لیا تھا، اور بعض حضرات نے اس کو شروع بھی کرنا چاہا مگر ابھی تک عام تاجروں کی توجہ اس طرف نہ ہونے کے سبب، اور حکومت کی طرف اس کی منظور نہ ہونے کے سبب، وہ چل نہیں سکا۔
>
> (معاف القرآن ج:۱ ص:۶۷۸)

اللہ کی قدرت دیکھئے کہ پھر اسی کام کا بیڑا حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، خلف الرشید حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اُٹھایا، اپنی خداداد اِجتہادی صلاحیت کے ساتھ بیسیوں سال دن رات محنت کر کے گویا اِقتصادیات کے شعبے میں تخصص حاصل کیا، بالخصوص اسلامی بینکنگ کے شعبے میں ان کی دسترس اور اس کی باریکیوں سے کماحقہٗ ان کی واقفیت کو ایک مُسلّم حیثیت حاصل ہے، چنانچہ ملک کی اعلیٰ ترین عدالت سپریم کورٹ آف پاکستان (شریعت اپیلیٹ بنچ) کے ایک ممبر کی حیثیت سے ۲۳ر دسمبر ۱۹۹۹ء کو سودی نظام ختم کرنے کا عظیم فیصلہ آپ نے تحریر کیا، سود کی حرمت کے ساڑھے گیارہ سو صفحات پر مشتمل اس فیصلے میں متبادل طریقۂ کار کا مفصل لائحۂ عمل بھی تجویز کیا گیا ہے، پھر ملک سے سود کو ختم کرنے کی

کوشش میں انہوں نے اِبتدائی طور پر اِسلامی بینکنگ شروع کرائی لیکن اب سات سال بعد علمائے کرام نے اس مروّجہ اسلامی بینکنگ سے باقاعدہ اور واضح طور پر اِختلاف کا اِظہار کیا ہے۔ کاش! کہ اس اِختلاف کے ساتھ ہی متبادل کے طور پر جائز اور قابلِ عمل اسلامی بینکاری کا نظام بھی تجویز کر کے رائج کرنے کی کوشش کی جاتی!

۲- اِجتہادی صلاحیت رکھنے والے محقق علمائے کرام کو اپنی علمی تحقیق کی بنیاد پر اِختلاف کا حق اور اِختیار ہے، اِختلاف کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے پیش کردہ اسلامی بینکاری نظام کو ایک طرف کر دیا جائے، لیکن ساتھ ہی متبادل جائز اور قابلِ عمل اسلامی بینکاری نظام بنا کر رائج کیجئے۔ جب متبادل کی بات کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ آج عوام سود کو چھوڑنے کے لیے متبادل مانگ رہے ہیں، کل کو چور ڈاکو اپنے جرائم سے باز رہنے کے لیے چوری اور ڈاکے جیسی افادیت کا حامل متبادل پیشہ علماء سے مانگیں گے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ چور، ڈاکو اور زانی والی مثال اور اس بنیاد پر بنائی گئی بہت سی فرضی مثالیں سمجھنے میں بہت زیادہ مشکل پیش آ رہی ہے، اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ سود کو باقی اور جاری رکھنے کے لیے سود کا متبادل سود نظام نہیں مانگا جا رہا بلکہ حرام سود کو ختم کرنے کے لیے جائز اور قابلِ عمل متبادل طریقہ مانگا جا رہا ہے۔ معیشت کو ریاستی اور حکومتی نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے، نجی و ملّی معیشت میں بینکاری نظام جزوِ لازم بنا دیا گیا ہے، اس بینکاری نظام کو ختم کر دینا ممکن نظر نہیں آ رہا، لہٰذا بینکنگ سسٹم سے حرام سود کو ختم کر کے بینکوں کو چلانے کا طریقہ (جائز متبادل) کیا ہے؟ ان کو اِسلامی و شرعی اُصولوں کے مطابق کس طرح چلایا جائے؟ متبادل طریقہ بھی ایسا جو قابلِ عمل ہو (ملک جس طرح شروع ہی سے اور آج کل بہت ہی زیادہ مغربی طاقتوں اور خاص طور پر امریکا اور آئی ایم ایف کے مضبوط شکنجے کی گرفت میں ہے اور کس کس طرح ان کا اور ان کی شرائط کا پابند ہے، اس کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں) اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علماء کے ذمے صرف شرعی حکم کا اظہار اور اعلان واعلام ہے، حالانکہ اکابر علماء کے اِرشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ متبادل طریقہ بتانا

اور پھر لوگوں کو اس طریقے پر ڈالنے کی پوری کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فریضۂ اُمتِ محمدیہ کے تحت فرماتے ہیں: ''جیسے طاعت خود واجب ہے، ویسے ہی دُوسروں کی طاعت کے لیے سعی بھی واجب ہے، مگر یہ سعی بقدرِ اِستطاعت واجب ہے۔'' (دعوت و تبلیغ ص: ۲۴۸)

متبادل بتانے اور پھر اس پر ڈالنے کی کوشش کے سلسلے میں حضرت فرماتے ہیں:-

بہرحال اِنذار کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جس سے لوگ نااُمید ہو جاتے ہیں، اور ایک یہ کہ اِنذار اور اس کے ساتھ ہی اس سے بچنے کی تدبیر بھی بتادی جائے، مثلاً سلطنت کا ایک حکم اور اس کے ساتھ ہی اس سے بچنے کی تدبیر بھی بیان کردے۔ اس کو محقق سمجھا جاتا ہے۔ غیر محقق نے چغلی، غیبت، وغیرہ کا عذاب تو بیان کردیا، مگر یہ نہ بتایا کہ اس مرض سے نجات کیونکر ہوسکتی ہے؟ اور ایک محقق شیخِ کامل جہاں عذاب بیان کرے گا، وہاں اسباب اس بات سے بچنے کے بھی بیان کرے گا۔ مثلاً امراضِ مذکورہ سے بچنے کے لیے یہ تدبیر بتائے گا کہ بولو تو سوچ کر بولو کہ کسی کی حکایت تو نہیں جس میں غیبت ہو، یا شکایت تو نہیں جس میں چغلی ہو۔ تو دیکھو کہا انہوں نے بھی، مگر اس طرح کہ نااُمید نہیں کیا، اور اہلِ ظاہر اس طرح کہتے ہیں جس سے معلوم ہو کہ ہمیشہ کے لیے مردُود ہوگیا، شیطان بن گیا، اور اہلِ باطن برابر تسلی دیتے رہتے ہیں کہ فکر مت کرو، اس سے بچنا بہت آسان ہے۔ غرض ایک اِنذار تو یہ ہے کہ بالکل مایوس کردے، یہ ناجائز۔ اور ایک وہ کہ جس میں نجات کی تدبیر بھی ہو تو یہ جائز۔

(ایضاً ص: ۳۳۵)

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل ہوئی کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے (اپنے دِل میں) کہا کہ میں (آج) ضرور کچھ صدقہ کروں گا۔ وہ اپنے صدقہ (خیرات کا مال) لے کر نکلا اور ایک چور کے ہاتھ میں دے دیا۔ صبح کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ (رات) ایک چور کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ! آپ ہی کے لیے حمد ہے، میں (آج) ضرور صدقہ کروں گا۔ وہ (رات کو) پھر صدقہ لے کر نکلا اور ایک زناکار عورت کو دے دیا۔ صبح کو لوگوں میں چرچا ہوا کہ آج رات ایک زانیہ پر صدقہ کیا گیا ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ! آپ ہی کے لیے حمد ہے، میں (آج پھر) ضرور صدقہ کروں گا۔ وہ (رات کو) پھر صدقہ لے کر نکلا اور ایک غنی کو دے دیا۔ صبح کو چرچا ہوا کہ آج (رات) غنی کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ! آپ ہی کے لیے حمد ہے، چور (کے صدقے) پر اور زانیہ (کے صدقے) پر اور غنی (کے صدقے) پر۔ تو اس کے پاس پیام پہنچا کہ تیرا چور کو صدقہ دینا (بےکار نہیں گیا) اُمید ہے کہ وہ چوری سے باز آجائے، اور زانیہ پر صدقہ (بھی بیکار نہیں گیا) اُمید ہے کہ وہ زنا سے بچ جائے، اور غنی پر صدقہ (بھی بےکار نہیں گیا) اُمید ہے کہ اس کو عبرت ہو جائے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت سے خرچ کرنے لگے۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:-

> چور کے متعلق جو کہا گیا کہ اُمید ہے کہ وہ اس صدقے کی وجہ سے چوری سے باز آجائے، یہ تو ظاہر ہے، کیونکہ انسان عموماً تنگی اور فقر ہی کی وجہ سے چوری کرتا ہے، اور چور کا چوری سے رُک جانا بڑی چیز ہے کیونکہ مسلمان اس کے ضرر سے بچ جائیں گے تو اس کا ثواب صدقے سے بھی افضل ہے ......لوگ زناکار عورتوں کو صدقہ نہیں دیتے، نہ چوروں کو، حالانکہ ان کو صدقہ دینا زیادہ ثواب ہے کہ شاید وہ گناہوں سے توبہ کرلیں......قانونی طور پر ان افعال کو جرم قرار دیا جائے اور ان پر سزائے تازیانہ یا قید خانہ مقرّر کرائی جائے اور مسلمان

ریاستوں کو بھی اپنی ریاست میں مسلمانوں کے واسطے اسی قسم کے قانون پاس کرنا چاہیے، نیز زنا کار عورتوں کو شادی پر مجبور کیا جائے اور جب تک شادی نہ ہو صدقات و خیرات سے ان کی خبر گیری کی جائے۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت تھانویؒ کی بتائی ہوئی اِنذار کی دونوں قسموں (ناجائز بتانا اور متبادل جائز پر ڈالنے کی کوشش کرنا) کی وضاحت فرمارہے ہیں، بالخصوص حضرت تھانویؒ کے یہ جملے تو اپنے اندر کتنی مٹھاس لیے ہوئے ہیں کہ ''اور اہلِ باطن برابر تسلی دیتے رہتے ہیں کہ فکر مت کرو، اس سے بچنا بہت آسان ہے'' (سیکولر برطانوی آئین اور دیگر انگریزی قوانین کو ختم کر کے متبادل کے طور پر اِسلامی آئین و قانون بنانے اور رائج کرنے کی کس طرح کوششیں کی گئیں، اس کا مختصر ذکر بعد میں آئے گا)۔

۳- کتنی لائقِ تحسین اور قابلِ قدر ہے علمائے کرام کی وہ طویل جدوجہد جس کے نتیجے میں وفاقی شرعی عدالت اور پھر سپریم کورٹ آف پاکستان نے دسمبر ۱۹۹۹ء میں سود کو ناجائز اور حرام قرار دینے کا تاریخی فیصلہ دیا، لیکن حرام قرار دیئے جانے کے بعد کسی متبادل کے بغیر کیا، اب یہ کیا جائے کہ سودی نظام پر مبنی ملک کے تمام بینکوں کو ختم کردینے کا اعلان کردیا جائے؟ اور ان بینکوں کے ذریعے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر جتنے کاروبار ہورہے ہیں، ان سب کو کالعدم قرار دیا جائے؟ کچھ تو ٹھوس لائحہ عمل بتادینا چاہیے۔ ایسی مشکل صورتِ حال کے لیے حضرت مولانا محمد شفیعؒ اِرشاد فرماتے ہیں:-

> جب کوئی مرض عام ہو کر وبا کی صورت اِختیار کرلے تو علاج معالجہ دُشوار ضرور ہوجاتا ہے، لیکن بے کار نہیں ہوتا، اِصلاحِ حال کی کوشش انجام کار کامیاب ہوتی ہے، البتہ صبر و اِستقلال اور ہمت سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ بھی اِرشاد ہے: ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ'' یعنی ''اللہ تعالیٰ

نے دِین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی''۔اس لیے ضروری ہے کہ رِبا سے اِجتناب کا کوئی ایسا راستہ ضرور ہوگا جس میں معاشی اور اِقتصادی نقصان بھی نہ ہو، اندرونی و بیرونی تجارت کے دروازے بھی بند نہ ہوں، اور رِبا سے نجات بھی ہوجائے۔اس میں پہلی بات تو یہی ہے کہ سطحی نظر میں بینکنگ کے موجودہ اُصول کو دیکھتے ہوئے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بینکنگ سسٹم کا مدار ہی سود پر ہے، اس کے بغیر بینک چل ہی نہیں سکتے، لیکن یہ خیال قطعاً صحیح نہیں۔ رِبا کے بغیر بھی بینکنگ سسٹم اسی طرح قائم رہ سکتا ہے بلکہ اس سے بہتر اور نافع اور مفید صورت میں آسکتا ہے، البتہ اس کے لیے ماہرینِ شریعت اور کچھ ماہرینِ بینکنگ کے مشورے اور تعاون سے اس کے اُصول اَز سرِ نو تجویز کریں تو کامیابی کچھ دُور نہیں۔

(معارف القرآن ج:۱ ص:۶۷۷-۶۷۸)

حضرت مفتی صاحبؒ (جن کے مفتیٔ اعظم ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے) کے اس اِرشاد میں کئی باتوں کا واضح جواب موجود ہے، مثلاً یہ کہ اسی بینکنگ سسٹم (جس کو یہودی سودی نظام کہہ کر اس سے سود کو ختم کرنے کی کوشش ہی کا سرے سے اِنکار کردیا جاتا ہے) میں سے حرام سود کو ختم کرکے اسلامی و شرعی طریقوں کو رائج کیا جاسکتا ہے اور یہ خیال قطعاً صحیح نہیں ہے کہ سود کے بغیر بینک چل ہی نہیں سکتے، نہ صرف چل سکتے ہیں بلکہ پہلے سے بھی بہتر اور نافع اور مفید صورت میں آسکتے ہیں۔

۴-رُخصت کو چھوڑ کر عزیمت اِختیار کرنا نہایت ہی پسندیدہ راستہ ہے۔ پُرعزم حضرات یہی کیا کرتے ہیں، لیکن عزیمت پُرعزم حضرات کے اپنے لیے ہی مناسب ہوا کرتی ہے۔ اِجتماعی زندگی کے اِجتماعی معاملات میں عزیمت کی کوشش سے مشکلات پیدا ہوتی ہیں، اور یہ مشکلات اتنی بڑھ جاتی ہیں کہ رُخصت پر عمل سے بھی محروم ہوجاتے ہیں۔

اسلامی ریاست میں عورت کی سربراہی اور مجلس قانون ساز میں خواتین کی رُکنیت کو ناجائز قرار دے کر اسے روکنے کی بھرپور کوشش فرمائی گئی، اور پھر معروضی حالات کے پیشِ نظر اکابر علمائے کرام نے خود مجالس قانون ساز (پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں) میں خواتین کو باقاعدہ ممبر منتخب کر کے انہیں اجلاسوں میں شریک کیا۔ جدید دور میں اِسلام دُشمن قوتوں کے عزائم بین الاقوامی سیاسی حالات اور عالمی مالیاتی اِداروں کے شکنجے میں آجانے جیسے معروضی حالات میں سود جیسے بہت ہی بڑے گناہ کو ختم کرنے کے لیے اگر بوقتِ ضرورت حیلہ اور تاویل سے رُخصتوں پر ہی عمل ہوجائے تو مقامِ شکر اور غنیمت ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ غیر شرعی ملازمت چھوڑنے کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

> اسی واسطے جب ہمارے حضرت سے کوئی شخص بیعت ہوکر پوچھتا کہ نوکری چھوڑ دوں؟ فرماتے تھے: نہیں، نہیں، ایسا ہرگز نہ کرنا۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر کوئی نوکری ایسی بھی ہو کہ نامشروع ہو اور مشروع نہ ملتی ہو، تو نہ چھوڑو، ہاں اپنے کو گناہگار سمجھو، اگر کوئی کہے کہ اَمرِ نامشروع کے چھوڑنے سے منع کرتے ہیں، تو صاحبو! ہم نامشروع کے چھوڑنے سے منع نہیں کرتے، بلکہ ایک نامشروع کو سپر بناتے ہیں بہت سے نامشروع کے لیے، یعنی اس وقت اگر چھوڑے گا، نہ معلوم کتنے معاصی میں مبتلا ہوگا، کہیں چوری کرے گا، جوا کھیلے گا، جھوٹی گواہی دے گا، لوگوں کا قرض لے لے کر مارے گا اور نہ معلوم کیا کیا آفتیں کرے گا۔ پھر جب آگے بڑھے گا تو یہ خیال ہوگا کہ اے نفس! تو اس قدر معاصی میں مبتلا ہے، تیری نجات کیا ہوگی؟ بس نجات نہ ہوگی تو الگ کرو سارا جھگڑا اور خوب جی کھول کے جو کچھ ہوسکے، کرلو۔ اے لیجئے! ایک نامشروع کے ترک سے کفر کی حد تک پہنچ گیا...... جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو، اُس کو چاہیے کہ ہلکی

مصیبت کو اِختیار کرے، مثلاً ایک طرف گز کی کھائی ہے، اور ایک طرف کنواں ہے، جس میں پچاس ہاتھ پانی ہے، وہاں ممکن ہی نہیں کہ گر کر زندہ رہ سکے۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ بغیر گرے پناہ نہیں تو عقل کا فتویٰ یہی ہے کہ کھائی اِختیار کرے کہ بلا تو ہاتھ منہ ٹوٹنے پر ٹلے گی، جان تو بچ جائے گی۔ (خطبات، دعوت وتبلیغ ص:۳۰۱)

اِستقامت کے عنوان سے حضرت حکیم الامت" تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

ہمارے اندر دو مرض ہیں، اِفراط وتفریط۔ اہلِ تفسیر نے اِستقامت کی تفسیر میں بھی تفریط کی ہے اور اہلِ اِفراط نے اس کی تفسیر میں غلو کیا ہے، پس ہم کو اپنے اندر اِعتدال پیدا کرکے اپنی اصلاح کرنا چاہیے۔ ہر چند کہ اِفراط وتفریط دونوں مذموم ہیں مگر اِفراط زیادہ مذموم ہے ...... بہت لوگ تقویٰ میں مبالغہ کرتے ہیں اور وہ اسی کو اِستقامت سمجھتے ہیں اور اس کو محمود سمجھتے ہیں اور بظاہر یہ محمود معلوم بھی ہوتا ہے مگر حقیقت میں محمود نہیں کیونکہ مبالغے کی وجہ سے کسی وقت یہ شخص مایوس بھی ہوجاتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک تقویٰ کا جو اعلیٰ درجہ ہے اُس کی تحصیل دُشوار ہے اور ادنیٰ درجے کو یہ ناکافی سمجھتا ہے اس لئے اُخیر میں اس کو مایوسی ہوجاتی ہے جس کا انجام تعطل ہے..... اسی لئے شریعت نے غلو سے منع کیا ہے۔ قرآن مجید میں بھی امر ہے: "لا تغلوا فی دینکم" (یعنی اپنے دِین میں غلو نہ کرو) اور احادیث میں بھی اس کی سخت ممانعت آئی ہے: "من شاق شاق اللہ علیہ" (جو شخص اپنے اُوپر مشقت ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر مشقت ڈال دیتے ہیں) کیونکہ اس میں حدود سے تجاوز ہے اور حدود سے تجاوز کرنا اِطاعت نہیں...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ایک امر

میں دو راستوں کا اِختیار دیا جاتا تو آپ سہل کو اِختیار فرماتے ......
ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی رُخصت پر عمل کیا تو بعض صحابہؓ نے اس سے تنزہ کیا اور یہ سمجھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عزائم پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں، آپ تو کمال کو پہنچ چکے ہیں، مگر ہم کو عزیمت پر ہی عمل کرنا چاہیے، رُخصتوں سے اِحتیاط کرنی چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اِطلاع ہوئی تو آپ کو سخت ناگواری ہوئی، فرمایا: "ما بال أقوام يتنزهون ما أصنع وأنا أخشاكم لله وأتقاكم لله" (صحیح البخاری ۸:۳۱) "لوگوں کا کیا حال ہے کہ جو کام میں کرتا ہوں، وہ اس سے اِحتیاط کرتے ہیں، حالانکہ میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور سب سے بڑھ کر متقی ہوں۔"
..... وہ اعلیٰ درجہ جس میں تعمق و مبالغہ ہو، مامور بہ نہیں ہے، باقی جو مطلب حدیث کا یہ لوگ سمجھتے ہیں وہ نص کے خلاف ہے۔ حق تعالیٰ نے وسعت سے زیادہ کہیں امر نہیں کیا اور ہر موقع پر جہاں اس قسم کا شبہ واقع ہو، فوراً اِشکال رفع کیا۔" (ایضاً)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ جو ہمیشہ اکابر حضرات کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی ترغیب دیتے رہتے ہیں، وہ بھی نیت جیسے اہم نازک معاملے میں کس طرح گنجائش پیدا فرماتے ہیں، ایک معروف بڑے عالم نے جب اِضطراب اور پریشانی کی کیفیت میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تحریر کیا کہ "مدرسہ میں بھی پیٹ کی خاطر پڑھالیتا ہوں" تو حضرتِ اقدسؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا:-

تم نے لکھا کہ "صرف مدرسہ، وہ بھی پیٹ کی خاطر ہے" اسی لیے تو میں شدّت سے تنخواہ چھوڑنے کا مخالف ہوں کہ اگر بقول تمہارے پیٹ کی خاطر نہ ہوتی تو مدرسہ چھوڑ دیتے، پیٹ ہی کی خاطر سہی مگر

دِین کا کام تو ہو رہا ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ بخاری شریف کے سبق میں، میں ہمیشہ بار بار کہتا رہا کہ اس زمانے میں کسی اہلِ مدرسہ کو بغیر تنخواہ کے مدرّس نہیں رکھنا چاہیے، اس لیے کہ وہ زمانہ ختم ہوگیا جب دِین کا کام پیٹ سے اہم سمجھا جاتا تھا، ورنہ یہ بے تنخواہ مدرّس جتنا حرج کرتے ہیں اور طلبا کا نقصان کرتے ہیں اس کے لحاظ سے تو تنخواہ لینا بہت ہی اہم ہے۔

(مکتوباتِ شیخ ج:۲ ص:۸۱ طبع سعید اینڈ کمپنی کراچی)

شرعی پردے میں سہولت پیدا کرنے کے لئے حضرتِ اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کئی بھائیوں یا بہت سے رشتہ داروں کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہنے والوں کے لئے ارشاد فرماتے ہیں: ''شرعی پردے کے لیے الگ مکان لینے کی ضرورت نہیں، شریعت بہت آسان ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر بہت وسیع ہے، وہ بندوں کو تکلیف اور تنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے بلکہ راحت وسہولت میں رکھنا چاہتے ہیں۔''

چھ احتیاطی طریقے بتانے کے بعد فرماتے ہیں: ''ان احتیاطوں کے باوجود اگر کبھی اچانک کسی غیرمحرم کی نظر پڑ جائے تو معاف ہے بلکہ اس طرح بار بار بھی نظر پڑتی رہے، ہزار بار اچانک سامنا ہوجائے تو بھی سب معاف ہے، کوئی گناہ نہیں۔ اس سے پریشان نہ ہوں، جو کچھ اپنے اِختیار میں ہے، اس میں ہرگز غفلت نہ کریں اور جو اِختیار سے باہر ہے، اس کے لیے پریشان نہ ہوں، اس لیے کہ اس پر کوئی گرفت نہیں، ہزاروں بار بھی غیر اِختیاری طور پر ہوجائے تو بھی معاف، وہاں تو معافی ہی معافی ہے۔'' (شرعی پردہ)

پھلوں کی بیع کے جائز طریقے کے بارے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اِرشاد فرماتے ہیں:-

اب آم کی فصل آوے گی اور اکثر مسلمان پھل آنے سے پہلے ان کی

بیع کرتے ہیں، شرعاً یہ بیع حرام ہے اور پھل کا کھانا دُوسروں کو بھی حرام ہے۔ باغ والوں کی ذراسی کاہلی سے ساری دُنیا حرام کھاتی ہے ......مگر ایک آسان ترکیب بتلائی گئی تھی جس سے دُنیا حرام کھانے سے محفوظ ہو جاتی، مگر افسوس وہ بھی نہ ہوسکی۔ میں نے کہا تھا کہ جو لوگ پھل آنے سے پہلے بیع کر چکے ہوں، وہ پھل آنے کے بعد دوبارہ بیع کرلیا کریں۔ بائع خریدار سے یہ کہے کہ بھائی! ہم نے جو پہلے بیع کی تھی، وہ شرعاً دُرست نہ تھی، اب ہم اسی قیمت پر اس پھل کی بیع تمہارے ہاتھ دوبارہ کرتے ہیں۔ خریدار کہہ دے میں قبول کرتا ہوں۔ اب اس پھل کا کھانا سب کو حلال ہو جائے گا۔ بتلایئے اس میں کیا مشکل تھی؟ صرف زبان ہلتی تھی۔

(خطبات، اصلاحِ ظاہر ص:۲۷، طبع اشرفیہ ملتان)

۵- بینکنگ سسٹم کو اِسلام بنانے میں ''حیلہ'' کے استعمال سے یہ خدشہ اور ڈر ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس سے بڑے بڑے گناہ اور جرائم کرنے والوں کے لئے راستہ کھل جائے گا۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ جب حیلہ جائز اور حسن ہے اور اسے دوچار یا دس بیس نہیں بلکہ بیسیوں اہم اَحکامات کے سینکڑوں فقہی مسائل میں آج سے نہیں، صدیوں سے اِستعمال کیا جاتا رہا ہے (دِینی مدارس میں دِینی مقاصد کے حصول کے لئے بھی حیلہ اِختیار کیا جاتا ہے) تو آخر بینکنگ میں حرام سود کو ختم کرنے جیسے عظیم مقصد کے لیے اور اسے اسلام کے مطابق بنانے کے لیے ''حیلہ'' اور ''تاویل'' اِستعمال کرنے سے جرائم پیشہ افراد کے لیے گناہوں کا دروازہ کیونکر کھل جائے گا۔ حیلہ اور تاویل کی بات تو چھوڑیے، جس نے گناہ اور جرائم بلکہ گمراہی کا راستہ اِختیار کرنا طے کیا ہوا ہو وہ تو قرآن کی آیتوں سے بھی گمراہی حاصل کر لیتا ہے۔ ہر گمراہ شخص اپنے معتقدات کو قرآن وحدیث ہی سے ثابت کرتا ہے۔ جھوٹ جیسا بڑا گناہ صرف بڑا گناہ ہی نہیں، بہت بڑا گناہ جس نے کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہو، وہ کذب کی

نسبت کی دو تین باتوں سے صحیح صحیح مطلب لینے کے بجائے گمراہ کن مطلب بنالے گا، گانے بجانے والے اپنے غلط کام کے لیے گمراہ کن تاویلیں کرلیتے ہیں جن کا جواب دیگر اکابر علمائے کرام کے علاوہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' میں دیا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ تحریر فرماتے ہیں: ''متنبّی کاذب کی تلبیس، حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے سے متنبّی پنجاب (مرزا غلام قادیانی) نے غلط فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے ...... لیکن قرآنِ عزیز کی روشن شہادت قادیانی کے اس حیلے کو مردود قرار دیتی ہے۔'' (تفصیل کے لئے دیکھئے قصص القرآن دوم، ص:۵۳۳) لہٰذا غلط فائدہ اُٹھانے والوں اور گمراہ کن تاویلیں کرنے والوں کا تدارک یہ نہیں ہے کہ جس جائز اور صحیح بات کا اچھے مقصد کے حصول کے لیے ذکر کرنا ہے، اُسے گمراہ کن مطلب لیے جانے کے خوف سے چھوڑ دیا جائے، بلکہ جو صحیح بات سے گمراہ کن مطلب لے رہا ہے اس کی غلطی اور گمراہی کی نشاندہی کرکے صحیح بات بتائی اور واضح کی جائے۔ شروع سے آج تک محقق علماء ومفسرین (اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے) اسی اُصول کے تحت مستشرقین وملحدین کی تلبیسات اور معاندانہ شکوک وشبہات کے جوابات دیے چلے آرہے ہیں۔ بینکنگ میں جائز صورت اِختیار کرنے کے لیے حیلہ اور تاویل کے اِستعمال پر عقلی شبہات کا بھی اظہار کیا جاتا ہے کہ یہ بالکل وہی بات ہوجاتی ہے۔ تو عرض یہ ہے کہ حیلے میں تو عام طور پر ایسی ہی صورت پیدا ہوتی ہے۔ دیگر معاملات میں بھی عام طور پر عقلی لحاظ سے حیرانگی کا اظہار ہی کیا جاتا ہے کہ نتیجے کے لحاظ سے تو بالکل وہی صورت نظر آتی ہے۔ پھر ایک دُوسرے بات اچھے مقصد اور اچھی نیت کی، کی جاتی ہے تو یہاں بھی تو اچھا مقصد اور اچھی نیت ہی ہے کہ بینکنگ سے سود کا خاتم کیا جائے اور متبادل جائز بنا کر رائج کرنے کی کوشش کی جائے۔

۶- اسلامی بینکاری کے بارے میں مولانا محمد عیسیٰ منصوری صاحب نے اِعتدال پر مبنی اچھا تجزیہ پیش کیا ہے، امریکا کے موجودہ اِقتصادی اور بینکنگ بحران کے بارے میں اپنے مضمون بعنوان ''سرمایہ دارانہ نظام کے پیدا کردہ بحران، اسباب اور حل'' میں اسلامی

بینک کی طرف مختصر اشارہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:-

> یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے غیر سودی یا اسلامی بینک اس بحران سے پوری طرح محفوظ ہیں، اگر چہ میرے نزدیک موجودہ اسلامی بینک سو فیصد اسلامی نہیں، البتہ اسلام کے مبارک اِقتصادی نظام کی طرف ایک کوشش ضرور کہی جاسکتی ہے۔ اس عالمگیریت کے دور میں جب دُنیا سکڑ کر ایک گاؤں بن گئی ہے، عالمی اِقتصادی نظام پر مغربی سرمایہ داروں کا غلبہ وتسلط قائم ہے، اس منحوس نظام سے پوری طرح آزاد ہوکر مکمل طور پر اِسلامی معاشی نظام اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک پوری اسلامی دُنیا ہمت کر کے ایک ساتھ اس مبارک غیر سودی نظام کو اپنانے کا فیصلہ نہ کرے۔
>
> (ماہنامہ ''الشریعہ'' فروری ۲۰۰۹ء)

اسلامی بینکاری کے مجوّزین میں سے مقتدر اہلِ علم خود بھی سو فیصد مطمئن نہیں ہیں۔ وہ بھی اسے اسلام کے مبارک اِقتصادی نظام کی طرف ایک اچھی کوشش ہی سمجھتے ہیں اور اس میں جو بعض خامیاں پائی جاتی ہیں اُن کا ذِکر اپنوں میں کرتے بھی رہتے ہیں لیکن اپنوں میں خامیوں کا ذِکر تو فکرمندی اور خود اِحتسابی کے جذبے کے تحت کیا جاتا ہے تاکہ اس عظیم کام کو سرانجام دینے کے لئے سب مل کر اپنی علمی توانائیاں خامیوں کو دُور کرنے میں صَرف کریں۔ ہر دِینی کام کے اکابر اور قائدین اپنوں میں بیٹھ کر کارکردگی کا جائزہ لیتے رہتے ہیں، خامیوں کی نشاندہی کرتے رہتے ہیں اور پھر ان خامیوں کو دُور کرنے کی تدبیریں سوچتے اور اختیار کرتے رہتے ہیں۔ اپنوں میں بیٹھ کر خامیوں کا ذِکر اس لیے نہیں کیا جاتا کہ ان کی وجہ سے اصل دِینی کام اور اصل دِینی مقصد جس کو پورا کرنے کا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلیا گیا ہے، بے کار قرار دے کر اُسے ترک کر دیا جائے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اہم دِینی کام میں کوتاہیوں پر اِرشاد فرماتے ہیں: ''کونسا مدرسہ،

کونسا مرکز، کونسی خانقاہ اس زمانے میں، بلکہ کونسا آدمی ایسا ہے جس میں کوتاہیاں اور تقصیرات نہ ہوں، تقصیرات کی صحیح اصلاح کی کوشش ضرور کرتے رہیں۔'' (مکتوباتِ شیخ ج:۲ ص:۷۶ طبع سعید اینڈ کمپنی کراچی) اسلامی بینکاری شروع کرنے کا مقصد بینکنگ سے سود کا خاتمہ ہے، اس کوشش کی ناکامی کی صورت میں اسلام دُشمن قوتوں کے الزامات میں شاید ایک اور بڑے اِلزام کا اِضافہ کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ جدید اِقتصادی نظام میں اسلامی طریقوں کو رائج کرنا ناممکن ہے جبکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اِرشاد کے مطابق یہ ممکن بلکہ بہت آسان ہے۔

۷- دِینی اور اسلامی جذبات رکھنے والے لوگوں کو اسلامی بینکنگ کے حوالے سے سب سے زیادہ جو بات پریشان کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے سرمایہ دار کو ہی اصل فائدہ ہوتا ہے اور اس سے سرمایہ داری کو ہی فروغ مل رہا ہے اور اس سے غربا کے مسائل حل نہیں ہوتے۔ اس بارے میں عرض ہے کہ سرمایے کے ارتکاز کو روکنے اور غربا کے مسائل حل کرنے کے لیے مکمل اِقتصادی نظام کی ضرورت ہے اور پھر اس نظام کی کامیابی کے لئے بہت سی حکومتی اور معاشرتی باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ مثلاً ایک اہم بات یہ ہے کہ سرمایہ دار اپنے سرمایے کے پورے حساب کتاب کے ساتھ باقاعدگی سے زکوۃ ادا کرتے ہوں، لیکن عام طور پر بڑے سرمایہ دار اور چھوٹے مال دار ایسا نہیں کرتے۔ پھر اسلامی بینکنگ سے وابستہ تمام لوگوں سے شریعت کی مکمل پابندی کی بہت زیادہ توقعات وابستہ کرلی گئی ہیں۔ کاش کہ وہ ان توقعات پر پورا اُتریں، لیکن عام معاشرتی زندگی میں دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں سے بمشکل چار پانچ فیصد لوگ نماز روزے کے پابند ہونے کی وجہ سے دِین دار سمجھے جاتے ہیں، پھر ان چار پانچ فیصد میں سے بمشکل ایک فیصد بھی نہیں بنتے جو لین دین میں، کاروباری معاملات میں، وراثت کی تقسیم میں، اور اپنی آمدنی و اِخراجات (زکوۃ کی باقاعدگی سے ادائیگی) میں شریعت کی مکمل پابندی کرتے ہوں۔ ایسی صورت میں صرف اسلامی بینکنگ سے وابستہ تمام لوگوں سے توقعات پر پورا اُترنے کی اُمید رکھنا صورتِ حال

کا حقیقی تجزیہ معلوم نہیں ہوتا۔ ان کو شریعت کی مکمل پابندی پر تیار کرنے کی کوشش کرنا ضروری ہے اور ایسی کوشش کرتے رہنا چاہیے، لیکن کسی کو پابند کرنا آسان نہیں ہوتا، خالص دِینی معاملات میں دِینی منصب پر فائز حضرات کو بھی پابند کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جامعہ حفصہ اور لال مسجد کے علماء کا جذبہ اور مطالبہ صحیح اور قابلِ قدر ہونے کے باوجود طریقِ کار سے وقت کے اکابر علمائے کرام نے اختلاف کرتے ہوئے بڑے نقصان کے خدشے کا اظہار کیا، لیکن اکابر علماء کو اپنے زیرِ اثر علماء کو پابند کرنے میں کتنی مشکل پیش آئی، وفاق المدارس کے اعلامیہ میں کہا گیا:-

> البتہ اس سلسلے میں جامعہ حفصہ اسلام آباد کے منتظمین نے جو طریقِ کار اختیار کیا ہے، اسے یہ اِجلاس دُرست نہیں سمجھتا، اور اس کے لیے نہ صرف وفاق المدارس العربیہ کی اعلیٰ قیادت خود اسلام آباد جا کر متعلقہ حضرات سے متعدّد بار بات کر چکی ہے بلکہ وفاق کے فیصلے اور موقف سے انحراف کے باعث جامعہ حفصہ کا وفاق کے ساتھ الحاق بھی ختم کیا جا چکا ہے۔ یہ اجلاس وفاق المدارس العربیہ کی اعلیٰ قیادت کے موقف اور فیصلے سے جامعہ حفصہ اسلام آباد اور لال مسجد کے منتظمین کے اس اِنحراف کو افسوس ناک قرار دیتا ہے اور ان سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس پر نظرِ ثانی کرتے ہوئے ملک کی اعلیٰ ترین علمی و دِینی قیادت کی سرپرستی میں واپس آ جائیں۔
>
> (''بینات'' جون ۲۰۰۷ء)

اللہ تعالیٰ شہید ہونے والے منتظمین اور طلبہ و طالبات کی مغفرت فرمائے، ان کے اِخلاص کی وجہ سے ان کی قربانی قبول فرمائے اور کوتاہیوں کو معاف فرما کر درجات بلند فرمائے۔ یہ بات صرف اس لیے ذِکر کی گئی ہے کہ کسی کو پابند کرنا آسان نہیں ہوتا۔

٨- اسلامی بینکنگ سے بہتر اور مثبت نتائج برآمد نہ ہونے کے سلسلے میں دُوسری

بات یہ ہے کہ ایک ہے کسی قانون اور قانونی نظام کو اسلام بنانا، اور ایک ہے اس سے نتائج و اثرات کا حاصل ہونا۔ قانون اور قانونی نظام سے مطلوبہ نتائج واثرات کے حصول میں بہت سے اُمور متعلق ہوتے ہیں (یہ ایک تفصیلی بحث ہے) ان اُمور میں سے ایک اہم ترین امر، قانونی نظام چلانے والوں میں صرف دو چار کا نہیں، ایک اچھی تعداد کا اُسے کامیاب کرنے میں مخلص ہونا ہے، اس بات کی وضاحت مختصر طریقے سے اس طرح کی جاسکتی ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے آئین وقانون کو اسلامی بنانا ضروری قرار دیا گیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۹ء میں قراردادِ مقاصد (سیکولر آئین کا متبادل) پیش کر کے منظور کرائی۔ اس پر بہت خوشی منائی گئی کہ ایک بہت بڑا کام ہو گیا، لیکن نتیجہ کچھ بھی ظاہر نہ ہوا۔ ۱۹۵۶ء کے آئین میں اسلامی دفعات پر اطمینان کا اظہار کیا گیا، لیکن کوئی فائدہ نظر نہ آیا۔ ۱۹۷۳ء کا دستور بنا (جس کو اسلامی بنانے کے لئے مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور دیگر دینی قائدین نے دن رات کام کر کے مسودات تیار کیے اور بھرپور کوشش فرمائی) تمام مذہبی و دینی جماعتیں اور ان کے قائدین نے اس آئین کو مکمل اسلامی قرار دیا، لیکن اسلامی نظام کی برکتیں معمولی سطح پر بھی نہ دیکھی جاسکیں۔ اعلیٰ عدالتوں اور پارلیمنٹ میں بحث کے دوران اور بعض فیصلوں میں کہا گیا کہ قراردادِ مقاصد آئین کا باقاعدہ حصہ نہیں، اس لیے قابلِ نفاذ نہیں۔ چنانچہ ۱۹۸۵ء میں آٹھویں ترمیم کے ذریعے اسے آئین کا باقاعدہ حصہ بنا دیا گیا۔ اسی میں ایک اہم بات شامل کی گئی کہ اسمبلی کا ممبر بننے کے لیے نیک، ایماندار اور باکردار ہونا ضروری ہے۔ ۱۹۷۹ء میں پانچ قوانین حدود بھی نافذ ہوئے، زکوٰۃ وعشر کے نفاذ کا حکم جاری ہوا، پانچ سال کی طویل جدوجہد کے بعد ۱۹۹۰ء میں شریعت بل (نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۰) منظور کرایا گیا (یہ سب کچھ انگریزی قوانین کو ختم کر کے متبادل کے طور پر اسلامی قوانین بنانے کی کوششیں ہی تو ہیں) لیکن ان سب اقدامات کے باوجود اسلامی آئین و قانون کے نفاذ کے معمولی سے بھی ثمرات و برکات نہ دیکھے جاسکے۔ اس بات کے لئے بہت کچھ تحریر کیا جاسکتا ہے، لیکن یہاں صرف حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا مختصر مگر جامع

تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔ حضرتِ والا ''اسلامی نظام کی برکات'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:-

مسلمانوں نے نہایت خلوص و اخلاص سے پاکستان میں نفاذِ اسلام کی متعدّد بار کوششیں کیں، مگر بے سود ...... قراردادِ مقاصد کو دستورِ پاکستان کا حصہ بنانے کے لئے دباؤ ڈالا گیا، اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی گئی، علماء نے اس میں بھرپور جدوجہد کی اور حکمرانوں کی راہنمائی، آئین میں اسلام سے متصادم دفعات کو اسلامی بنانے کی مخلصانہ مساعی کی گئیں ...... مرحوم ضیاء الحق نے اسلامی شوریٰ قائم کی، علماء سے تعاون مانگا، علماء نے محض جذبہ اخلاص سے اس میں بھی تعاون کیا مگر ''زمین جنبد نہ جنبد گل محمدؐ'' کے مصداق آج تک پرانلہ وہیں کا وہیں رہا...... ناخدایانِ قوم اگر اپنے دعوے میں مخلص اور سچے ہوتے تو اسلامی نظام کے نفاذ میں ان کی مدد و نصرت فرماتے۔ (ماہنامہ ''بینات'' ستمبر ۱۹۹۸ء)

ظاہر ہے کہ اس طویل جدوجہد اور بھرپور کوششوں کے باوجود مثبت اور بہتر نتائج نہ نکلنے کا یہ مطلب کوئی بھی اخذ نہیں کرتا کہ اس جدوجہد ہی کو ترک کردیا جائے، بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ اب تک کی گئی کوششوں کا جائزہ لیا جاتا رہے، کمی اور خامی کو دُور کیا جائے اور مزید بہتری کے لئے اقدامات کیے جائیں۔ اسی اُصول کا اطلاق مروّجہ اسلامی بینکاری پر بھی کیا جانا چاہئے۔

۹- کہا جاتا ہے کہ اسلامی بینکاری رائج کرنے کے لئے حیلوں کو صرف عبوری دور اور مخصوص حالات کے لئے جائز کہہ کر قبول کیا گیا تھا، لیکن اب اس عبوری دور کو مستقل بنادیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ مخصوص حالات تو اَب بھی وہی ہیں۔ اسلام دُشمن عالمی اِقتصادی نظام کا غلبہ وتسلط قائم ہے۔ جب حق تعالیٰ اپنی قدرت اور مہربان سے بہتر اور موزوں حالات پیدا فرمادیں گے تو عبوری دور بھی ختم ہوجائے گا۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ

مروّجہ اسلامی بینکاری کو بالکل ختم کر دیا جائے اور پہلے سے جاری مکمل سودی بینکاری نظام کو مستقل طور پر جاری رہنے دیا جائے اور گویا اسے قبول کر لیا جائے (اس لیے کہ اسباب کی دُنیا میں مستقل قریب میں اس کے ختم ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے)۔

۱- دورِ جدید میں پیش آنے والے مشکل اور پیچیدہ مسائل کو اسلامی بنانے کے سلسلے میں ایک عام اُصول کا ذِکر کیا جاتا ہے، مشکل اور دقیق مسائل و معاملات کو سمجھنے اور ان کا شریعت کی رُوح کے مطابق اسلامی و شرعی حل بتانے لیے صرف عام علمی قابلیت کی نہیں، بلکہ خاص اِجتہادی صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے، اور یہ خاص اِجتہادی صلاحیت ہر دور میں تمام مفتیانِ کرام کو نہیں، صرف گنتی کے چند ممتاز اَفراد کو حاصل ہوتی ہے۔ (دُنیاوی علوم کی مہارت کا بھی یہی اُصول نظر آتا ہے۔ مثلاً آئینی اُمور کے ماہر سارے وکلا نہیں بلکہ گنتی کے چند صاحبان سمجھے جاتے ہیں۔ سپریم کورٹ میں جب بھی اہم آئینی مقدمات کی سماعت ہوئی، آئینی تشریحات کے لئے چند سینئر ترین آئینی ماہرین ہی پیش ہوتے رہے، حالانکہ آئین ایک چھوٹی سی کتاب ہے) یہ صلاحیت بہت کم حضرات میں قدرتی اور وہبی طور پر پائی جاتی ہے۔ اس اہم بات کی وضاحت کے لیے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ایک مختصر مگر پُر مغز تصنیف سے چند اِقتباسات نقل کیے جاتے ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:-

> فقہاء صحابہ میں فرقِ مراتب تھا کہ بعض کے ذہن کی رسائی بہت گہری تھی اور بعض کی اس سے کم ..... نصوص میں فہم متفاوت ہوتے ہیں۔ کوئی ظاہر نص تک رہ جاتا ہے، کوئی بطنِ نص تک پہنچ جاتا ہے.......
>
> اسی طرح اَحکام کے سلسلے میں بھی نہ ہر فہیم و ذہین مجتہد ہوسکتا ہے، نہ ہر دور میں مجتہد پیدا ہوتے ہیں بلکہ حکمتِ ربانی جب دِین کے کسی مخفی گوشے کو نمایاں کرنا چاہتی ہے تو خاص خاص ذہنیت کے افراد پیدا کر کے ان کے قلوب میں ذوق پیدا فرما دیتی ہے اور وہ اپنے خاص

وہبی ذوق سے تدین کے ان پہلوؤں کو واضح اور صاف کر کے اور گویا بال کی کھال اُتار کر اُمت کے سامنے پیش کر دیتے ہیں جن کے اظہار کی ضرورت ہوتی تھی ...... یہ فہم کوئی اِکتسابی چیز یا فن نہیں ہے کہ محنت سے حاصل کر لیا جائے بلکہ وہ ملکہ ایک عطائے اِلٰہی ہے جو خاص خاص افرادِ اُمت کو عطا ہوتا ہے، بعینہٖ اسی طرح جیسے رسالت و نبوت کوئی فن نہیں کہ جس کا جی چاہے محنت کر کے نبی بن جائے...... بہر حال اتنا واضح ہو گیا کہ اُمت کے لیے ایک درجہ علم خفی کا بھی پیغمبر نے وراثت میں چھوڑا ہے جو کلیات سے اِستخراجِ مسائل اور جزئیات سے اِستخراج دلائل کا ہے اور اس کے لئے افراد مخصوص ہیں۔ نیز وہ ایسے مواقع کے لیے ہے کہ یا نص ہی موجود نہ ہو، یا ہو مگر وجوہِ مختلفہ کو محتمل ہو یا متعین المحل ہو مگر یہ محل دقیق اور غامض ہو یا محل بھی واضح ہو مگر اس کی علت مستور ہو جس کا اِدراک ہر ذی فہم نہ کر سکتا ہو، تو ایسے مواقع پر بجز اِجتہاد و اِستنباط کے چارۂ کار نہیں۔

(اجتہاد و تقلید ص: ۳۸ تا ۴۷)

اختلاف کا اُصولی حل

محقق اور معتبر علمائے کرام کے درمیان کسی مسئلے کی تحقیق کے سلسلے میں جب اِختلاف ہو جائے تو اکابر حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ کے اِرشادات میں مکمل راہنمائی موجود ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ اِرشاد فرماتے ہیں:-

مسئلہ یہ ہے کہ اگر جنگل میں چار آدمی ہوں اور نماز کا وقت آ جاوے اور قبلہ معلوم نہ ہو سکے تو ایسی حالت میں جہت تحری قبلہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خوب سوچ لینا چاہیے، جس طرح قبلہ ہونے کا ظن

غالب ہو، اسی طرف نماز پڑھ لینی چاہیے۔ اب فرض کیجئے کہ ان چاروں آدمیوں میں اختلاف ہوا، ایک کی رائے پورب کی طرف، ایک کی پچھم کی جانب، ایک کی دکھن، ایک کی اُتر کی طرف قبلہ ہونے کی ہوئی تو اب مسئلہ فقہ کا یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی رائے پر عمل کرنا چاہیے اور جس سمت کو اس کی رائے میں ترجیح ہو وہ اسی طرف نماز پڑھے۔ اگر دُوسرے کی رائے کے موافق پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی، خواہ وہ سمت واقع میں صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ اب یہ بات صریحاً ظاہر ہے کہ سمت صحیح کی طرف ان چاروں میں سے ایک ہی کی نماز ہوئی ہوگی، لیکن عنداللہ سب ماجور ہیں...... ان دونوں نظیروں سے ثابت ہوگیا کہ اختلاف کی حالت میں جس کا بھی اِتباع کیا جائے گا، حق تعالیٰ کے نزدیک وہ مقبول ہے، حتیٰ کہ اگر خطا پر بھی ہے تب بھی کوئی بازپُرس نہیں بلکہ اجر ملے گا، تو ثابت ہوگیا کہ دِین کے راستے میں کوئی ناکام نہیں، بلکہ اگر وہ مقلد ہے تو اس کو معذور سمجھا جائے گا، اور اگر مجتہد ہے تو اس پر بھی ملامت نہیں بلکہ ایک اجر اس خطا کی صورت میں بھی ملے گا...... علمائے حقانی کے اِختلاف کے بارے میں پہلے اس کی تحقیق کرلو کہ دونوں علماء حقانی ہیں یا نہیں، جب تحقیق ہوجاوے کہ دونوں حقانی ہیں تو اَب دونوں کی اِتباع میں گنجائش ہے، جس کی بھی موافقت کرلی جائے گی، تعمیلِ حکم ہوجائے گی اور وہ موجبِ رضائے خدا ہوگی۔

(خطبات، اصلاحِ اعمال ص:۱۳۶ طبع اشرفیہ ملتان)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوّراللہ مرقدہٗ اِرشاد فرماتے ہیں:-

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا مقولہ گزر چکا کہ ''صحابہ کرامؓ کے کسی مسئلے

میں اتفاق سے مجھے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی اختلاف سے'' کیونکہ اختلاف کی وجہ سے گنجائش رہتی ہے۔ یہ اختلاف بڑی مبارک چیز ہے، البتہ مخالفت بُری چیز ہے۔ میرے والد صاحب کو حضرت گنگوہیؒ اور حضرت سہارنپوریؒ سے جو تعلق تھا، وہ سب کو معلوم ہے، مگر بعض مسائل میں ان حضرات سے اِختلاف بھی تھا۔ میرے حضرت سہارنپوریؒ بعض لوگوں سے خود فرما دیتے تھے کہ فلاں چیز میرے نزدیک جائز نہیں، لیکن مولوی یحیٰی صاحب کے نزدیک جائز ہے، تیرا دِل چاہے، اُوپر جا کر ان سے پوچھ لو اور اس کے موافق عمل کرو۔ خود میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت کے اُخیر زمانے میں شعبان کے گڑبڑ سے یہ بحث شروع ہوئی کہ آج مطلع صاف ہے، تیس روز پورے ہو جانے کے بعد اگر شام کو رُویت نہ ہوئی تو کل روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں؟ حضرت کا اِرشاد مبارک تھا کہ شعبان کے چاند میں جس شہادت پر مدار تھا بعض وجوہ سے وہ شرعی حجت نہ تھی، اس لیے روزہ ہے، اور میرا ناقص خیال تھا کہ وہ حجتِ شرعی سے صحیح ہے اس لیے کل روزہ نہیں ہے۔ دن بھر بحث رہی، شام کو چاند نظر نہ آیا، حضرت نے طے فرما دیا کہ میں روزہ رکھوں گا۔ میں نے عرض کیا: میرے لیے کیا اِرشاد ہے؟ فرمایا کہ: میرے اِتباع کی ضرورت نہیں، سمجھ میں آ گیا ہو تو روزہ رکھو ورنہ نہیں۔ بالآخر حضرت کا روزہ تھا اور میرا اِفطار۔ حضرت کے خدام میں متعدّد ایسے تھے جنھوں نے اِفطار کیا اور متعدّد نے روزہ رکھا۔ حضرت نے ان سے دریافت بھی نہ فرمایا کہ تم نے اِفطار کیوں کیا؟

(تیس مجالس ص: ۱۸۰، طبع عمران اکیڈمی اُردو بازار لاہور)

حضرتِ اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علماء ومفتیانِ کرام کے لیے تحریر فرماتے ہیں:-

اِختلافِ نظر کا وقوع شرعاً وعقلاً لازم ہے اور حدودِ شرعیہ کے اندر محمود ہے۔ اس بارے میں میرا ایک مستقل رسالہ ہے ''کشف الخفاء عن حقیقت اختلاف العلماء'' اس حقیقت کو ذہن نشین کر کے حدودِ شرعیہ کے اندر اِختلافِ نظر کے تحمل کی عادت ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے: ''وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون'' (۱۶-۴۴) اس میں اس حقیقت کی وضاحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبیین وتشریح کے بعد بھی کئی اَحکام میں تفکر کی ضرورت پیش آئے گی اس میں تفکر کی دعوت ہے اور تفکر میں تو لازماً اِختلاف ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ایسے قصے پیش آئے کہ صحابہ کرامؓ کا آپس میں کئی مسئلے پر اِختلاف ہو تو ہر ایک نے اپنی رائے پر عمل کیا...... حضراتِ فقہاء رحمھم اللہ تعالیٰ مختلف تحقیقات نقل فرمانے کے بعد اپنی رائے پیش کر دیتے ہیں، دُوسروں پر زیادہ جرح اور رَدّ وقدح نہیں کرتے۔ علامہ ابنِ عابدینؒ ''شرح عقود رسم المفتی'' میں بار بار ''لٰکن لٰکن لٰکن'' کے تحت اقوالِ مختلفہ نقل کرتے چلے جاتے ہیں کہ آخری فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان حضرات میں سے کسی کا یہ اِصرار نہیں ہوتا کہ جو میں کہہ رہا ہوں لازماً وہی قبول کیا جائے...... حضرت اِمامؒ کا یہ طریقہ تھا کہ اپنے تلامذہ کے ساتھ کسی مسئلے پر غور فرماتے، بعض مسائل پر کئی کئی دن اِجتماعی غور وفکر کے باوجود بھی اِتفاق نہ ہوتا تو فرماتے کہ سب دو دو رکعت نفل پڑھیں، نفل پڑھ کر پھر مسئلے پر غور فرماتے، اگر

پھر بھی اِتفاق نہ ہوتا تو فرماتے کہ ہر ایک اپنی تحقیق کے مطابق عمل کرے، اُستاذ اپنے تلامذہ سے فرما رہے ہیں کہ تحقیق کے بعد اپنی اپنی رائے پر عمل کریں، اختلافِ نظر کا تحمل کریں تحمل کی عادت ڈالیں ....ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ گلے سے پکڑے ہی رہے چھوڑے ہی نہیں، تحقیقات ہوگئیں، غور و فکر ہوگیا، بحث ہوگئی اب اگر اِتفاق ہوتا ہے تو ٹھیک اور نہیں ہوتا تو کچھ حرج نہیں ......حضرت گنگوہیؒ کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا اُسے مسئلہ بتا کر یہ بھی فرما دیتے کہ فلاں کی رائے اس مسئلے میں میری رائے کے خلاف ہے، چاہو تو ان کی رائے پر عمل کرلو ......عوام کے سامنے دُوسرے علماء پر جرح نہ کریں، علماء کے اِختلاف کو عوام میں شائع کرنا جائز نہیں۔ (جواہرالرشید ۶:۲۹-۳۳)

آخر میں ایک اِلتجا اور درخواست ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ دِل میں ہے کہ اس تحریر میں اکابر علمائے کرام کے اِرشادات سمجھ کر بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کی حیثیت بالکل اسکول کے طالب علم کی اُس تحریر کی ہے جو ایک مضمون لکھ کر اپنے خیرخواہ مربی اُستاد کے سامنے اِصلاح کی غرض سے پیش کردیتا ہے اور مربی اُستاد طالب علم کو اِصلاح کے مشوروں سے نواز دیتا ہے، یہاں بھی خیرخواہ اکابر کے مشورے کی اُمید ہے۔

***

مولانا زرعایت اللہ فاروقی

اسلامی بینکاری اور صراطِ مستقیم

تین ہفتے قبل جب ''اسلامک بینکنگ'' کے پس منظر میں پیدا ہونے والی اختلافی صورتِ حال پر رپورٹ تیار کرنے کے لیے مجھے اسلام آباد سے طلب کیا گیا تو میرے دِل و دِماغ تفکرات کی آماج گاہ بن گئے تھے کیونکہ پیدا شدہ صورتِ حال کی وجہ دو فقہی موقف تھے، ایک موقف کے سرخیل شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم ہیں، جبکہ دُوسرے موقف کی قیادت شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہٗ کررہے ہیں، جنھیں میں اس دور کا ابنِ حجر عسقلانی سمجھتا ہوں۔ دونوں ہی شخصیات حد درجہ قابلِ احترام ہیں اور میری معمولی سی غلطی، دِینی و اخلاقی لحاظ سے میرے لیے ہی خسارے کا سودا ثابت ہوتی، چنانچہ کام کے دوران، میں نے خود کو بار بار کہنا شروع کردیا: ''احتیاط! بہت احتیاط!'' میں نے تین ہفتے اس صورتِ حال کو سمجھنے پر صَرف کیے، اس دوران بلامبالغہ میں سینکڑوں علماء سے ملا، چھ ہزار صفحات سے زائد مواد میری نظر سے گزرا اور میں کراچی اور اس کے اطراف اس قدر پھرا کہ میرے گھٹنے کی قدیم انجری ایک بار پھر کسی سوئے ہوئے آتش فشاں کی طرح بیدار ہوگئی۔ میری ترجیحات میں شامل تھا کہ دونوں اکابر سے ملاقات اور انٹرویو بھی ہو، مگر حضرت مولانا سلیم اللہ خان ناسازیٔ طبع سے گزر رہے تھے اور مولانا تقی عثمانی بلادِ حجاز سے، چنانچہ دونوں بزرگوں سے ملاقات نہ ہو پائی۔ تجویز یہ تھی کہ چھ یا سات قسطوں پر محیط ایک ایسی مفصل رپورٹ لکھی جائے جس کے ذریعے قارئینِ ''اُمت'' تک پوری صورتِ حال پہنچ پائے، مگر اسے میری کاریگری کہہ لیجئے کہ دو بزرگوں

کے موقف پر طویل قلم کاری سے دامن بچانے کی غرض سے میں نے ایک نسبتاً مشکل راہ چن لی، جو دونوں اکابر کے دستیاب موقف کو پوائنٹ ٹو پوائنٹ مرتب کر کے آپ کے سامنے رکھ دی ہے، اور ساتھ ہی دارالعلوم کراچی کے جید علمائے کرام کے وہ لیکچر بھی پیش کر دیئے ہیں، جو اسلامک بینکاری کا مفصل خاکہ ہیں۔

اس تھکا دینے والے کام سے خود کو فارغ بھی نہ سمجھ پایا تھا کہ سوال ہوا: ''آپ کی رپورٹ کہاں ہے؟'' گویا کاریگری دھری کی دھری رہ گئی، البتہ یہ رعایت ضرور مل گئی کہ رپورٹ سے ''مفصل'' کی شرط ختم کر دی گئی، چونکہ یہ صورتِ حال خالصتاً علمی اور دینی ہے، اس لیے یہ بددیانتی ہوگی کہ میں اپنے اخذ کردہ نتائج کو چھپاؤں یا کوئی بھی منافقانہ راہِ اختیار کروں۔ یہ صراحت اور وضاحت اِبتدا میں ہی لازم سمجھتا ہوں کہ نہ کسی اسلامی بینک کا ایڈوائزر رہوں، نہ کسی اسلامی بینک میں میرا کوئی اکاؤنٹ ہے، اور نہ ہی کسی اسلامی بینک سے میرا کسی بھی کسی قسم کا مالی مفاد وابستہ ہے۔ یہ وضاحت بھی غیر ضروری نہ ہوگی کہ میں مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کا شاگرد ہوں اور نہ ہی مرید، ہاں! اگر ایسا ہوتا تو یقیناً میرے لیے باعثِ سعادت ہی ہوتا اور میرے لیے یہ اسی طرح سرمایۂ افتخار ہوتا، جس طرح میرے دونوں شیوخ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور حضرت مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ سے میری نسبتِ رُوحانی ہے۔

گزشتہ برس میں کراچی میں ہی تھا جب خبر ملی کہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے کچھ علماء کی موجودگی میں مولانا تقی عثمانی صاحب کو جامعہ فاروقیہ کراچی میں ایک خط پڑھ کر سنایا، جو مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی جانب سے مولانا تقی عثمانی صاحب ہی کے نام تھا، خط سنا کر ان کے حوالے کر دیا گیا اور ان کا موقف سنے بغیر مجلس برخواست کر دی گئی۔ یہ واقعہ جس نے بھی سنا حیران ہی نہ ہوا، بلکہ دنگ رہ گیا۔ کراچی کے علماء کی مجالس میں آج بھی یہ تلخ واقعہ زیرِ بحث ہے اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے ساتھ کیے گئے برتاؤ کو کچھ حضرات توہین آمیز تو کچھ ''نامناسب'' قرار دیتے ہیں۔ یہ خط پبلک

ہو چکا ہے اور اس کا لب ولہجہ اپنے اندر کئی سوالات رکھتا ہے، مگر دو باتیں نہایت اہم ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس خط میں محض سنی سنائی بات کی بنیاد پر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو ''اپنے منہ میاں مٹھو'' قرار دیا گیا ہے، وقت کے شیخ الاسلام کے لیے ان الفاظ کے استعمال نے ہم جیسے عقیدت مندوں پر کوئی خوش گوار اثرات مرتب نہیں کیے۔ دُوسری بات یہ کہ اس خط کا اختتام قرآن مجید کی سورۃ ''ق'' کی اس آیت پر کیا گیا ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ. (ق:۳۷)

ترجمہ:- اس میں سوچنے کی جگہ ہے، اس کو جس کے اندر دِل ہے یا لگائے کان دِل لگا کر۔ (تفسیر عثمانی ص:۶۹۰)

مکتوب کے سیاق وسباق پر بار بار کے غور سے بھی یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اس آیت کو مصنوعی لحاظ سے اس مکتوب کے لیے استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ مفسرین نے اس سے قرآن مجید مراد لیا ہے۔ یہ میری حیثیت نہیں کہ اس ضمن میں ازخود کچھ نگارش کرسکوں۔ زیادہ مناسب اور بلیغ یہ ہوگا کہ اپنے شیخ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے اس مضمون کا اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کروں جو انہوں نے اپنے شیخ کی یاد میں لکھا اور ماہنامہ ''بینات'' میں ''میرے شیخ بنوریؒ کی حسین یادیں'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ حضرتؒ لکھتے ہیں:-

بینات کے ''بصائر وعبر'' حضرتؒ تحریر فرماتے تھے اور یہ ناکارہ اسے صاف کر کے کتابت کے لیے دیے جاتا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ''بصائر وعبر'' میری روانگی کے بعد تحریر فرمائے جاتے۔ ایک دفعہ ایسا ہی اتفاق ہوا، جب پرچہ چھپ کر میرے سامنے آیا تو ''بصائر و عبر'' کے نیچے یہ آیت کریمہ درج تھی:-

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ

میں اس آیت کو پڑھ کر بڑا تلملایا، لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ اگلے مہینے کے ''بصائر وعبر'' میری موجودگی میں تحریر فرمائے، ان پر بھی یہ آیتِ کریمہ درج تھی، میں نے آیت حذف کردی، پرچہ چھپ کر سامنے آیا تو آیت کا حذف کرنا حضرتؒ کو ناگوار گزرا، چنانچہ اس سے اگلے مہینے جب حضرتؒ نے ''بصائر وعبر'' تحریر کر کے بھیجے تو یہ آیتِ کریمہ پھر تحریر فرمائی اور صاحب زادہ گرامی کے ہاتھ یہ پیغام بھی بھیجا کہ یہ آیت حذف نہ کی جائے۔ حضرتؒ نمازِ عصر سے فارغ ہوکر ابھی اپنی جگہ تشریف فرما تھے کہ یہ ناکارہ حاضرِ خدمت ہوا (اس ناکارہ کا ہمیشہ کا معمول تھا کہ جب حضرتؒ مدرسے میں تشریف فرما ہوتے تو عصر کے فوراً بعد حضرتؒ کے اُٹھنے سے پہلے ان کی خدمت میں پہنچ جاتا) اور عرض کیا کہ: صاحب زادے کے ہاتھ یہ پیغام موصول ہوا تھا کہ آیت حذف نہ کی جائے، میں نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی کسی تحریر میں پڑھا ہے کہ یہ بھی ایک طرح سے قرآنِ کریم کی تحریف ہے، سوال یہ ہے کہ آیتِ کریمہ "هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ'' کا اشارہ کیا آپ کے ''بصائر وعبر'' کی طرف ہے؟ حضرتؒ نے تامل کے بعد فرمایا: پھر رہنے دیجیے۔

اس ناکارہ کے نزدیک یہ حضرتؒ کی تواضع، للّٰہیت وانابت اور رُجوع الی الحق کی بلند ترین مثال ہے۔ حضرتؒ کے علم وفضل کے سامنے اس ناکارہ کی وہ حیثیت بھی نہیں تھی جو آفتاب کے سامنے ذرّے کی ہوسکتی ہے، اس کے باوجود حضرتؒ نے اس ناکارہ کی عرض داشت کو قبول فرمالیا، کوئی دُوسرا ہوتا تو اس گستاخی پر پتہ ہی کاٹ دیتا۔

افسوس ہے کہ بہت سے دِینی رسائل میں بے احتیاطیاں ہو رہی

ہیں اور قرآنِ کریم کی آیاتِ مقدسہ کو پرچوں کی زینت کے لیے بے محل چسپاں کیا جاتا ہے۔ نہیں معلوم کہ ان حضرات کو کوئی ٹوکنے والا نہیں یا قلب میں رُجوع الی الحق کی اِستعداد نہیں رہی۔ (شخصیات وتأثرات، ازمولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ ص:۱۵۰تا۱۵۱)

جامعہ فاروقیہ میں پیش آنے والے واقعے کے بعد ایک فتویٰ منظرِ عام پر آچکا ہے جو''اسلامی بینکنگ'' کو ناجائز، حرام اور غیر اِسلامی قرار دیتا ہے، یہ فتویٰ مدرسہ بنوری ٹاؤن نے جاری کیا ہے اور''مروّجہ اسلامی بینکاری'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا ہے، اس حوالے سے بالترتیب چند اُمور تجزیاتی طور پر پیشِ خدمت ہیں۔

۱- اس فتوے کو''اسلامی بینکاری'' پر علماء کا''متفقہ'' فتویٰ قرار دیا جارہا ہے، اس فتوے کے تمام حامی لفظ''متفقہ'' کا پُرزور پرچار فرمارہے ہیں، جو میری نظر میں قطعاً غلط ہے، کیونکہ اسلامی بینکاری ایک اختلافی مسئلہ ہے، اہلِ علم کا ایک مکتبۂ فکر اسے جائز قرار دیتا ہے جبکہ دُوسرا حرام۔ دونوں ہی فریق اس پر اپنے اپنے موقف کے حق میں فتوے جاری کرچکے ہیں، ایسی صورت میں کسی بھی فتوے کو''متفقہ'' کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ متفقہ وہی چیز ہوتی ہے جس میں دو فریق نہ ہوں۔ مولانا تقی عثمانی نے تو کبھی بھی اپنے فتوے کو متفقہ قرار نہیں دیا۔ سمجھ سے بالاتر ہے کہ فریقِ ثانی اپنے فتوے کے لیے''متفقہ'' کے لفظ کا اس قدر پرچار کیوں کررہا ہے جبکہ یہ ہے بھی خلافِ واقعہ۔

۲- اس فتوے کا پیش لفظ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ حضرت اسی پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں:-

یعنی اسلام اور بینکاری اپنی بنیادی خصوصیات اور اَہداف کی وجہ سے دو متضاد حقیقتیں ہیں، اس لیے اس معنی میں نہ تو بنکاری کا اسلامی تصوّر قابلِ قبول ہے اور نہ اسلام اور بینکنگ کو جمع کرنا ممکن ہے۔

(مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۱۵)

گویا حضرت کا موقف یہ ہوا کہ بینکاری کو اِسلام کے سانچے میں ڈھالنا سرے سے ممکن ہی نہیں، جب بھی جہاں بھی اور کوئی بھی اسلامی بینکاری کے نام سے کوئی منصوبہ پیش کرے گا، وہ غیر اسلامی ہی ہوگا۔ جبکہ حضرت کا یہ پیش لفظ جس فتوے پر ہے وہ کہتا ہے:-

> جہاں تک صحیح اسلامی بنیادوں پر اِسلامی بینکاری کے قیام کے لیے نیک جذبات اور کوششوں کا تعلق ہے ان کے محمود و مطلوب اور قابلِ ستائش ہونے میں ذرّہ بھر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ جہاں تک شرکت اور مضاربت کی بنیاد پر اِسلامی بینکاری کے قیام کے اِمکانات کا تعلق ہے، اس پہلو سے کلام کی گنجائش ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے، تاہم اتنی بات پر سب متفق ہیں کہ مروّجہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے سانچوں میں ڈھلی ہوئی بینکنگ میں شرکت و مضاربت کی بنیاد پر کسی تمویلی نظام (Financing System) کی تشکیل و ترویج ناممکن نہ سہی، مشکل اور دُشوار ضرور ہے۔ (مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۴۲، ۴۳)

حضرت کے دستخط اس عبارت پر بھی ہیں اور یہ فتویٰ ہے، ایک طالبِ علم کی حیثیت سے میرا سوال یہ ہے کہ یہ دو الگ الگ موقف ہیں، دونوں متضاد بھی ہیں، اور دونوں پر حضرت کے دستخط ہیں، ان میں سے حضرت کا حتمی موقف کونسا ہے؟ یہ غیر معمولی سوال ہے، کیونکہ اہلِ فتویٰ یہ اِمکان برقرار رکھ رہے ہیں کہ مستقبل میں بینکاری اسلامی سانچے میں ڈھل سکے، جبکہ حضرت کے نزدیک یہ ممکن ہی نہیں۔

۳- اسی ناممکن کی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے حضرت لکھتے ہیں:-

> احقر کا خیال ہے کہ اگر شراب نوشی کو اِسلامی تعلیمات کے ذریعے جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا، قمار اور جوے کو اِسلام ناجائز اور حرام بتاتا ہے تو ایسا بینکاری نظام جس میں اسلام سے زیادہ یہود کے جاری کردہ سرمایہ داری بینکاری نظام کی ترجیحات اور تقاضے پورے کیے

جارہے ہوں، اس کو اِسلام کے نام پر کیونکر جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟

(مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۱۶)

میرے خیال میں بینکاری، شراب نوشی اور جوے کی طرح نہیں بلکہ جسمانی تعلق کی طرح ہے جو جائز بھی ہوسکتا ہے اور ناجائز بھی، حلال بھی ہوسکتا ہے اور حرام بھی۔ دونوں میں مطابقت یہ ہے کہ بینکاری اور جسمانی تعلق انسان کے لیے ''ضرورت'' کا درجہ رکھتے ہیں، جبکہ شراب نوشی اور جوا محض عیاشی ہے، ''ضرورت'' ہرگز، ہرگز نہیں۔ جس طرح جسمانی تعلق کو حضراتِ علماء ''نکاح'' پڑھا کر جائز کر سکتے ہیں، اسی طرح بینکاری کو شرعی تقاضے پورے کر کے علماء ہی جائز صورت بھی دے سکتے ہیں۔

۴- حضرت تحریر فرماتے ہیں:-

بلکہ سچ بات یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کی عملی تصویر سے یہی تأثر مل رہا ہے کہ چند ظاہری فوائد کے نام پر ثابت شدہ اسلامی اَحکام سے فرار اور اِیمانی تقاضوں سے پہلوتہی کا معاملہ ہو رہا ہے۔

(مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۱۷)

سوال یہ ہے کہ سود تو نصِ قطعی سے حرام ثابت ہے اور کوئی مسلمان اسے قولی یا عملی طور پر حلال قرار دینے کے بعد مسلمان ہی نہیں رہ سکتا، ایسی کوئی بھی کوشش صریح کفر کا درجہ رکھتی ہے، تو اگر کفر ہی اِختیار کرنا ہو تو اس کے لیے اسلامی بینکاری کی کیا ضرورت؟ یہ کام تو اس کے بغیر بھی ہوسکتا ہے، اور ایسی صورت میں ''یہ ظاہری فوائد'' اسلامی بینکاری کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر حاصل ہوسکتے ہیں۔ میرے خیال میں مولانا تقی عثمانی اور ان کا مکتبۂ فکر اتنا شعور تو رکھتا ہی ہوگا کہ اگر وہ محض ''ظاہری فوائد'' کے لیے سود جیسے حرام کو حلال قرار دیں گے تو دائرۂ اسلام سے ہی خارج ہو جائیں گے۔

۵- کتاب کے اسی صفحے پر حضرت اپنے مکتبۂ فکر کے کچھ اَصحاب کے نام نقل کر کے فرماتے ہیں:-

ان سب کو نظر انداز کر کے صرف اکیلے مفتی تقی صاحب مدظلہٗ کی تحقیق پر انحصار سمجھ سے بالاتر ہے۔

چونکہ بادی النظر میں یہ محض تبصرہ ہے، دلیل نہیں، اس لیے تبصرۃً ہی گزارش ہے کہ ''اکیلے'' تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، جب طلاق بالجبر کے عدم وقوع کے فتوے کی پاداش میں مدینے کی گلیوں میں رُسوا کیے گئے، اکیلا تو وہ منصور بھی تھا جسے سولی پر چڑھا دیا گیا اور اکیلے ہی وہ حضرت حسینؓ بھی تھے جو کربلا میں تہہ تیغ کر دیے گئے۔ اب کیا کیجئے کہ وقت کی سولی پر چڑھتا شخص تاریخ کے ہر موڑ پر ''اکیلا'' ہی نظر آتا ہے، مگر جب تاریخ فیصلہ لکھنے کے لیے قلم اُٹھاتی ہے تو پھر وہ ''اکیلا'' نہیں رہتا۔

۶-حضرت مزید تحریر فرماتے ہیں:-

> اگر مولانا تقی صاحب مدظلہٗ کے فتوے کو صرف مفاداتی بنیادوں پر قابلِ قبول سمجھا جاتا ہو اور اسی بنیاد پر ان کی تحقیق کو اَوّل و آخر سمجھا جاتا ہو تو پھر یہ اتباعِ ہویٰ ہے، اتباعِ شریعت نہیں ہے۔
>
> (مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۱۸)

اس عبارت میں ''اگر'' کی شرط خود واضح کر رہی ہے کہ حضرت کو یہ یقین نہیں ہے کہ اسلامی بینکاری محض مفادات کے لیے اختیار کی جا رہی ہے، ورنہ ''اگر'' کی شرط نہ ہوتی، اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت اسے اتباعِ ہویٰ (نفسانی خواہش) صرف اس صورت سمجھتے ہیں ''اگر صرف مفاداتی بنیاد پر قابلِ قبول سمجھا جاتا ہو'' یعنی اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ اتباعِ شریعت ہی ہے۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ شریعت کے تمام اَحکامات ظاہر پر لاگو ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں کلمہ پڑھتے شخص کو قتل کر دینے والے صحابی سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے بتایا وہ موت کے خوف سے کلمہ پڑھ رہا تھا، دِل سے نہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

هَلَّا شَقَقْتَ قَلْبَهُ

ترجمہ:-تم نے اس کا دِل چیر کو کیوں نہ دیکھ لیا؟

محدثین فرماتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا تم نے اس کا دِل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ وہ موت کے خوف سے کلمہ پڑھ رہا تھا؟ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:-

نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ وَاللّٰهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِرَ.

ترجمہ:- ہم ظاہر کا فیصلہ کرتے ہیں، غیب کی باتوں کا اللہ ہی متولّی ہے۔

۷- چونکہ پورے ملک میں مولانا تقی عثمانی صاحب کے ساتھ جامعہ فاروقیہ میں کیے گئے برتاؤ پر گفتگو ہو رہی ہے، اس لیے حضرت فرماتے ہیں کہ ان کا موقف تو ان کی کتابوں کی صورت میں موجود تھا اور:-

اس لیے مستقل طور پر مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کو اِعتماد میں لینے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ (مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۱۹)

ممکن ہے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب اس کی ضرورت محسوس نہ فرماتے ہوں، مگر شرعی معاملات ہوں، خواہ عمومی معاملات، وضاحت کی ضرورت ہمیشہ ہی محسوس کی جاتی ہے۔ مثلاً یہی دیکھ لیجئے کہ آج سے ٹھیک تیس یا اُنتیس برس قبل مولانا تقی عثمانی صاحب نے فتویٰ دیا کہ بینک زکوٰۃ کاٹ سکتے ہیں، اس پر حضرت مولانا مفتی محمودؒ کو تحفظات تھے، جب وہ کراچی تشریف لائے تو عثمانی برادران سے رابطہ کر کے ایک علمی نشست مدرسہ بنوری ٹاؤن میں طے فرمالی اور دونوں ہی بھائی وقتِ مقرّرہ پر تشریف لے آئے۔ اس مجلس میں مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، مفتی احمد الرحمٰنؒ بھی موجود تھے، مولانا مفتی محمودؒ نے گفتگو ہی یہاں سے شروع کی کہ: "پہلے میں اپنا موقف پیش کروں یا آپ پیش کرنا چاہتے ہیں...؟" غور کیجئے، جس تاریخ کو یہ واقعہ ہوا، یہ مولانا مفتی محمودؒ کی زندگی کا آخری دن تھا اور اسی مجلس میں مفتی محمودؒ نے جان اپنے رَبّ کے حوالے کر دی، اس وقت مفتی تقی عثمانی کی عمر بہت بھی رہی ہو تو تیس سے پینتیس سال رہی ہوگی، کہاں علم کا وہ پیرانہ سال پہاڑ اور کہاں نوجوان

مفتی تقی عثمانی، مگر مفتی محمودؒ نے پھر بھی موقف سننے اور سنانے کے لیے یاد فرمایا، جو ظاہر کرتا ہے کہ مفتی محمودؒ کے دِل میں نوجوان مفتی تقی عثمانی کا مقام بہت بلند تھا۔ وہ صرف اپنی بات سنا کر ایئرپورٹ جانے کا اِرادہ نہ کیے بیٹھے تھے، بلکہ مولانا تقی عثمانی کا موقف بھی سننا چاہتے تھے، اگر مولانا تقی عثمانی کا موقف سننا ضروری نہ ہوتا تو مفتی محمودؒ بھی یہ کہہ کر ایک یک طرفہ نشست کر کے فتویٰ داغ دیتے کہ مولانا تقی عثمانی کا موقف تو ان کے فتوے کی صورت میں ہم دیکھ چکے۔ اسے بدقسمتی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ مفتی محمودؒ جیسا عظیم مفتی تو نوجوان مفتی تقی عثمانی کو سننے کی ضرورت محسوس کرتا تھا، مگر مولانا سلیم اللہ خان صاحب اس پیرانہ سال مفتی تقی عثمانی کا موقف سننے کی ضرورت محسوس نہ کر سکے جو آج شیخ الاسلام کے منصب پر بھی فائز ہو چکے ہیں۔ مفتی محمودؒ اور مفتی تقی عثمانی کی اس تاریخی مجلس کی رُوئیداد مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی کتاب ''شخصیات و تأثرات'' کے صفحہ:۱۸۸ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۸- اسی پیش لفظ میں آگے چل کر حضرت رقم فرماتے ہیں:-

> یہاں یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس وقت دو فریقوں کے درمیان اختلاف ہے۔ ایک فریق ان اَربابِ فتویٰ کا ہے جنھوں نے متفقہ فتویٰ دیا ہے، وہ پورے ملک کے معروف اور مستند مفتی حضرات ہیں، وہ کسی بینک کے ملازم نہیں، نہ لاکھوں روپے بینک سے وصول کرتے ہیں، ان کے فتوے کی بنیاد اِسلامی تعلیمات ہیں، ان کا فتویٰ اِخلاص وللّٰہیت پر مبنی ہے۔ (مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۲۲)

حضرت کا ارشاد بسر وچشم، اور خدا شاہد ہے کہ ان بزرگوں میں سے ایک دو کو چھوڑ کر باقی تمام حضرات کے لیے میرے بھی یہی جذبات ہیں، انہوں نے یقیناً اِخلاص اور للّٰہیت کی وجہ سے یہ فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی مولانا تقی عثمانی کے موقف کا حامی ہوتا تو کیا تب بھی اسے اِخلاص وللّٰہیت کا مقام عطا کیا جاتا؟

جواب ہے کہ ''نہیں'' حضرت ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:-

> دُوسری طرف سے اکثر وہ حضرات ہیں جو بینکوں کے ملازم (ایڈوائزر مفتیانِ کرام کی جانب اِشارہ) ہیں اور ان کے مالی مفادات بھی بینکوں سے وابستہ ہیں، وہ متفقہ فتویٰ کو ماننے سے ممکن ہے اس لیے انکار کرتے ہوں کہ اس فتویٰ کو قبول کرنے میں ان کے مالی مفادات پر زَد پڑسکتی ہے، اور شاید کچھ ایسے بھی ہوں جو مفتی تقی عثمانی صاحب سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی مبینہ مہارت کے پیشِ نظر ان کی ہم نوائی کر رہے ہوں، واللہ اعلم بالصواب۔
>
> (مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۲۲)

فریقِ اوّل کو تو حضرت نے اِخلاص وللّٰہیت کی سند اپنے دستِ شفقت سے ہی عطا کردی، جبکہ فریقِ دوم کو مفاد پرست قرار دے کر معاملہ ''واللہ اعلم بالصواب'' (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) کے سپرد کردیا۔ میری نظر میں دونوں ہی فریق حضرت کی شفقت کے یکساں مستحق ہیں، دونوں ہی کی دیانت داری شک وشبہ سے بالاتر ہے، اور دونوں اَطراف کے اکابر اِخلاص وللّٰہیت کی بنیاد پر کام کر رہے ہیں، رہ گیا دِلوں اور غیب کا معاملہ تو واللہ اعلم بالصواب۔

یہ تو ہوا حضرت کا پیش لفظ، اب آیئے فتویٰ کی جانب۔ فتویٰ کے حوالے سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ جس قلم سے نکلا ہے، وہ فی الواقع چومنے کے لائق ہے، اگر کبھی یہ جان پایا کہ یہ کس نے رقم کیا ہے تو اس ہاتھ کو بوسہ دینا خود پر قرض اور فرض سمجھتا ہوں، کیونکہ فتوے کی عبارت نے شائستہ اور خوبصورت علمی اختلاف کے سلیقے کی پوری اسلامی تاریخ کو زِندہ کردیا ہے، بلاشبہ اس پاکیزہ اور مقدس ہاتھ پر اللہ کا خصوصی فضل وکرم رہا ہے۔ میں اس فتویٰ پر صد آفرین نچھاور کرتا ہوں، اس لیے نہیں کہ اس سے فتویٰ کو کوئی فائدہ پہنچ سکے گا، بلکہ اس لیے کہ ایسا کرنے سے میری سعادت میں اِضافہ ہوگا۔

اس فتویٰ کے حوالے سے مجھے لاتعداد تحفظات ہیں، مگر میں اس پر کسی علمی بحث سے پرہیز ہی کی راہ اختیار کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ یہ ایک فتویٰ ہے اور میں مفتی نہیں ہوں۔ اگرچہ مفتی بننا اس فتویٰ کے ایک دستخطی مفتی حبیب اللہ شیخ نے اس قدر آسان کردیا ہے کہ ہفتے کے سات میں سے پانچ دن یومیہ صرف ایک گھنٹہ صَرف کرکے ایک برس میں مفتی کا خطاب حاصل کرنا ممکن ہوگیا ہے، مگر میں اس طرح کا ''ریڈی میڈ مفتی'' بننے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ ایک سائل کی حیثیت سے میں صرف سوال کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ میرا پہلا سوال فتوے کے درجہ ذیل تین اِقتباسات کے پس منظر میں ہے۔ اِقتباسات ملاحظہ ہوں:-

> ۱- جمہور کا موقف صریح نصوص اور واضح شرعی اُصولوں پر مبنی ہے اور مولانا مدظلہم (مفتی تقی صاحب) کے موقف کی بنیاد غیر ضروری حیلوں اور رُخصتوں پر ہے۔ نصوصِ شرعیہ اور قواعدِ فقہیہ کے مقابلے میں حیلوں کا سہارا نہیں لیا جاسکتا۔ (مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۵۳)
>
> ۲- حیلے کا اپنی شروط وآداب کے ساتھ جواز وقتی اور متحقق الوجود ضرورتوں کے لیے بقدرِ ضرورت ہوا کرتا ہے۔ حیلوں کو خواہ جواز کے تقاضے پورے ہی کیوں نہ کر رہے ہوں، مستقل عادت، دائمی نظام اور مستقل ضابطوں کے طور پر اِختیار کرنا اور معمول بنالینا نتیجتاً شرعی مزاج کی خلاف ورزی، اسلامی اَحکام سے فرار، اصل شریعت کا تعطل اور محرَّماتِ اِلٰہیہ کو حلال کرنے کے لیے بہانہ بن جاتا ہے، اس لیے ایسے حیلوں کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں۔
>
> (مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۲۲۹)
>
> ۳- اسی طرح یہ بات بھی ناقابلِ اِنکار ہے کہ جو معاملات حیلہ سازیوں پر مبنی ہوں وہ فساد سے خالی نہیں ہوتے.......
>
> (مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۲۳۱)

اب آیئے اس سوال کی جانب جو اِن اقتباسات کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ حضراتِ مفتیانِ کرام سے مخفی نہ ہوگا کہ چھوٹے سے لے کر بڑے مدارس تک بالعموم اس روایت پر عمل ہو رہا ہے کہ مدرسہ طلبا کے نام پر جو زکوٰۃ وصول کرتا ہے، اس کے لیے لازم ہے کہ طالبِ علم زکوٰۃ کی ملکیت حاصل کرے، جسے فقہی اصطلاح میں ''تملیک'' کہتے ہیں، اگر مستحقِ زکوٰۃ، ادا کی گئی زکوٰۃ کی تملیک حاصل نہ کر پائے تو زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہوتی۔ مدارس میں طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ فارم پر طالبِ علم مدرسے کے مقررہ شخص کو اپنا وکیل مقرّر کر کے دستخط کرتا ہے۔ دِلچسپ بات یہ ہے کہ اس کی شرائط ایسی ہیں کہ طالبِ علم وکیل مقرّر تو کر سکتا ہے مگر یہ وکالت سلب نہیں کر سکتا، حالانکہ اگر مقرّر کرنے کا اِختیار اس کے پاس ہے تو برخاست کرنے کا بھی ہونا چاہیے۔ اسی طرح فرض کیجیے ایک مدرسے میں ایک ہزار طلبا زیرِ تعلیم ہیں اور مدرسے کے کسی ڈونر نے ان ایک ہزار طلبا کے پورے سال کے اِخراجات کے لیے ایک کروڑ روپے زکوٰۃ دی تو گویا حقِ وکالت اِستعمال کرتے ہوئے ادارہ ان ایک ہزار طلبا کی جانب سے یہ زکوٰۃ وصول کر لیتا ہے، جو فی طالبِ علم دس ہزار بنتے ہیں۔ اب اگر ایک طالبِ علم تعلیمی سال کے دس میں سے دو ماہ بعد مدرسہ چھوڑتا ہے یا اس کا اِخراج کر دیا جاتا ہے تو کیا اس کے بقیہ آٹھ ہزار روپے اسے ادا کیے جاتے ہیں؟ جواب ہے کہ نہیں، کیونکہ وکالت ہی نہیں بلکہ تملیک تک حاصل کر لی جاتی ہے، اور طالبِ علم کو اگر داخلہ چاہیے تو وہ ان شرائط کو قبول کرنے پر مجبور ہے۔ وکالت اور تملیک کا یہ پورا تصوّر محض ایک ''حیلہ'' ہے، اور اس حیلے پر بعض مدارس تیس تیس اور بعض چالیس چالیس سال سے عمل کر رہے ہیں اور اس نظام کی تبدیلی کا سرے سے کوئی تصوّر ہی موجود نہیں، تو جو رعایت آپ اسلامک بینکنگ کو نہیں دے رہے ہیں، اس پر خود چالیس چالیس سال سے کیسے عمل کر رہے ہیں؟ حالانکہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تو اِسلامک بینکنگ کے سانچے کو مکمل اسلامی صورت میں ڈھالنے پر ابھی کام کر رہے ہیں اور کسی بھی موڑ پر انہوں نے یہ اعلان نہیں کیا کہ ''کام مکمل ہوگیا'' ڈھائی سو نہ سہی، ڈھائی صفحوں کا فتویٰ اس حیلے کے خلاف بھی آ جانا

چاہیے جو چالیس چالیس برس سے مروّج ہے، مگر میرا دعویٰ ہے کہ نہیں آئے گا، کیونکہ یہ حیلہ ''متفقہ'' ہے۔

دُوسرا سوال یہ ہے کہ یہ فتویٰ مروّجہ اسلامک بینکنگ کو سودی ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ ''سود کے شبہ'' کی بنیاد پر حرام قرار دیتا ہے، جبکہ مدارسِ عربیہ کے بینک اکاؤنٹس آج بھی ان بینکوں میں ہیں جن کے غیر سودی ہونے کا چھ ارب انسانوں میں سے ایک بھی دعویدار نہیں۔ شرعی اُصول یہ ہے کہ اگر دو بُرائیوں میں سے ایک کو اختیار کیے بنا چارہ ہی نہ رہے تو کمتر بُرائی کو اِختیار کیا جائے گا۔ مدارسِ عربیہ کے اکاؤنٹس ''کنوینشنل بینکوں'' میں کیوں ہیں؟ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تو کرنٹ اکاؤنٹ ہیں، تو گزارش کردوں کہ کرنٹ اکاؤنٹ صرف یہ ضمانت مہیا کرتے ہیں کہ آپ سود وصول نہیں کررہے، یہ ہرگز نہیں کہ آپ کا سرمایہ سودی کاروبار میں استعمال نہیں ہورہا، مدارسِ عربیہ کے پاکیزہ اور مقدس اَموال جو بارہ ہزار مدارس کے اربوں میں ہوسکتے ہیں، پورا سال بینک کے سودی کاروبار میں کام آتے ہیں اور سود کو ترقی بخشتے ہیں۔

میرا تیسرا سوال حلال اور غیر حلال کی ایک اور بحث کے حوالے سے ہے۔ مذکورہ فتویٰ کے ایک دستخطی حضرت مفتی عبدالسلام چاٹگامی جھینگے کی حلت کا فتویٰ جاری کرچکے ہیں، جبکہ پاکستان کے علمائے جمہور - اور وہ بھی واقعی علمائے جمہور - اسے غیر حلال قرار دیتے ہیں، کیا یہ علمائے جمہور ان کے فتویٰ کو دُرست مانتے ہیں؟ اگر نہیں تو انہیں اس بورڈ کا رُکن کیوں بنایا گیا؟ اور کیوں نہ ایک ڈھائی سو صفحے کا فتویٰ ان کے خلاف بھی جاری کرلیا گیا؟ یاد رہے کہ میں جھینگے کے معاملے میں مفتی عبدالسلام چاٹگامی ہی کے مسلک کا پیروکار ہوں۔

چوتھا سوال اس فتویٰ کی درجہ ذیل عبارت کے پس منظر میں ہے:-

> مولانا مدظلہم (مفتی تقی عثمانی) پر تنقید کرنے والوں کی دُوسری قسم بعض علمائے کرام ہیں جن کی تنقید کا محوَر مولانا مدظلہم کی فراہم کردہ فقہی

بنیادیں تو ضرور ہیں، مگر ان کی تنقید کے دو پہلو سقم سے خالی نہیں۔
ایک یہ کہ انہوں نے مروّجہ اسلامی بینکاری کے عملی تطبیقی نظام کی
خرابیوں کا ذمہ دار بھی مولانا کو ٹھہرایا، دُوسرا یہ کہ مولانا پر تنقید کرتے
ہوئے ان کے مقام و مرتبے سے قطعِ نظر خود اپنی عالمانہ شان کا پاس
بھی نہیں رکھ سکے۔ ایسے حضرات کو اپنے طرزِ تنقید اور اندازِ تحریر و
بیان پر ضرور نظرِ ثانی کرنی چاہیے۔ (مروّجہ اسلامی بینکاری ص:۵۰)

یہ ایک قابلِ تحسین بات ہے اور یقیناً فتویٰ کمیٹی نے اسے اہم ترین سمجھا تھا، اسی لیے فتوے میں ذِکر کرنے پر مجبور ہوئے۔ مگر یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ ناقدین کی یہ دُوسری قسم جن کے خلاف فتویٰ اپنی زبان استعمال کرنے پر مجبور ہوا کیا اتنے عزیز کیسے ہوگئے کہ اسی فتویٰ پر ان کے دستخط بھی لے لیے؟ میں شرعی اُمور میں اِشاروں اور کنایوں کا قائل نہیں، بلکہ صراحت سے کہتا ہوں کہ فتویٰ کا مذکورہ پیراگراف حبیب اللہ شیخ اور زَرولی خان کو پیشِ نظر رکھ کر اگر نہیں بھی لکھا گیا تو وہ اس کے اوّلین مصداق تو ضرور ہیں۔ اور یہ ثابت کرنے کے لیے مجھے کسی کمیٹی کی معاونت کی ضرورت بھی نہ ہوگی۔ اس فتوے پر دستخط کے باوجود زَرولی خان نے اپنے جریدے میں مولانا تقی عثمانی کو ''دریدہ دہن'' قرار دیا ہے۔ اب یہ فتویٰ دُرست ہے کہ زَرولی خان؟ میری نظر میں حبیب اللہ شیخ اور زَرولی جیسے لوگوں کے دستخط اس خوبصورت فتویٰ کے لیے ''وزن'' نہیں بلکہ ''بوجھ'' کا درجہ رکھتے ہیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فتویٰ پر دستخط لیتے وقت کسی معیار کو پیشِ نظر نہیں رکھا گیا۔

زَرولی خان کی قرآن پر نظر کا اندازہ صرف اس ایک مثال سے لگا لیجئے کہ اس خوبصورت فتویٰ کی تائید و حمایت میں انہوں نے اپنے جریدے کا جو ''خصوصی شمارہ'' نکالا ہے اس میں اپنے ہی قلم سے لکھے اداریئے میں سورۃ قٓ کی آیت جو اس رپورٹ کے شروع میں گزر چکی تین فحش تحریفات کے ساتھ نقل کی ہے، ملاحظہ کیجئے، انہوں نے یہ آیت یوں نقل کی ہے:۔ ''ان فی ذلک لعبرۃ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو الشھید''۔

اب غلطیاں ملاحظہ ہوں:-

۱- آیت میں اصل لفظ ہے "لَــذِکْـــرٰی" زرولی کو شاید یہ لفظ پسند نہ آیا اور صوابدیدی اختیارات کے تحت اس کی جگہ "لعبرۃ" کا لفظ ڈال لیا۔

۲- آیت اس طرح ختم ہوتی ہے "وَھُوَ شَھِیْدٌ"، شیخ التفسیر زرولی کو یہ بھی پسند نہ آیا اور انہوں نے اپنے صوابدیدی اختیارات کا مزید استعمال کرتے ہوئے اسے "وھو الشہید" کر دیا۔

۳- یہ آیت قرآن مجید کے اپنے رسم الخط میں درج نہیں، اہلِ علم جانتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت اس کے اپنے رسم الخط سے ہٹ کر کسی رسم الخط میں لکھنا جائز نہیں۔ یہ بھی شیخ التفسیر کا صوابدیدی اختیار تھا۔

۴- آیت پر اعراب نہیں لگایا گیا، جس کی وجہ سے عام شخص اسے غلط پڑھ سکتا ہے۔

خدارا اے اَربابِ فتویٰ! آپ اس قسم کے لوگوں کے دستخطوں سے ہمیں اسلامک بینکنگ کا دقیق مسئلہ سمجھانا چاہتے ہیں؟ اگر یہ شخص شیخ التفسیر ہے تو پھر میں تو شیخ العرب والعجم ہوا۔

حرفِ آخر!

میری رائے یہ ہے کہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب ہوں، خواہ شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی دونوں ہی بزرگ ہیں، دونوں ہی دیانت دار ہیں اور دونوں کا وجود ہمارے لیے اللہ رَبّ العزّت کا وہ اِنعام ہے جس پر میرے بس میں ہو تو ہزار برس کا سجدۂ شکر بجالاؤں، مسئلہ اختلافی ہے، جن حضرات کو حضرت شیخ الحدیث کا موقف دُرست نظر آتا ہو، ان پر لازم ہے کہ اسی پر عمل کریں، اگر وہ اسے دُرست سمجھنے کے باوجود عمل شیخ الاسلام کے موقف پر کرتے ہیں تو یہ شرعاً جائز نہ ہوگا، اور یہ ہی میں دُوسرے موقف کو دُرست سمجھنے والوں کو بھی کہنا چاہتا ہوں، اگر اس خوبصورت علمی اختلاف میں بعض غیر ضروری اَفراد نہ ہوں تو بلاشبہ یہ وہی اختلاف ہے جو رحمت ہوا کرتا ہے۔ خود میں حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد

تقی عثمانی صاحب کے موقف کا حامی ہوں، اگر چہ دو نسلوں سے شاگرد مولانا سلیم اللہ خان صاحب کا ہوں۔ آخر میں شیخ الاسلام مولانا تقی عثمانی صاحب کی بابت صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں:

کسے معلوم تھی پہلے سے خرد کی قیمت
عالمِ ہوش پہ اِحسان ہے دِیوانے کا

***

از: مولانا محمد صدیق ارکانی

بیت المال اور بینک کا قیام

اسلامی حکومت اور خلافت میں ''بیت المال'' کا وجود ہوتا ہے، جس کے سربراہ عادل اَمیر المؤمنین ہوتے ہیں، جو مالِ غنیمت، خمس، جزیہ، عشر، مختلف النوع حکومتی آمدنی اور ٹیکس وغیرہ بطورِ اَمانت بیت المال میں جمع کرتے ہیں، پھر اسی سے حکومتی اُمور بھی سرانجام دیتے ہیں اور رعایا کی کفالت بھی کرتے ہیں۔ یہ بیت المال اَز اَوّل تا آخر خیر ہی خیر ہے، لیکن خلافتِ عثمانیہ کے اِختتام (۱۹۲۴ء) کے ساتھ بیت المال کا وجود کالعدم ہوگیا، اِقتدار اَغیار کے ہاتھوں میں آ گیا، شریعت پس منظر میں چلی گئی، ڈاکو، چور اور لٹیروں کی سلطنت قائم ہوگئی جس کے نتیجے میں عوام وخواص کی جان ومال اور عزّت وآبرو غیر محفوظ ہوگئی۔

اس کے بعد دُشمنانِ اِسلام بیت المال کے مدِ مقابل ''بینک'' کو سامنے لائے اور اسے فروغ دیا، اب پوری دُنیا کے چھ ارب باشندگان بالواسطہ اور بلاواسطہ ''بینک'' سے منسلک ہوگئے، اپنے اموال کی حفاظت بینک سے ہوتی ہے، مدارس ومساجد کی رُقوم بینک میں جمع ہوتی ہیں، ہر قسم کے بل کی ادائیگی بینک میں ہوتی ہے، حکومتی تنخواہوں کے لین دین بذریعہ بینک ہوتے ہیں، ملک اور بیرونِ ملک رُقوم کی نقل وحرکت بینک سے ہوتی ہے، درآمدات اور برآمدات بینک سے ہوتے ہیں، غرض بینک زندگی اور حفاظتِ اَموال کا جزءِ لاینفک بن گیا۔ اس لیے بینک کی ضرورت کو نظر اَنداز کردینا بداہت اور چڑھتے سورج کا اِنکار ہے۔

دُنیا کا سب سے پہلا بینک ۱۱۵۷ء کو شہر وینس میں قائم ہوا، دُوسرا بینک ۱۴۰۱ء کو

بارسلونا (اسپین) میں قائم ہوا، جبکہ پہلا جدید بینک ۱۴۰۶ء کو اٹلی کے شہر ''گانا'' میں بنام ''بینک آف اسٹیٹ جارج'' قائم ہوا، اس کے بعد قیامِ بینک کا سلسلہ چل پڑا، موجودہ بینکوں کی عمارت سود پر کھڑی کی گئی، اس لیے سود کو ختم کرنے کا مطلب موجودہ بینکوں کو ختم کرنا ہے، موجودہ بینکوں کا خاتمہ قیامِ خلافت کے بغیر تقریباً ناممکن ہے۔

اسلامی بینکوں کا قیام

سودی بینکوں کے مدِ مقابل اسلامی بینکوں کے قیام کے سلسلے میں مسلم ماہرینِ معاشیات اور جہاں دیدہ علمائے کرام نے یہ حل نکالا ہے کہ جب تک خلافت اور صحیح اسلامی حکومت قائم نہ ہو، اس وقت تک کے لیے موجودہ بینکوں کو حتی الامکان اسلامی بنانے اور اس کے نظام کو شریعت کے مطابق کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ عوام کی ضرورت بھی پوری ہو اور شریعت پر عمل بھی ممکن ہو۔

اسلامی بینک کے قیام کے سلسلے میں سب سے پہلا قدم احمد النجار نے اُٹھایا جنھوں نے ۱۹۶۳ء میں مصر میں اسلامی بینک قائم کیا اور ۱۹۶۷ء تک اس کی نو برانچیں قائم ہوئیں۔ ۱۹۷۲ء میں اسے ''ناصر سوشل بینک'' میں ضم کردیا گیا، اس کے بعد والا قدم O.I.C (اسلامی سربراہی کانفرنس - آرگنائزیشن اسلامک کانفرنس) نے اُٹھایا اور ۱۹۷۵ء میں ''اسلامی ترقیاتی بینک'' کے نام سے اپنی نوعیت کا پہلا بڑا غیر سودی بینک قائم کیا، جس کا مرکزی دفتر جدہ میں ہے، اور اِسلامی ممالک کے وزرائے مالیات اس کے رُکن ہیں۔ اس کا مقصدِ اَصلی پوری دُنیا میں اسلام کے اُصولوں پر قائم غیر سودی بنیادوں پر تجارت کو فروغ دینا ہے، اس کی پوری تفصیل راقم کی کتاب ''جریدۂ عالم'' اور ''عرب ممالک'' میں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوششوں کے باوجود یہ اسلامی بینک اب تک سود سے مکمل پاک نہیں ہوسکا۔

اس کے بعد ۱۹۷۵ء ہی میں دُنیا کے مسلم بزنس مین نے ''دوبئی اسلامک بینک'' قائم کیا، اس کا مقصد بھی نظامِ بینک کو سود سے پاک کرکے اسلامی اور غیر سودی بنانا ہے،

۱۹۸۳ء کو بنگلہ دیش میں اسلامی بینک قائم ہوا جو نجی شعبوں پر مشتمل سب سے بڑا اسلامی بینک ہے، جو آج بھی منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہے۔

پاکستان میں اسلامی بینکوں کا قیام

پاکستانی علماء اور وفاقی شرعی عدالت کی کوششوں سے یکم جنوری ۱۹۸۵ء میں اسٹیٹ بینک پاکستان نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس کے مطابق بینک سیکٹر سے سود سے پاک بینکاری کا نظام نافذ العمل ہوا، اس کے بعد اسٹیٹ بینک پاکستان نے اسلامی بینکنگ کو مزید بہتر بنانے اور چیک اینڈ بیلنس کے لیے شریعت آڈٹ بھی قائم کیا جو آج تک نافذ العمل ہے، تاہم بینک کو سود سے مکمل پاک نہیں کیا جا سکا۔ ۱۹۹۷ء میں اسلامی میزان بینک کا لائسنس جاری ہوا، اور ۲۰۰۲ء میں اس نے کام شروع کیا۔ چونکہ پاکستان کی بینکاری ہمیں منحوس انگریز سے ورثے میں ملی ہے اس لیے اس کی بنیاد سود پر ہے، اس سود کا خاتمہ کر کے اسلامی نظام کے مطابق بینکاری کرنے کے لیے آئینِ پاکستان آرٹیکل 38 ایف کے تحت وفاقی شرعی عدالت نے حکومت کو یہ کہا کہ جلد از جلد سود کے خاتمے کی کوشش کی جائے۔ اس آئینی آرٹیکل کے تحت وفاقی شرعی عدالت نے ۱۴ر نومبر ۱۹۹۱ء میں سود کی حرمت پر مفصل فیصلہ دیا، یہ فیصلہ فیڈرل شریعت کورٹ کے جسٹس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب نے لکھا، اس فیصلے کی توثیق سپریم کورٹ نے ۲۳ر دسمبر ۱۹۹۹ء میں کی، یوں ملک کی دونوں باوقار عدالتوں نے متفقہ فیصلے کے تحت موجودہ بینکاری کو سودی قرار دیا اور حکومت کو آرڈر جاری کیا کہ وہ متبادل نظام لائے۔

وفاقی شرعی عدالت کی بنچ نے مئی ۲۰۰۱ء میں حکومت کو آخری مہلت دی کہ ۳۰ر جون ۲۰۰۲ء تک موجودہ سودی بینکاری نظام ختم کر کے مضاربت اور شراکت کی بنیاد پر اسلامی نظام کے مطابق بلاسود بینکاری نظام نافذ کیا جائے، چونکہ مذکورہ بنچ میں ایک اہم شخصیت جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کی تھی جو کسی بھی طرح مزید مہلت دینے کے لیے تیار نہ

تھے، اس لیے حکومت نے ۱۱؍ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ - ۲۴؍مئی ۲۰۰۲ء میں علامہ عثمانی مدظلہٗ کو معزول کر کے ان کی جگہ ایڈھاک کی بنیاد پر علامہ خالد محمود اور ڈاکٹر رشید احمد جالندھری کو مقرر کیا۔

ستمبر ۲۰۰۳ء کو پاکستان میں ایک اور اسلامی بینک قائم ہوا اور ۲۰۰۵ء تک درج ذیل اسلامی بینک قائم ہوئے: البرکہ، امارات گلوبل اسلامک بینک، دبئ اسلامک بینک اور بینک اسلامی۔ اب (۲۰۰۹ء) تک ان اسلامی بینکوں کی ۳۷۱ برانچیں ملک میں قائم ہو چکی ہیں، جبکہ ملائشین سینٹرل بینک کے نائب گورنر داتو محمد رضیف عبدالقادر کے مطابق اس وقت دُنیا بھر میں ۷۶ ممالک میں ۳۰۰ کے قریب اسلامی مالیاتی اِدارے کام کر رہے ہیں۔

پاکستانی اسلامی بینکاری تنقید کی زد میں

پاکستان میں موجود مذکورہ اسلامی بینکوں کے محرکِ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ہیں جو تقریباً گزشتہ بیس سال سے اس پر کام کر رہے ہیں اور خاموشی سے یہ کام ہو رہا ہے، لیکن گزشتہ ۲۸؍اگست ۲۰۰۸ء کو اَخبارات میں شائع ہونے والے بعض (۳۱) پاکستانی علماء کے فتویٰ نے اس مسئلے کو زندہ کیا ہے۔

کیونکہ ان علماء نے اس نظام کو یکسر مسترد اور حرام قرار دیا ہے، اس حلت وحرمت سے قطع نظر ایک عام مسلمان کا یہ حق بنتا ہے وہ درج ذیل سوالات کے جوابات معلوم کرے:-

* کیا قیامِ خلافت کے بغیر مکمل اسلامی بینک کا وجود ممکن ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی کوئی مثال یا نظیر، اگر ممکن نہیں ہے تو قیامِ خلافت کی کوششیں کیوں نہیں ہو رہی ہیں؟

* کیا بینکوں میں رقم رکھے بغیر حفاظتِ رقم کی کوئی اور صورت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کیا ہے، اگر نہیں ہے تو موجودہ نام نہاد اسلامی بینکوں کی اصلاح کی کوشش کیوں نہیں ہو رہی ہے؟ اور جو لوگ اصلاح کی کوشش کر رہے ہیں ان کی حد سے زیادہ تنقید اور ملامت کیوں؟

٭ بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم رکھنا جائز ہے، اب سوال یہ ہے کہ آپ نے رقم بصورت کرنٹ سودی بینک میں رکھوائی، آگے یہ رقم بینک والے سودی کاروبار میں استعمال کریں گے اور سود حاصل کریں گے، چونکہ آپ نے کرنٹ کا عنوان لگا کر وہ سودی رقم وصول نہیں کی، اس لیے وہ رقم بھی بینک کو مل گئی، یوں آپ ''تعاون علی الاثم'' کے زُمرے میں آگئے، اس کے بوجود ضرورت کے تحت اس کی اجازت دی جارہی ہے، جب نظریۂ ضرورت کے تحت یہ سب کچھ جائز ہوگیا تو اس نظریۂ ضرورت کے تحت موجودہ اسلامی بینکوں میں موجود خامیوں کو برداشت کرنے اور رفتہ رفتہ دُور کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔

موجودہ دور میں بینکوں میں رقم رکھنا ضرورت میں شامل ہوگیا ہے، اس لیے اس سے مفر ممکن نہیں، لہٰذا متفق علیہ حرام بینکوں کے مدِمقابل اسلام بینکوں کا قیام ضروری ہے، پھر وہ اسلامی بینک یک دم مکمل اسلامی ہو نہیں سکتا کیونکہ ملک کے کسی بھی شعبے میں صحابہؓ کا اسلام نہیں ہے، اور نہ ہی دُشمنانِ اسلام صحیح اسلام کو اُبھرنے دیتے ہیں، جس کی تازہ مثال طالبان کی حکومت ہے، طالبان نے مکمل اسلامی بینک کی ابتدا کی تھی لیکن ۱۵۸ اسلامی ممالک میں سے کسی بھی اسلام ملک نے اسے قبول نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں جاہل، ہٹ دھرم، شریعت سے ناواقف اور بین الاقوامی سیاست سے نابلد قرار دیا تھا، پھر سب نے مل کر اس کلی کو مسل دیا تھا، اب طالبان کے بجائے امریکی حکومت اور امریکی بینک قائم ہیں۔

کرۂ اَرض پر متعدّد ممالک ایسے بھی ہیں جہاں اسلامی نام رکھنے اور بولنے پر بھی پابندی ہے، وہاں شرکیہ نام رکھنا اور بولنا ضروری ہے، جیسا کہ برما کا صوبہ ارکان ہے، ایسی نازک صورتِ حال میں نام نہاد اسلامی بینکوں کو کچلنے کے بجائے ان کی قابلِ عمل اصلاح ہی سودمند ہے، ورنہ اسلام کا نام لینا ہی مشکل ہوجائے گا۔ عین ممکن ہے کہ جہاں آج دس فیصد اِسلام ہے وہاں آئندہ پچاس فیصد اِسلام ہو۔ طالبان سے تو یہ اُمید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ صحابہ کا اسلام نافذ کریں لیکن کالے انگریزوں سے یہ توقع مشکل ہے، بالکل اسی طرح

موجودہ نام نہاد اسلامی بینکوں کے ذمہ داروں کا حال ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ اگر الیکشن میں دونوں طرف کے افراد فاسق ہیں تو اس صورت میں بھی ووٹ دینا ضروری ہے، البتہ ووٹ چھوٹے فاسق کو دِیا جائے گا، اگر کسی کو بھی فاسق کہہ کر ووٹ نہ دیا تو گناہ ہوگا۔ اسی طرح بینک میں رقم رکھنا لوگوں کے لیے ضروری ہوگیا ہے، چاہے متفق علیہ حرام بینک میں رکھے یا متنازع فیہ بینک میں۔

مولانا عثمانی صاحب پر تنقید کی بارش

موجودہ اسلامی بینکاری کے خلاف ایک فتویٰ بعنوان ''متفقہ فتویٰ'' ۲۹/اگست ۲۰۰۸ء کو شائع ہوا، اور پھر دو تین ماہ کے بعد جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن سے حرمت پر ایک کتاب چھپی، اس کے بعد اس موضوع پر لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا جو کسی نہ کسی انداز میں اب بھی جاری ہے، کم از کم میرے پاس پچاس سے زائد حضرات کے مضامین (علاوہ کتب) محفوظ ہیں، جن کا مجموعہ ایک ضخیم کتاب کی شکل میں نمودار ہوگا۔

مذکورہ متفقہ فتویٰ کا ایک اِجمالی تنقیدی جائزہ بعنوان ''اسلامی بینکاری اور صراطِ مستقیم'' روزنامہ ''اُمت'' کراچی مؤرخہ ۲۲/فروری ۲۰۰۹ء میں طبع ہوا، جو محبِّ محترم مولانا رعایت اللہ فاروقی صاحب کا ہے۔

اس بندۂ خدا نے جس بہترین، مستند، معتدل اور عمدہ انداز میں متفقہ فتویٰ کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے، شاید کوئی اور شخص پیش نہ کر سکے، اس تنقیدی جائزے کو پڑھ کر علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کو ٹھنڈے دِل و دِماغ سے سوچنا چاہیے کہ آیت ''وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ'' کا مفہوم کیا ہے؟ مشہور مقولہ ''من حفر بئرًا لأخيه فقد وقع فيه'' کا مطلب کیا ہے، مکافاتِ عمل کس مصیبت کا نام ہے اور تاریخ کس طرح بے رحم ہوتی ہے جو ہر شخص کو پردوں سے نکال کر بطور نمونۂ عبرت سامنے کھڑا کر دیتی ہے۔

تقریر کو دوام ہو یا نہ ہو، تحریر ہمیشہ صفحۂ قرطاس پر باقی رہتی ہے جو خونِ شہید کی

طرح کبھی نہ کبھی رنگ لاتی ہے اور انقلاب برپا کر دیتی ہے، جن دوستوں اور بزرگوں نے دانستہ و نادانستہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے خلاف کنایۃً ، اِشارۃً ،طنزیۃً اور صراحۃً سخت سے سخت ترین الفاظ، گالیاں، نازیبا و نامناسب کلمات وعبارات رقم فرمادیئے ہیں، اگران َ ومیں نقل کروں تو بھی ایک کتاب بن جائے گی۔

چن دن قبل میں ایک دوست مولانا مفتی .... صاحب کے پاس گیا تھا، انہوں نے مجھے چند علماء کے خطوط دِکھائے جن کو پڑھ کر مجھے احساس ہوا کہ تکفیر کے علاوہ بقیہ سارے گندے الفاظ مولانا عثمانی صاحب کے خلاف اِستعمال ہو چکے ہیں، اب صرف عثمانی صاحب کو کافر قرار دینا باقی رہ گیا ہے، اگر یہی رفتار رہی تو شاید وہ مرحلہ بھی آجائے گا جس طرح وقت کے علماء نے شیخ اکبر محی الدین بن عربی، شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور منصور حلاج کو کافر قرار دِیا تھا، لیکن زمانے اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو بلند وبالا مقام ومرتبہ مذکورہ اولیائے کرام کو عطا کیا ہے اس پر رشک ہی کیا جاسکتا ہے، اور کافر قرار دینے والوں کا حشر بھی تاریخ میں محفوظ ہے۔

ذرا ماضی قریب کی طرف لوٹیں اور جائزہ لیں کہ جن لوگوں نے حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو انگریز کا ایجنڈا قرار دِیا، اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کو جسمانی ورُوحانی اذیتیں دیں ان کا انجام کیا ہے؟

کاش! وہ خطوط اگر مجھے مل جاتے یا میں حکمت ومصلحت کا شکار نہ ہوتا تو میں مرسلین کے نام تاریخ میں محفوظ کر دیتا اور یہ لکھ دیتا کہ آنجناب نے جن اِلزامات کے تحت یہ سب کچھ لکھ ڈالا بعینہٖ وہی اِلزامات آنجناب کی تحریر وتقریر میں بھی موجود ہیں اور ثبوت ساتھ ہیں، پھر لوگوں کو آیت "مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ" اور آیت "وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ" کا مفہوم بہترین انداز میں سمجھ میں آجاتا۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

اس کے بعد مذکورہ عالمِ دِین نے مجھے ملک و بیرونِ ملک کے بیسوں سے زائد قابلِ تقلید دیوبندی شخصیات و مشائخ کے خطوط اور درجنوں سے زائد مستند دارالافتاء کے فتاویٰ دِکھائے جو حال ہی میں انہیں موصول ہوئے اور وہ مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب اور ان کے رائج کردہ نظامِ بینک کی حمایت میں ہیں۔ اگر صرف ان حمایتی علماء ومفتیانِ کرام کے نام لکھے جائیں تو ۳۱ کا عدد اَفسانے میں تبدیل ہوجائے گا، پھر ان حمایتی مفتیان میں بعض تو وہ ہیں جن پر اُنگلی بھی نہیں اُٹھ سکتی۔

مجھے مذکورہ عالمِ دِین نے بتایا کہ مخالف مضامین وخطوط کو پڑھ کر مولانا عثمانی صاحب حرم پاک گئے اور رو کر دُعا کرنے کے بعد اِستخارہ کیا، اس کے بعد اِطمینانِ قلب ہوا اور مذکورہ اِلزامات، اِعتراضات اور شبہات کے جوابات لکھنے پر اپنے آپ کو آمادہ پایا۔ شاید یہ جواب قلیل مدّت میں طبع ہوکر آجائے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال و لا یخفیٰ علیه ذرۃ مثقال۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لیے

قارئین کرام! آپ کو معلوم ہے کہ مولانا عثمانی صاحب عرصۂ دراز تک وفاقی شرعی عدالت کے قاضی اور جج بن کر سود کی حرمت پر فیصلے دیتے رہے اور مقالات لکھتے رہے، بلکہ سود کے متبادل شرعی نظام نافذ کرنے کے لیے حکومت کو بھی الٹی میٹم دیتے رہے، اس دوران مشرف حکومت نے عثمانی صاحب پر دباؤ ڈالا، پیشکش کی اور ہر حربہ اِستعمال کیا تاکہ عثمانی صاحب حکومت کے خلاف سودی فیصلے کو واپس لے لیں، لیکن عثمانی صاحب نے پیشکش، دباؤ اور ہر حربے کو ٹھکرا کر مستعفی ہونے کو ترجیح دی تاہم فیصلہ واپس نہیں لیا۔ آج آپ نے اسی شخص پر یہ اِلزام لگادیا کہ یہ سود کو حلال قرار دے رہے ہیں جبکہ ان کی تحریر و تقریر میں اس قسم کا کوئی جملہ نہیں ہے، پھر آپ نے سود کی حرمت پر مشتمل آیتوں اور روایتوں کو موٹے موٹے انداز میں لکھ کر ان پر فٹ اور چسپاں کردیا، جس سے یہ تأثر اُبھرا کہ عثمانی

صاحب اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر رہے ہیں اس لیے وہ مبتدع، مفتری اور دریدہ دہن ہیں بلکہ سلبِ ایمان کا خطرہ بھی ہے۔

پھر آپ نے لکھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حدیث ''من رای منکم منکرًا الخ'' پر عمل آپ کے فرائض میں داخل ہے، اس لیے مسلسل مخالفت میں مضامین لکھنا اور خطوط شائع کرنا آپ کے لیے ضروری ہوگیا، جبکہ ملک میں جاوید غامدی اور خالد مسعود سمیت ایسے بے شمار افراد آج بھی زندہ ہیں جو علانیہ طور پر مطلق تصویر وسود کی حلت پر کتابیں لکھنے کے علاوہ بھی بہت کچھ مسخ کر چکے ہیں، لیکن آپ نے ان کے خلاف مذکورہ فریضہ کبھی ادا نہیں فرمایا، فما هو جوابکم، کیا وہ حرام کو حلال قرار دینا نہیں تھا؟

میں تو سمجھتا ہوں کہ اس موضوع پر دارالعلوم دیوبند کی طرف سے جو فتویٰ شائع ہوا، وہ سنجیدہ اور متعدل ہے، فتویٰ یہ ہے:-

''حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ العالی کا قائم کردہ جاری شدہ اسلامک بینکنگ ماڈل کے اُصول وضوابط اور عملی طریق کار وغیرہ ہمارے سامنے نہیں، اس لیے کوئی حتمی رائے لکھنا بھی مشکل ہے، تاہم حضرت مفتی صاحب موصوف مدظلہ جبکہ فقہ و فتاوی پر عمیق نظر رکھتے ہیں اور اسلامی طریق پر بینکاری نظام کو چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، سود اور دیگر غیر شرعی معاملات سے نظام کے تحفظ کی اِستعداد رکھتے ہیں تو ایسی صورت میں مذکور فی السوال ماڈل شرعاً دُرست وصحیح ہونا ہی راجح ہے۔ اگر کسی جزوی معاملے میں مقامی علمائے کرام، اصحابِ فتویٰ حضرات کو اِختلاف ہو تو تنہائی (عوام میں تشہیر کیے بغیر) میں بیٹھ کر اہلِ علم حضرات حکمت کے ساتھ اِصلاحی قدم اُٹھائیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

(فتویٰ: ۱۹۰-۲۴۶/۲۴۶ھ) از: (مولانا مفتی) محمود حسن بلند شہری غفرلہ ۲۸/۱/۱۴۳۰۔ الجواب صحیح: (مولانا مفتی) حبیب الرحمٰن، (مولانا مفتی) زین الاسلام، (مولانا مفتی) وقار علی، (مولانا مفتی) خورشید حسن۔ مفتیانِ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند ۲ ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ۔

کیا متبادل بتانا ضروری نہیں؟

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مفتیانِ کرام اور مقتدائے عظام کا کام صرف جائز وناجائز کا حکم بتانا ہے، متبادل بتانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اگر متبادل بتانا فرضِ عین نہ بھی ہوتو فرضِ کفایہ تو ضرور ہوگا، کیونکہ علماء انبیاء کے وارثین ہیں، انبیاء کے فرائض میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ خیر وشر دونوں راستے اُمت کو بتائیں تاکہ اُمت شر سے بچ کر خیر کا راستہ اختیار کرے، صرف شر سے روکنا اور خیر کا راستہ نہ بتانا کافی نہیں ہے، آیت "وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ" کے تحت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ ہم نے خیر اور شر دونوں کی راہیں بتلادیں کہ بُرے راستے سے بچے اور اچھے راستے پر چلے، اور یہ بتلانا اِجمالی طور پر عقل و فطرت سے ہوا، اور تفصیلی طور پر اَنبیاء ورُسل کی زبان سے۔ مزید تفصیل کے لیے رُوح المعانی اور ابنِ کثیر ملاحظہ کرلیجئے۔ یا یوں سمجھئے کہ جب آپ نے زِنا کو حرام کہہ دیا تو اس کے متبادل نکاح کا راستہ بھی بتانا ہوگا تاکہ وہ زِنا سے بچ کر نکاح کا راستہ اِختیار کرلے اور اس طرح متبادل بتانا فرضِ کفایہ ہے۔ اس پر مزید دلائل پیش کرنے، مثالیں اور نظائر کے ڈھیر لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جہاں بھی "امر بالمعروف" کا ذِکر ہے اسی کے ساتھ اکثر و بیشتر جگہوں میں "نہی عن المنکر" کا بھی ذِکر ہے۔ آیت "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" میں غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے رِبا کے متبادل بیع کو ذِکر کیا اور اس کی تفصیل انبیاءؑ نے اور انبیاءؑ کے توسط سے علماء نے بتائی اور یہ علماء کے فرائض میں داخل ہے جو کہ فرض علی الکفایہ ہے۔

اگر ائمہ متبادل نہیں بتائیں گے تو پھر اُمت کیا کرے گی؟ اور متبادل بتانے والے کون ہوں گے؟ اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات نہیں ہے اور اس میں سب اُمور کا حل موجود نہیں ہے (معاذ اللہ) یا ائمہ میں نقص ہے۔

ڈاکٹر اور طبیب کے فرائض میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ پرہیزی اشیاء کے

ساتھ وہ چیزیں بھی بتائیں جن کو مریض اِستعمال کرسکتا ہو، اس لیے شریعت نے جہاں ربا سے منع کیا ہے وہیں بطورِ متبادل بیع کی اجازت بھی دی ہے، بہرحال یہ ایک الگ بحث ہے۔

خلاف اور اِختلاف

خلاف، اِختلاف اور حدود و تنقید پر تو مستقل کتابیں موجود ہیں، خصوصاً حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہریؒ کی کتاب ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی ''اِختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم'' تو نہایت ہی سبق آموز اور مستند کتابیں ہیں، جبکہ مشاجراتِ صحابہ کے واقعات تو ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اِختلاف کا معنی دلائل کی بنیاد پر حق کی تلاش میں اپنا موقف اختیار کرنا اور یہ سراپا رحمت ہے، اس لیے مقولہ مشہور ہے ''اختلاف العلماء رحمةٌ'' یعنی علماء کا اِختلاف باعثِ رحمت ہے، اس کی بہت سی مثالیں کتبِ حدیث و تاریخ میں ہیں۔

خلاف بمعنی ہٹ دھرمی اور ضدی، یہ رحمت نہیں ہے، بلکہ زحمت ہے، اسی کی طرف فقیہ الامت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان الفاظ سے اِشارہ کیا ہے ''الخلاف شرٌّ'' یعنی خلاف تو شر ہے۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھیں کہ فتنۂ تاتار سے قبل علمائے کرام کس چیز پر مناظرہ کر رہے تھے اور ایک دُوسرے کو کوّے کی حلت و حرمت پر کفر کا فتویٰ دے رہے تھے جو کہ از قبیل خلاف تھا، پھر بغداد پر کیا قیامت بپا ہوئی؟ خدا نہ کرے کہیں ہمارا بھی یہ حال نہ ہو، کیونکہ کوئی اِنکار کرے یا اِقرار اَب یہ مسئلہ بڑوں کے ہاتھ سے نکل کر ہر فریق کے حمایتیوں میں آ گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موافقین نے اب تک اپنے کسی بھی فتویٰ کے لیے متفقہ فتویٰ، معتمد علیہ فتویٰ، جمہور کا فتویٰ، اُمت کا اِتفاقیہ فتویٰ جیسے الفاظ اِستعمال نہیں کیے، جبکہ میں خود بھی شواہد کے ساتھ ۱۳ سے زائد ان مفتیانِ کرام کا تعارف پیش کرسکتا ہوں جو موافقین میں شامل ہیں۔ پھر طرفین کے مبلغ علم اور منتہائے علم کا موازنہ بھی باآسانی کیا جاسکتا ہے۔

اند کے باتو گفتم غم دل ترسیدہ
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلہ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں، بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اللہ تعالیٰ مجھے حق کہنے، حق لکھنے، حق بولنے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے اور محسود الاقران کے مرضِ لاعلاج سے حفاظت فرمائے۔

****

تحریر: صغیر مکی

مروّجہ اسلامی بینکاری کا مفصل فتویٰ
ایک معروضی جائزہ

غیر سودی بینکاری کے علمی موضوع پر صحافیانہ انداز سے لکھی جانے والی چار سو کے قریب صفحات پر مشتمل یہ کتاب رُفقائے دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی طرف سے لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں اگر کچھ شرعی دلائل ہوں تو ان کا جواب تو عالم اور علماء ہی دے سکتے ہیں، لیکن ایک عام قاری جسے دِین سے کچھ لگاؤ ہو اور کچھ اُردو ادَب سے بھی، وہ اس کتاب میں بیان کردہ اُصول، عمومی کلیات، طنز و استہزا کے مزاحیانہ کلمات، بین السطور تعریضات، واقعاتی حقائق کو مسخ کرنے والی عبارات، اور ایک مدرسے کے نوجوان علماء کی طرف سے دُوسرے دِینی مدرسے کی بزرگ شخصیت اور اس شخصیت کے قریبی اکابر کے بارے میں کھٹے میٹھے، چٹ پٹے کلمات کو کس انداز سے دیکھتا ہے، ان کا اظہار بھی ضروری ہوگیا ہے جو اس مضمون کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ اس مضمون میں کتاب کی جو عبارات بقید صفحات نقل کی گئی ہیں وہ اصل کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں (ایڈیشن ذوالقعدہ ۱۴۲۹ھ)۔

لیکن اس مفصل فتویٰ کی اصل عبارات پڑھنے سے پہلے ایک نظریہ بھی دیکھ لیں۔

۱- علمائے دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ دِینی مدارس کی تاریخ میں شاید یہ پہلی کتاب ہے جو ایک بڑے شہر کے وسط میں واقع ایک مدرسہ ''جامعۃ العلوم الاسلامیہ'' کے دارالافتاء کے رُفقاء نے اسی شہر کے ایک کونے میں واقع مدرسہ ''جامعہ دارالعلوم کراچی''

کے دارالافتاء اور اس کے نگرانِ اعلیٰ حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے خلاف لکھی ہے۔ یہ دونوں مدرسے دیوبندی مکتبِ فکر کے نامور مدرسے ہیں، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کراچی شہر کے دو بڑے مدرسوں میں سے ایک مدرسے نے دُوسرے کے خلاف اور اس کی ایک بزرگ شخصیت کو نشانہ بنا کر یہ کتاب تحریر کی ہے، اور یہ وہ عظیم شخصیت ہے جسے سابقہ دور کے عظیم فقہاء و محدثین کی طویل صحبت و رفاقت ہی نہیں بلکہ ان کی شفقت اور ان کا اعتماد حاصل رہا ہے۔

۲- یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جب تک کتاب طبع ہو کر منظرِ عام پر نہ آ گئی اس کے مسوّدے کی کاپی بھی دُوسرے مدرسے (جامعہ دارالعلوم کراچی) کو فراہم نہیں کی گئی تاکہ اسے دھماکے کی شکل میں لایا جاسکے، البتہ ہوا یہ کہ دھماکا جہاں سے کیا گیا وہیں گرد و غبار اُٹھا اور غیر سودی اِدارے اور دیگر بہت سے مدارس بحمداللہ اس کے گرد و غبار سے بھی محفوظ رہے۔

۳- یہ بھی پتہ چلا ہے واللہ اعلم کہ اجمالی فتویٰ کی اخباری اشاعت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم بنفسِ نفیس خود چل کر دارالافتاء بنوری ٹاؤن ان جدید مفتیانِ کرام کے پاس تشریف لے گئے تھے اور فرمایا کہ آپ نے ہمیں مشورے میں شریک نہیں کیا کیونکہ ہم اب اس کے اہل نہیں رہے، لیکن جس مفصل تحریر کا آپ نے اعلان کیا ہوا ہے اس کی ایک کاپی اگر دے دیں تو میں بھی اسے دیکھ لوں، لیکن انہیں کاپی نہیں دی گئی بلکہ یہ فرما دیا گیا کہ ابھی وہ زیرِ طبع ہے جب طبع ہوگی آپ تک پہنچ جائے گی۔

۴- اگر دارالافتاء بنوری ٹاؤن کے ان جدید مفتیانِ کرام نے حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سیّد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت و معیت کا طویل شرف نہیں اُٹھایا اور انہیں ان اکابر کے طریق کا علم نہیں تو اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں، لیکن جس شخص کو ان دونوں مدرسوں کے سابقہ قریبی محبت و مشاورت کے تعلقات کی تاریخ کا کچھ علم ہو تو اس کے لیے یہ سب کچھ بہت حیرانی کی بات ہے۔

جامعہ بنوری ٹاؤن کے سابق رئیس دارالافتاء حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی

رحمۃ اللہ علیہ، مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے، پہلے جامعہ دارالعلوم کراچی میں تدریس کرتے رہے پھر جب جامعہ بنوری ٹاؤن تشریف لے گئے تو بھی مجلسِ تحقیق مسائلِ حاضرہ میں شرکت کے لیے جامعہ دارالعلوم کراچی تشریف لے جاتے تھے اور اپنے عزیز ترین شاگردوں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور اب کے مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم کے ساتھ مسائل جدیدہ کی تحقیق میں تعاون فرماتے تھے، وہ اپنے ان دونوں جلیل القدر شاگردوں کے ساتھ صرف تعاون نہیں شفقت و اعتماد کا خاص اہتمام کرتے تھے بلکہ بہت بے تکلفی کے ساتھ محبت و دوستی کی حد تک شفقت فرماتے تھے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے بانی اور رئیس حضرت علامہ مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی خدمت میں کس طرح تشریف لے جاتے، کس طرح مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ میں شریک ہوتے، اس کا تو ان نئے مفتیانِ کرام نے مشاہدہ نہیں کیا ہوگا، لیکن اتنی بات کی تصدیق تو وہ کسی بھی واقفِ حال سے کرسکتے ہیں کہ جب قادیانیوں کے خلاف اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں مقدمہ چلا تو اس میں شرعی دلائل جمع کرنے اور مسلمانوں کی طرف سے قادیانیوں کے خلاف شرعی موقف جمع کرنے کے لیے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ہی کو بلایا تھا اور انہی کی تحریر پر اعتماد کیا گیا، پھر جب اسلامی نظریاتی کونسل میں حضرت علامہ مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کو رُکن نامزد کیا گیا تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کس طرح ان پر اعتماد کرتے اور ان کی تحریرات کی تصدیق فرماتے تھے۔

افسوس! کہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کا وہ نشیمن اب جن نوجوان علماء کے تصرف میں ہے انہیں پُرانی کسی بات کا علم نہیں ہے یا پھر غیظ وغضب میں تجاہلِ عارفانہ ہے اور اپنے اس نشیمن سے وہ ان معتمد علیہ بزرگوں پر سنگ باری کررہے ہیں جن سے خود اس نشیمن کے

اکابر دِلی محبت رکھتے تھے۔

۵- رُفقائے دارالافتاء کی ایک کتاب میں کہیں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ اسلامی بینکاری اسلامی شراب نوشی کی طرح ممکن ہی نہیں ہے، کہیں یہ فرمایا گیا ہے کہ ممکن تو ہے لیکن صرف اُسی وقت جبکہ صرف شرکت ومضاربت اور قرضِ حسن کا معاملہ ہو۔ مرابحہ، اِجارہ اور دُوسرے مالی معاملات نہ ہوں، کبھی یہ فرمایا گیا کہ حضرت مولانا مدظلہم کو دو طبقوں نے دھوکا دیا ہے۔ پھر آگے چل کر یہ فرمادیا گیا کہ خود حضرت مولانا مدظلہم نے جن اُصولوں پر اِسلامی بینکاری تجویز کی وہ اُصول دُرست نہیں ہیں۔ پھر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ یہ فکر منحرف گمراہ فرقوں کی ہے جسے اِختیار کیا گیا ہے، آخر میں تان اس پر توڑی ہے کہ یہ طرز اور صنیع خالصۃً علمائے یہود کا ہے!!

آیئے اب ہم اس کتاب کی اصل چیدہ چیدہ عبارتیں پڑھیں اور پھر دیکھیں کہ ان رُفقاء نے حسنِ ادب کے پردے میں بے ادبی، آداب و القاب کے پردے میں طنز و اِستہزا، اور بین السطور تعریضات کے ذریعے اکابر علماء کے خاکے اُڑانے کا جو طریقہ اِختیار کیا ہے وہ کیا ہے اور علمی تحریر کے نام پر کیا کچھ کہا ہے۔

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

ا......ص:۱۵ پر اس کتاب کے اہم ترین پیش لفظ میں ارشاد ہے:-

''اسلام اور بینکاری اپنی بنیادی خصوصیات اور اَہداف کی وجہ سے دو متضاد حقیقتیں ہیں، اس لیے اس معنی میں نہ تو بینکاری کا اِسلامی تصوّر قابلِ قبول ہے اور نہ اِسلام اور بینکنگ کو جمع کرنا ممکن ہے۔''

اس اُصولی عبارت کی روشنی میں تو ''اسلامی بینکاری'' ممکن ہی نہیں ہے، اور ''اسلامی بینکاری'' کے لیے کوئی بھی کوشش ایسی ہوگی جیسے ''اسلامی شراب نوشی'' کی کوشش۔ چنانچہ آگے ص:۱۶ پر اس اُصول کی وضاحت کرتے ہوئے یہی مثال دی گئی ہے۔ لہٰذا اُمت

مسلمہ، تمام علماء کو ''اسلامی بینکاری'' کی ہر کوشش سے توبہ کرلینی چاہیے۔

۲......ص:۳۴ پر مقدمے میں فرمایا گیا:-

''اگر غور فرمایا جائے تو بینکاری کا اسلامی تصوّر شرکت و مضاربت کے منصوص و منقول اَحکام میں منحصر ہے، اگر کسی مصلحت و حکمت یا علت کو بنیاد بناتے ہوئے اسلامی سرمایہ کاری اور بنیاد پر بینکنگ کے لیے چل نکلے تو یقیناً اس میں مذکورہ خرابی لازم آئے گی۔''

شرعی طور پر جائز مالی معاملات کو شرکت و مضاربت کے منصوص اور منقول اَحکام میں منحصر کرنا متکلم فیہ ہے۔ اگر عام مسلمان تاجر ہو یا سرمایہ دار، غریب ہو یا اَمیر، بینکار ہو یا فیکٹری کا کارکن، اجارہ، اِستصناع، بیع مرابحہ، بیع مساومہ اور دُوسرے جائز مالی معاملات کرے تو اسے شرعاً کیسے ممنوع قرار دیا جاسکتا ہے؟

۳......ص۳۴:-

''ہماری معلومات کے مطابق مروّجہ اسلامی بینکوں میں اِجارہ اور مرابحہ وغیرہ کے نام سے سرمایہ کاری کے جو طریقے سودی بینکوں کے طرز پر اِختیار کیے گئے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ شرکت و مضاربت کی شرعی بنیادوں پر بینکنگ کی راہ میں رُکاوٹ ہیں، بلکہ سودی نظام کے ساتھ مشابہت اور سودی حیلے کا کام دینے کی وجہ سے اسلامی سرمایہ کاری نظام کی ناقص اور مسخ شدہ تصویر بھی پیش کررہے ہیں، اس لیے ان مسخ شدہ صورتوں کو مروّجہ اسلامی بینکاری سے جدا کیے بغیر اتفاقِ رائے مشکل ہے۔''

اب تک تو ہم طالبِ علم اپنے مخدوم اساتذہ سے یہی سنتے چلے آرہے تھے کہ رِبا حرام ہے، اور شبہۃ الربا بھی، لیکن محض مشابہت حرام نہیں، اس عبارت نے تو مشابہت کو بھی حرام قرار دے دیا ہے۔

۴......ص ۳۶:-

''اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ تمام علمائے کرام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں اس بات پر خوب زور دیں کہ علماء کے درمیان اِختلاف محض علمی نوعیت کا ہے، ذاتیات کا نہیں ہے۔''

آپ کی بات تو بجا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ علمی اِختلاف تو مجتہد فیہ مسائل میں ہوتا ہے جبکہ آپ نے اسے حق و باطل کا اِختلاف قرار دیا ہوا ہے، اور ''ذاتیات کا نہیں'' اگر بجا ہے تو پوری کتاب کا نشانہ صرف ایک شخصیت کو کیوں بنایا گیا ہے؟

۵......ص ۴۲:-

''جہاں تک صحیح اسلامی بنیادوں پر اِسلامی بینکاری کے قیام کے لیے نیک جذبات اور کوششوں کا تعلق ہے، ان کے محمود و مطلوب اور قابلِ ستائش ہونے میں ذرّہ بھر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔''

اگر اِسلامی بینکاری اسلامی شراب نوشی کی طرح ہے جیسا کہ ص:۱۵ میں اُصولی طور پر صاف فرمایا گیا ہے تو وہ محمود و مطلوب اور قابلِ ستائش کیسے ہوگی؟ ایک ہی فتویٰ کی کتاب میں اتنا بڑا تعارض!

۶......ص ۴۴:-

''مروّجہ اسلامی بینکوں کے غالب عنصر کی رعایت کرتے ہوئے مروّجہ اسلامی بینکوں، کو ''اسلامی بینک'' کی بجائے ''حیلہ بینک'' کہنا انصاف اور دیانت کا تقاضا ہوگا۔''

حیلہ بینک کی اِصطلاح تو جناب نے اِیجاد فرمائی ہے، لیکن علماء اور فقہاء غالبًا اسے مخلَص کہتے ہیں یعنی حرام سے بچنے کا ایک راستہ۔

۷......ص ۴۹:-

''اور کیا ہی ستم ظریفی ہوگی کہ مولانا مدظلہم کو اس نظام کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے بدکلامی، بدزبانی اور دریدہ دہنی کی نوبت بھی آجائے۔''

لیکن جناب نے طنز، استہزا اور بین السطور تعریضات کا جو ادبی طریقہ اختیار کر کے مولانا مدظلہم کو اپنی تحریرات کا نشانہ بنایا ہے کیا وہ ستم ظریفی میں نہیں آتا؟

تمہاری زلف میں آئی تو حسن کہلائی

۸.....ص ۵۳:-

''ہم اپنی تحقیق اور جستجو کے بعد یہ عرض کرتے ہیں کہ مروّجہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے علمائے کرام کا اختلاف صرف راجح مرجوح کا اختلاف نہیں ہے جس میں چشم پوشی سے کام لیا جاسکے، بلکہ یہ اختلاف حلال اور حرام کا اختلاف ہے۔ دُوسری طرف مروّجہ اسلامی بینکوں کو جائز کہنے والے حضرات بھی اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار بھی کرتے ہیں کہ مروّجہ اسلامی بینک مکمل حلال اور خالص اسلامی ہرگز نہیں بلکہ کچھ حلال اور کچھ حرام ہے، ان کے بقول اسلامی بینکوں میں سودی اور غیر سودی معاملات کی شرح روایتی بینکوں کی بنسبت کم ہے اس لیے یہ ''اَہوَن سود'' ہونے کی بنا پر اسلامی بینک ہے، اور اس کے ساتھ معاملات کرنا شرعاً جائز ہے، وغیرہ وغیرہ۔''

اسلامی بینکوں کو جائز کہنے والوں کی طرف جس حقیقت کے اِعتراف و اِظہار کی نسبت کی گئی ہے کیا اس کی دلیل میں آپ ان کی کوئی تحریر دِکھا سکتے ہیں؟ اگر آپ کے پاس اس کے ثبوت کے لیے نہ کوئی تحریر ہو، نہ بینہ شرعیہ تو کیا یہ کذبِ صریح اور کسی عالم پر بہتانِ محض نہیں ہے؟ اور عالم پر بہتان لگانے والے کا شرعی حکم کیا ہے؟

۹......ص ۵۶:-

''بخدا ہمارے پیشِ نظر نہ کسی کے خلاف سازش ہے نہ کوئی
محاذ آرائی ہے اور نہ ہی کسی باعزّت انسان کی توہین و تنقیص ہے،
ہمارا مقصد صرف اور صرف اِظہارِ حق ہے اور بس!''

محاذ آرائی تو سب کے علم میں آچکی ہے، اور کتاب میں جس باعزّت عالمِ دِین کی صحافیانہ انداز سے اور ادبی مٹھاس لگا کر توہین و تنقیص کی گئی ہے، وہ بھی پڑھنے والا بآسانی سمجھ سکتا ہے، خواہ وہ عالم ہو یا غیر عالم، صرف اُردو دان ہونا کافی ہے۔

۱۰......ص ۶۱:-

''اسلامی بینک کی پہلی خصوصیت بلکہ علامت اور پہچان
یہ ہے کہ وہ شرکت و مضاربت کے شرعی اُصولوں پر سرمایہ کاری
کرے اور مالی استحکام ہو تو قرضِ حسن کے ذریعے لوگوں کے ساتھ
معاملات کرے، اس کے علاوہ کوئی اور تمویلی طریقہ Mode of
Financing اسلامی بینک کی مستقل بنیادوں میں شریعت کی رُو
سے قابلِ قبول نہیں ہے۔''

فتویٰ کی اس عبارت کے مطابق تمام تاجروں، سرمایہ کاروں اور سرمایہ داروں پر لازم ہوگیا ہے کہ وہ اپنی وسیع تجارت صرف شرکت اور مضاربت کے شرعی اُصولوں پر کریں یا لوگوں کو قرضِ حسن دیں، اس کے علاوہ کوئی مستقل طریقہ شریعت کی رُو سے قابلِ قبول نہیں ہے۔

۱۱......ص ۶۵:-

''دُوسرے یہ کہ وہ اسلام کے نام پر جھوٹ، فریب اور دھوکا
جیسے کئی زخم پہلے سے کھائے بیٹھے تھے، بالخصوص ان علمائے کرام کے
آنسو ابھی تک خشک نہیں ہوئے تھے جن کی ہمدردیاں اور عوامی اثر

رُسوخ حاصل کرنے کے لیے پاکستان کا مطلب کیا "لا اِلٰہ اِلاَّ اللہ" جیسے نعروں سے علمائے کرام اور عوام کے ساتھ دھوکوں پر دھوکے کیے گئے تھے۔"

فاضل مؤلف کو چونکہ پاکستان کا وجود ابھی تک گوارا نہیں ہے اور نہ یہاں کوئی اسلامی کوشش اچھی نظر آتی ہے، اس لیے انہوں نے اس فتویٰ میں بھی اپنی اندرونی ذہنیت کی عکاسی کر دی ہے۔

۱۲.....ص ۷۴، ۷۵:-

"یہاں پر صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ پاکستان میں مروّجہ اسلامی بینکاری کے موجد حضرت مولانا مدظلہم ہیں۔ اس سلسلے میں ملکی سطح پر اربابِ فقہ وفتاویٰ اور اہلِ علم کی باقاعدہ متفقہ مشاورت تو نہیں ہوسکی تھی، البتہ مولانا کی شخصیت اور آپ کی امانت و دیانت پر اِعتماد کرتے ہوئے عوام الناس مروّجہ اسلامی بینکاری کی طرف راغب ہوئے اور اس نظام کا حصہ بننا شروع ہوگئے۔"

سارا نزلہ ایک شخصیت پر، وہی موجد، وہی ملزم، وہی مجرم، اور باقی سب پاکباز!

۱۳.....ص ۷۹، ۸۰:-

"ان حیلوں کے ذریعے حاصل ہونے والا مرابحہ کا "رنح" اور اِجارہ کی اُجرت ۱۹۸۱ء کی "بلاسود بینکاری" کے "مارک اَپ" سے سرِمو مختلف نہیں ہے، جس طرح وہ "مارک اَپ" شرعی اعتبار سے خالص سود اور سرمایہ کاری کے اسلامی نظام پر بدنما داغ تھا، بعینہٖ اسی طرح، بلکہ اس سے بڑھ کر مروّجہ مرابحہ کا رنح اور اِجارہ کی اُجرت بھی سود ہے اور روایتی بینکاری میں اسلامی پیوند کاری گھناؤنے جرم کے مترادف ہے۔"

﴿نئی تحقیق﴾

مرابحہ میں نفع اور اِجارہ میں ملنے والی اُجرت بھی سود ہے، اور روایتی بینکوں میں اسلامی پیوندکاری کے گھناؤنے جرم کا مرتکب کون ہے؟ یہاں یہ واضح نہیں فرمایا کیونکہ صحافیانہ ادب میں بین السطور بھی مجرم کا تعین ہو جاتا ہے۔

۱۴......ص ۸۳:-

''مروّجہ اسلامی بینکوں کو ''اسلامی'' کا نام دینے میں ایک اور بڑی رُکاوٹ یہ ہے کہ مروّجہ اسلامی بینکوں کے حامی اور مخالف تمام اہلِ علم کا اس بات پر اِتفاق ہے کہ ان بینکوں کے معاملات سو فیصد اِسلامی ہرگز نہیں ہیں۔''

جس اِتفاق کا اس عبارت میں ذِکر کیا گیا ہے اور اِسلامی بینکوں کے حامی علماء کی طرف جس اِتفاق کی نسبت کی گئی ہے اگر وہ کذبِ صریح ہو تو، کیا اس جھوٹ سے دُنیا میں سچی توبہ کا مؤلف کی طرف سے کوئی اِمکان ہے؟

۱۵......ص ۸۳:-

''پس جو اِدارہ اِسلام کی چند جزئیات کو لے کر (وہ بھی قطع و برید اور کانٹ چھانٹ کے ساتھ) اپنے اُوپر پورے اسلام کا ''لیبل'' ظاہر کرے تو عملاً ایسا کرنا بدترین خیانت اور دھوکا دہی کہلائے گا۔''

دُوسروں کی طرف غلط بات منسوب کرنا شائد مؤلف کی فطرت میں داخل ہو گیا ہے، پورے اسلام کا لیبل تو کسی عالم نے نہیں لگایا، ہاں یہ کہا گیا ہے کہ ان کے مالی معاملات شرعی جواز کے دائرے میں آتے ہیں۔

۱۶......ص ۸۷:-

''اس بنا پر بطورِ خاص یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''مروّجہ اسلامی

> بینکوں'' میں اسلام کے عنصر کی وہی شرح ہے جو ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کے رائج نظام میں اسلام اور جمہوریت کے عنصر کی شرح ہے۔
>
> اس لیے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر ضرور ہوا، مگر ۶۰ سال گزرنے کے باوجود پاکستان میں اسلام اور اہلِ اسلام کے ساتھ نظر اندازی اور دھوکا دہی کا معاملہ کیا جارہا ہے، بعینہٖ یہی معاملہ اسلامی بینکوں کے موجدین کے ساتھ ہوتا دِکھائی دے رہا ہے۔''

اس وقت کی ساری کافر اور طاغوتی طاقتوں کی نگاہ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان اور سعودی عرب کی ریاستیں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہیں حالانکہ ان دونوں جگہوں میں سب کچھ اچھا نہیں۔ مؤلف اور ان کے ہمزاد حضرات کو اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ریاست چونکہ شروع سے گوارا نہیں اس لیے اسلامی بینکوں کو ملامت کرتے کرتے اُن کا رُخ ان کی اپنی فطرت کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان کی طرف بھی ہوا اور حسبِ عادت اُسے بھی ملامت کی جانے لگی، **وما تخفی صدورھم اکبر**۔

۱۷......ص ۹۳:-

> ''جس کا اِیمانی وعملی لحاظ سے خطرناک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جو مسلم بینکار، سودی بینک کے معاملات کا ناجائز سمجھتے ہوئے انجام دے رہا تھا وہ مسلم بینکار انہی جیسے معاملات کو اِسلامی چھتری کے نیچے جائز اور اسلامی سمجھ کر انجام دے رہا ہے، اور یہ سب کچھ علماء کے کاندھے پر رکھ کر رہا ہے۔ شریعت کی رُو سے مؤخر الذکر مسلم بینکار پہلے مسلم بینکار سے زیادہ بڑا گناہگار اور مجرم ہے۔''

فتویٰ کی اس پوری عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ سودی بینکوں میں سود کھانے والے

مسلم بینکار کم گناہگار ہیں اور غیر سودی بینکوں میں سود سے بچنے کی کوشش کرنے والے مسلم بینکار بڑے گنہگار اور بڑے مجرم ہیں۔

۱۸......ص ۱۰۱:-

''اسٹیٹ بینک نے گزشتہ چار برسوں سے یہ غیر اسلامی اور تباہ کن پالیسی اپنائی ہوئی ہے کہ ملک میں سودی بینک اور اسلامی بینک غیر معینہ مدّت تک ساتھ کام کرتے رہیں گے چنانچہ سودی نظام کو دوام بخش دیا گیا ہے الخ۔''

یہ صورتِ حال تو اس فیصلے کی پیداوار ہے جو حضرت مدظلہم کو ہٹا کر شریعت اپلیٹ بنچ سے لیا گیا اور جس میں ایک دُوسرے عالم صاحب حضرت کے موقف سے پیچھے ہٹ کر حکومت کے ہم نوا بن گئے۔

۱۹......ص ۱۰۴، ۱۰۵ پر مؤلف صاحب یا مؤلفین صاحبان نے جامعہ دارالعلوم کراچی کے فتویٰ کا فوٹو درج کیا ہے جس میں صاف طور پر مشارکہ اور مرابحہ کے شرعی تقاضوں کو پورا کرنے پر جواز کا فتویٰ دیا ہے، جس کی عبارت درج ذیل ہے:

''واضح رہے یہ کہ حکم اس وقت تک ہے جب تک اس اسکیم پر علمائے کرام کی نگرانی میں عمل کیا جاتا رہے گا، اور اس میں مشارکہ و مرابحہ کے شرعی تقاضوں کو پورا کیا جاتا رہے گا، اگر خدانخواستہ بینک نے مرابحہ و مشارکہ کے شرعی اُصولوں سے کبھی اِنحراف کیا اور یہ اسکیم شریعت کے مطابق نہ رہی تو ایسی صورت میں اس میں سرمایہ کاری جائز نہ ہوگی۔''

لیکن جب مؤلف صاحب نے ص:۱۰۷ پر اس فتویٰ کو اپنا موضوعِ قلم بنایا تو اس میں مرابحہ کی جگہ مضاربہ کو داخل کر دیا، یہ اگر کمپوزنگ کی غلطی ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں ہے، لیکن اگر قصداً کیا گیا ہے تو یہ چالاکی بھی ہے اور دیانت کے خلاف بھی۔

۲۰......ص ۱۰۹:-

''ہمارے خیال میں حضرت مولانا دامت برکاتہم سے تعلق، محبت اور عقیدت و اِحترام کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کے حوالے سے ان کے محتاط، ذمہ دارانہ رویے اور حقیقت پسندانہ جائزوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی بعض چشم پوشیوں اور رواداریوں کو ان کا ''فتویٰ'' قرار نہ دیا جائے۔''

صحافیانہ انداز اور ادبی شوخی رکھنے والی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم اپنے فتویٰ یا عمل میں چشم پوشی؟ اور رواداری؟ ملحوظ رکھ جاتے ہیں، لہٰذا اس کا اِتباع ہرگز نہ کیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ بڑے مجرموں اور بڑے گناہگاروں کے جرائم سے چشم پوشی کرنے والی شخصیت اور ان کے ساتھ رواداری رکھنے والے عالم کا کیا حکم ہے؟ اسے فتویٰ لکھنے والوں نے بین السطور سمجھنے والوں پر چھوڑ دیا ہے، اسے کہا جاتا ہے ''شوخ ادبی فتویٰ''۔

۲۱......ص ۱۰۹ و ص ۱۱۰:-

''حضرت کے دیے ہوئے نظام کی تطبیق اور تشریح کی ذمہ داری اُٹھانے والے لوگوں نے جس غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا، وہ اسلامی معاشرے اور اسلامی بینکوں میں شدید ابتری اور خرابی کا باعث بنا۔ ایک وہ طبقہ جس نے حضرت کے فراہم کردہ نظام کی عملی تطبیق کی ذمہ داری لی (بینکار حضرات)۔ اور دُوسرا طبقہ جس نے آپ کے مرتب کردہ نظام کا تشریحی منصب سنبھالا۔ پہلے طبقے نے حضرت کی ہدایات و اِرشادات کی روشنی میں نظام چلانے کا جو وعدہ اور عزم ظاہر کیا تھا وہ اس پر پورا نہیں اُترے ...... ہمارے ان بینکاروں کی یہ رَوِش مولانا زید مجدہم کے ساتھ ایک ایسا دھوکا اور

نااِنصافی ہے جس کا اِظہار مولانا مدظلہم مختلف مجالس میں کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔

جبکہ دُوسرے طبقے کی کارکردگی بھی مولانا زیدمجدہم کے خیالات و اَفکار سے مخالف سمت میں رواں دواں نظر آتی ہے۔''

فتویٰ کی یہ عبارت بتلارہی ہے کہ حضرت مولانا زیدمجدہم اپنے کمالِ علم وفضل کے باوجود دونوں طبقوں سے دھوکا کھا گئے۔ گویا مولانا عالم اور دِین دار تو ہیں لیکن بے خبر بھولے ہیں، دھوکا کھا گئے، اور اب تک دھوکا کھارہے ہیں لیکن اس غیرسودی نظام سے براءت کا اعلان نہیں فرماتے!!

۲۲......ص ۱۱۱:-

''مولانا نے مروّجہ اسلامی بینکوں کو جن فقہی بنیادوں پر قائم کرنے کا مشورہ دیا تھا ان بنیادوں پر شرعی و اُصولی اِشکالات و تنقیحات سے بحث کی بھی چنداں حاجت وضرورت تو نہیں رہی ......تاہم آئندہ صفحات میں کچھ معروضات پیش کردیتے ہیں تاکہ مروّجہ اسلامی بینکاری سے وابستگان اور ترجمان حضرات پر حجت تمام ہوجائے۔ فقہِ اِسلامی کے نام پر ''ربح'' اور ''رِبا'' کی اِختلاطی پیش قدمی روکی جاسکے، اسلامی اِصطلاحوں کے ساتھ ''اکل بالباطل'' کے مروّجہ طریقوں کی روک تھام ہوسکے۔''

ص:۱۱۰ پر تو یہ فرمایا گیا تھا کہ مولانا مدظلہم کو دوطبقوں نے دھوکا دیا، اور ان کے مجوّزہ غیرسودی نظام کو مسخ کردیا گیا، اب ص:۱۱۱ پر یہ فرمایا جارہا ہے کہ مولانا نے جن فقہی بنیادوں پر یہ نظام تجویز کیا تھا اس میں درحقیقت فقہِ اِسلامی کے نام پر ربح اور رِبا کو خلط کردیا گیا تھا اور اِسلامی اِصطلاحوں کے ساتھ ''اکل بالباطل'' کو فروغ دیا گیا تھا۔

حضرت مدظلہم پر ان بدترین اِلزامات لگانے کے بعد بھی ان مؤلفین کا دامن

بہتان، اِلزام تراشی، اکابر کے تمسخر سے پاک صاف ہے! سبحان اللہ! اے اللہ آپ ہی سے شکایت ہے!

۲۳.....ص ۱۲۵:-

"اب جدید اِسلامی بینکاروں کا جرم چونکہ ثانوی ہے اور وہ غیر مسلم شخصِ قانونی کے لیے صرف اِسلامی لباس تیار کر رہے ہیں۔"

ملاحظہ فرمایئے اب یہ الزام لگایا گیا ہے کہ غیر سودی بینکاری میں نعوذ باللہ غیر مسلم شخص کو صرف اِسلامی لباس پہنایا گیا ہے، اور اس اِلزام کی نسبت بڑی ہوشیاری سے اسلامی بینکاروں کی طرف کر دی گئی ہے، حالانکہ انہیں سے یہ شکایت بھی ہے کہ وہ پینٹ کوٹ کا غیر اِسلامی لباس پہنتے ہیں!

۲۴.....ص ۱۴۸:-

"شخصِ قانونی اور اس کی محدود ذمہ داری پر اِستدلال کی صحت انتہائی مشکل ہے اور اس درجہ مشکل ہے کہ اس مشکل سے ہمارے مولانا مدظلہم کے علمِ عمیق اور خداداد ملکۂ اِستنباط کے بجز کوئی اور نہیں گزر سکتا۔ مولانا زید مجدہم کے سہارے کے بغیر اگر کوئی اس نوعیت کا اِستدلال کر کے کسی مسئلے کو ثابت کرنے کی کوشش کرے تو اسے اِستدلال کی بجائے "تحکمِ محض" ہی کہا جائے گا۔"

پڑھنے والا خود فیصلہ کر لے کہ اس میں مولانا کے علم کی تعریف کی گئی ہے یا ان کے علم کا مذاق اُڑایا گیا ہے۔ جس عالم بزرگ کی عمر قرآن و حدیث کی خدمت میں گزر گئی ہو اس کا مذاق وہ نوجوان علماء اُڑا رہے ہیں جن کی اپنی پوری عمر حضرت مولانا مدظلہم کی دِینی خدمات کے برابر بھی نہیں۔

۲۵.....ص ۱۵۶:-

"اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جن معاملات میں شخصِ

قانونی عقد کا فریق ہوگا وہ عقد فاسد اور بے بنیاد ہوگا۔"
معلوم ہوا کہ دُنیا میں جتنی کمپنیاں ہیں ان سب کے عقود فاسد ہیں۔

۲۶.....ص ۱۵۶:-

"کیونکہ عقد کے فریقین میں سے ایک فریق عاقد اور شخص کہلانے کا حق دار نہیں، بلکہ انسان یا شخص تو درکنار "ہیولیٰ" کہلانے کا حق دار بھی نہیں، کیونکہ "شخص" جسم اور صورت سے مل کر بنتا ہے، جبکہ شخصِ قانونی، شخصِ معنوی ہے اور ان دونوں خصوصیات سے خالی ہے۔"

نتیجہ یہ نکلا کہ وقف کا متولّی وقف کی طرف سے عقد کر سکتا ہے، مدرسے کا مہتمم مدرسے کی طرف سے اور مسجد کمیٹی کا صدر مسجد کی طرف سے عقد کر سکتا ہے، اور وہ فاسد نہیں، لیکن کمپنی کا ڈائریکٹر کمپنی کی طرف سے اگر عقد کرے تو وہ فاسد ہے۔ (نئی تحقیق)

معلوم نہیں کہ اس مفصل فتویٰ پر دستخط کرنے والے حضرات نے کمپنیوں کے جملہ معاملات پر عقودِ فاسدہ کے اَحکام جاری کرنے شروع کر دیے ہیں یا نہیں؟ مناسب ہوگا کہ وہ اپنے اپنے دارالافتاء میں کم از کم اپنے فتویٰ پر عملی تطبیق فوراً شروع کر دیں۔

۲۷.....ص ۲۰۱:-

"ادھر یہ حقیقت بھی کسی پر پوشیدہ نہیں کہ ہمارا مرکزی بینک اور حکومت خود کو شرعی پابندیوں سے آزاد سمجھتے ہیں، اور ان کے اکثر اور اَغلب قواعد و قوانین سراسر خلافِ شریعت ہوتے ہیں۔"

اس طرح کے بے بنیاد مفروضے اور عمومی کلیے اس فتویٰ کے اہم دلائل ہیں، اگلا کلیہ خود لگا لیا جائے کہ **للأکثر حکم الکل**۔ حالانکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اسٹیٹ بینک نے سودی بینکوں کے لیے قوانین علیحدہ رکھے ہیں اور غیر سودی بینکوں کے لیے علیحدہ قوانین بنا دیے ہیں تاکہ وہ سود سے بچ سکیں، لیکن مؤلفین کو پاکستان میں ہونے والی کوئی

اچھی بات نہ کبھی نظر آئی، نہ آئندہ ان سے اس کی توقع ہے۔

۲۸......ص ۲۰۹:-

''اسی طرح تفصیل کے ساتھ یہ بھی گزر چکا ہے کہ راجح اور اَصح قول کے مطابق شریک کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ معاملۂ شرکت میں شریک سے معاوضہ وصول کرے۔''

شاید مؤلفین نے احسن الفتاویٰ (ج:۷ ص:۳۲۱) کا فتویٰ ملاحظہ نہیں فرمایا۔

۲۹......ص ۲۱۰:-

''اور اگر سارا مال نہیں نکالا بلکہ کچھ حصہ نکالا، تو رأس المال کے مجہول ہونے کی بنا پر سابقہ شرکت ختم ہوجائے گی۔''

حالانکہ نکالی جانے والی رقم اور بقیہ رقم سب معلوم ہوتی ہے، ریکارڈ ہر وقت دستیاب ہے۔

۳۰......ص ۲۱۳:-

''مضاربت میں ابتدا سے آخر تک کل سرمایہ کی تعیین اور تمییز ضروری ہوتی ہے، کیونکہ مضارب کا حق طے شدہ معاہدے کے مطابق صرف نفع میں ہوتا ہے، جبکہ رأس المال اور بقیہ نفع رَبّ المال کا ہوتا ہے، چنانچہ یہ جاننا ضروری ہوتا ہے کہ رأس المال کیا اور کتنا ہے اور نفع کتنا ہے؟''

یہ بات عجیب ہے کیونکہ بغیر نض کیے رأس المال اور اس پر نفع کا کیسے علم ہوگا؟ وہ تو سال بھر بعد بلکہ اسی وقت معلوم ہوگا جب نض حقیقی یا نض حکمی کر لی جائے۔

۳۱......ص ۲۱۴:-

''اگر مضاربت میں بالکل شروع میں حقیقی منافع کے خاص تناسب پر فریقین کا اِتفاق نہ ہو تو ''مضاربت'' شرعاً دُرست

نہیں ہوتی، وجہ یہ ہے کہ معقود علیہ ''ربح'' ہے، معقود علیہ (ربح) جب غیر معلوم ہو تو عقد فاسد ہوا کرتا ہے۔''

تناسب تو یقینی طور پر طے شدہ ہوتا ہے، اتنی بدیہی بات کا انکار! کیا علم نہیں ہے یا تجاہلِ عارفانہ ہے؟

۳۲......ص ۲۱۶:-

''ویٹیج پر سر دست مختصر تبصرہ یہ ہے کہ کسی فرم یا پروجیکٹ میں تاخیر سے شریک بننے والے یا مقرّرہ مدّت سے پہلے مشارکہ ختم کرنے والے شریک کو ''ویٹیج'' کی بنیاد پر نفع دینا، بنیادی طور پر ''شبہۃ الربا'' اور حقیقت و نتیجے کے اعتبار سے حقیقی کی بجائے تخمینی، تشکیلی اور تردیدی نفع کی صورت بنتی ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ ''وزن'' دینا، مالِ غیر کو ناجائز طریقۂ کار اور ضابطوں سے ہتھیانے کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے۔''

یہ ذریعہ اس وقت بن سکتا ہے جب اکاؤنٹ ہولڈرز کا مال بینک یا اس کے ڈائریکٹران کھا رہے ہوں، لیکن اگر اکاؤنٹ ہولڈرز کے درمیان مساوات کے ساتھ اس اُصول کا اِجراء اور نفاذ ہو رہا ہو اور سب اس سے یکساں طور پر مستفید ہو رہے ہوں تو أکل بالباطل کے زُمرے میں کیسے آ گیا؟

۳۳......ص ۲۲۲:-

''مرابحہ مطلقہ، مرابحہ مؤجلہ اور اِجارہ (نیز شرکتِ متناقصہ) یہ عقود شرعاً مستقل تمویلی طریقے نہیں ہیں ......سود کو حلال کہنے کا اس سے آسان حیلہ بیوع کی اقسام میں سے کسی اور قسم کے ذریعے نہیں بن سکتا۔''

اگر یہ بیوع کی اقسام میں سے ہیں جیسا کہ یہ مؤلف اسے تسلیم کر رہے ہیں (اور

بلاشبہ بیوع کی اقسام میں سے ہیں) تو ان کا نفع سود کیسے ہوگا؟ اور قرآن نے یہ کیسے ارشاد فرمایا: "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ"۔

۳۴.....ص ۲۲۹:-

"مروّجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ اور اجارہ کا حیلہ عموماً بنیادی انسانی ضرورت کی بجائے خواہشات کے لیے استعمال ہو رہا ہے، اس نوعیت کے حیلے تشہی اور تلہی کی بنا پر "اِتباعِ ہویٰ" کے زُمرے میں شمار ہوتے ہیں اس لیے ناجائز ہیں۔"

مرابحہ، اجارہ وغیرہ حیلہ ہے ہی نہیں بلکہ بیع کی ایک قسم جسے قرآن وسنت اور اجماعِ فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، البتہ اسے قرض اور سود سے علیحدہ رکھنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم ہے۔

۳۵..... ص ۲۳۰:-

"مرابحہ اور اِجارہ کے مروّجہ تمویلی طریقِ کار کے سو فیصد اسلامی اور خالص حلال طریقے ہونے کا کوئی بھی دعوے دار نہیں، کسی نہ کسی حد تک سود کے شبہ یا سود کے ساتھ مشابہت کے تقریباً سب ہی قائل ہیں، جس کا ادنیٰ حکم اِشتباہ کا ہے، اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اِجارہ اور مرابحہ کی بنیاد پر اِسلامی بینکوں کی سرمایہ کاری سود کے شبہ، مشابہت اور اشتباہ کی وجہ سے ناجائز ہے۔"

مرابحہ اور اجارہ کے حلال ہونے میں کوئی شبہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ تمام کتبِ فقہ میں اس کا جواز ہمیں پڑھایا جاتا ہے، ان کی حرمت اور سود کے مشابہت کی وجہ سے عدمِ جواز کا حکم ان مفتیانِ کرام سے پہلی مرتبہ پڑھ رہے ہیں، اب تک تو یہی سنتے چلے آئے کہ ربا بھی حرام، شبہۃ الربا بھی ناجائز، مگر مشابہت اور شبہۃ الشبہۃ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اب ساری کتبِ فقہ کی بات مانی جائے یا ان نئے مفتیانِ کرام کی؟!

۳۶......ص ۲۳۱:-

''مرابحہ اور اِجارہ کو مروّجہ اسلامی بینکوں میں بطورِ طریقۂ تمویل اِختیار کرنا''اکل بالباطل'' (دُوسرے کے مال کا ناحق ہتھیانے) کے زُمرے میں داخل ہے۔''

اِنّا للہ ، جب مرابحہ حلال ہے اور بیوع کی اقسام میں سے ہے تو اس کا نفع أکل بالباطل کیسے ہوگیا؟ ہاں یہ بات دُرست ہے کہ سرمایہ دار پہلے رِبا کے ذریعہ أکل بالباطل کرتا تھا اب وہ مرابحہ کے ذریعے اُکل بالحق کرتا ہے۔

۳۷......ص ۲۳۲:-

''بینکوں میں مروّجہ اِجارہ اور مرابحہ چونکہ ایسے حیلے ہیں جن کے ذریعے روایتی سودی بینکاری جیسے منافع اور فوائد، روایتی سودی بینکوں کے معیارات اور شرحوں کے مطابق مسلمان بینکاروں کو سرمایہ کاری کے مواقع فراہم کرنا مقصود ہے، ایسے حیلوں کو ہمارے فقہائے کرام نے بڑی سختی کے ساتھ ناجائز فرمایا ہے۔''

اگر مسلمان بینکاروں کو حرام کاری سے نکال کر حلال خوری کی طرف لایا جائے اور عام مسلمان اکاؤنٹ ہولڈرز کو کچھ حلال نفع ملنے لگے تو کیا یہ نیکی کا کام نہیں ہے؟ اور حلال حیلوں کو ناجائز کہنے کا حوصلہ آپ ہی کر سکتے ہیں، فقہاء نے حلال حیلوں کو حلال ہی کہا ہے۔

۳۸......ص ۲۳۲:-

''یعنی اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان سودخور جس معاملے کو سود ہونے کی بنیاد پر اِختیار کرتے ہوئے جھجک محسوس کرتا ہے ان سہاروں کے بعد وہ سودی مقاصد بلا جھجک حاصل کر سکے گا۔''

سودی مقاصد سے اگر اس کے سرمایہ کا تحفظ اور ترقی مراد ہے تو پہلے وہ سود کے ذریعے کرتا تھا، اب بیع او. نفع کے ساتھ کرتا ہے اور اگر سودی مقاصد سے ''رِبا'' مراد ہے تو یہ

دعویٰ کاذبہ ہے کیونکہ یہاں نہ قرض ہے نہ رِبا۔

۳۹.....ص ۲۳۲ و ص ۲۳۳:-

''اس تفصیل کے بعد ہم پورے اِطمینان اور شرحِ صدر کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مروّجہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ و اِجارہ کے سرمایہ کاری کے طور پر اِستعمال اور رِواج کے لیے جو کوششیں اور تاویلیں کی گئی ہیں، وہ مروّجہ اسلامی بینکاری کی طرف متوجہ ہونے والے سود کے اصل حکم کو پھیرنے کے لیے کی گئی ہیں، یہ طریقہ کم از کم ''تاویلِ فاسد'' کے حکم میں ہے، جس سے اِجتناب لازم ہے۔''

حدیث شریف ''بع الجمع بالدراهم'' کا کیا جواب ہوگا؟ کیا نعوذ باللہ اسے بھی تاویلِ فاسد میں داخل کریں گے۔

۴۰.....ص ۲۳۷:-

''جس بینک کے پاس شوروم بھیجنے کے لیے اپنا قاصد اور نمائندہ دستیاب نہ ہو، بلکہ وہ خریدار ہی کو اپنا وکیل (Agent) بنانے کے لیے مجبور ہو وہ مجبور بینک گواہ کہاں سے لائے گا؟ یا تو پاکستانی نظام کے مطابق ''چیریٹی فنڈ'' سے کرایہ پر کسی کو گواہی کے لیے حاصل کرے گا، پھر معاہدات پیش کرتے ہوئے اپنا حق وصول کرے گا، ظاہر ہے اسلامی بینک کرایہ کا گواہ لانا پسند نہیں کرے گا، کیونکہ ایسا کرنا جائز نہیں، یہ ''شہادتِ زُور'' ہے، اس شہادتِ زُور کا تاحال متبادل نہیں سوچا گیا۔''

یہ فتویٰ کی علمی تحقیق ہے یا طنز و اِستہزا پر مبنی مزاحیانہ تالیف، اور کیا اپنے اکابر کی فقہی، علمی تحقیقات کا اس طرح مذاق اُڑانے کی اجازت دی جانی چاہیے؟!

۴۱......ص ۲۴۱:-

''بنا بریں یہ کہنے کی صاف گنجائش ہے کہ ''مرابحہ بنوکیہ'' کی کوئی قابلِ تسلیم فقہی بنیاد نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بینک اور گاہک کے درمیان طے پانے والا کاغذی معاہدہ جو اس معاملے کی حقیقی بنیاد ہے، معاملے کی انجام دہی کے لیے جتنے مراحل بنائے اور بتائے گئے ہیں، وہ محض کاغذی اور فرضی کہلانے کے حق دار ہیں، اگر بالفرض ہم ان تمام معاملات کو دُرست تسلیم کر لیں تو بھی ایک بہت بڑا فقہی اِشکال باقی رہے گا، وہ یہ کہ پیشگی معاہدے میں تمام معاملات طے ہو جانے کی وجہ سے مرابحہ کی انجام دہی کی ساری کارروائی عقدِ واحد کی تکمیل کے لیے ہے۔''

ہر اہم معاملے، ہر اہم معاہدے کو تحریر کرنے کا تو قرآن نے حکم دیا ہے، سورۂ بقرہ کے آخری رُکوع سے پہلے کا رُکوع بھی پڑھ لینا مناسب ہے۔ اس تحریری معاہدے کا مذاق کیوں اُڑایا جا رہا ہے؟ جبکہ آگے چل کر اسی معاہدے کے مطابق اپنے اپنے وقت پر تمام عقود و شرعی اَحکام کے عین مطابق عملی طور پر اَنجام دیے جاتے ہیں۔

۴۲......ص ۲۴۲:-

''فقہائے کرام نے پوری وضاحت کے ساتھ تصریح فرما رکھی ہے کہ مشتری (Buyer) بائع (Seller) کا وکیل (Agent) بن کر اپنے لیے خریداری کرنا چاہے تو یہ جائز نہیں۔''

اس میں جان بوجھ کر صحیح اُصول کی غلط تطبیق کی گئی ہے، کیونکہ مجوّزہ مرابحہ میں وکیل اپنے لیے نہیں خریدتا بلکہ بائع کے لیے ہی خریدتا ہے اور اس کے جواز میں کیا شبہ ہے؟

۴۳......ص ۲۴۴ و ص ۲۴۶ پر خلافِ واقعہ یہ اِلزام لگایا گیا کہ مرابحہ میں مال بینک کے ضمان میں نہیں آتا۔ مؤلفین کو اِلزام لگاتے وقت یہ بھی خیال نہیں گزرا کہ غلط اِلزام

لگانے والوں کے لیے دُنیا و آخرت میں کیا سزا ہے؟

۴۴.....ص ۲۵۱:-

''اگر ایسا کرنا متوقع نہ ہو تو پھر یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ مروّجہ اسلامی بینکوں اور رِوایتی بینکوں کے عملی طریقۂ کار (Operational Modes)، اغراض و اہداف اور مقاصد میں بجز ناموں کے کوئی فرق نہیں ہے۔''

یہ بات صراحۃً غلط ہے، عملی طریق دونوں میں مختلف ہے، ایک میں قرض اور سود ہے اور دُوسرے میں اسلامی معاملات بیع و اِجارہ اور ربح۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ معترضین کو ربح اور رِبا میں فرق نظر نہیں آتا اور وہ دونوں کو حرام قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

۴۵.....ص ۲۵۶:-

''ان نقصانات کی تلافی اور تحمل خود مالک (Owner/Leaser) کرے گا، مثلاً مکان میں ریپرینگ یا گاڑی میں ٹیوننگ اور عام مرمت وغیرہ، اسی طرح اگر معمول کے مطابق استعمال کرنے سے انجن، باڈی یا ٹائر وغیرہ خراب ہوجائیں یا نقصان دار ہوجائیں تو اس کی ذمہ داری مؤجر پر ہوگی نہ کہ مستأجر پر۔''

کیا پٹرول بھی اس میں داخل کریں گے کیونکہ پٹرل کے بغیر گاڑی صالح للاِنتفاع نہیں ہے۔

۴۶.....ص ۲۵۷:-

''عین ممکن ہے کہ اس کا سبب جذبۂ ایمانی اور خوفِ آخرت ہو اور وہ یہ چاہتے ہوں کہ صحیح اسلامی بنیادوں پر سرمایہ کاری کے عملی نفاذ تک ہمارے اختیار کردہ فاسد معاملے کو اگر ''کراماً کاتبین'' فاسد لکھنا چاہیں تو وہ ہمارے نامۂ اعمال میں ہماری

دستاویزات کے مطابق بڑے کی بجائے چھوٹا فساد لکھ دیں، و اللہ اعلم وھو یقول: مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ، وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ، ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ.‘‘

اِنّا للہ، طنز میں کراماً کاتبین کو بھی شامل کیا گیا، قرآن مجید کے اس ’’لفظ‘‘ میں قلم کے الفاظ بھی شامل ہیں، محرّر صاحب غور فرمالیں کہ انہوں نے قلم سے جو جو باتیں لکھی ہیں اور جن جن پر طنز کیا ہے وہ سب ریکارڈ ہو رہا ہے۔

۴۷......ص ۲۷۲:-

’’لہٰذا امام حطاب رحمہ اللہ کی پیش کردہ عبارت کی روشنی میں اسے کھلم کھلا سود کہنا چاہیے، اگر زوردار قسم کی تاویلیں کی جائیں تو بھی اس اِلتزام کو خالص سود کی مشابہت سے خالی قرار نہیں دیا جاسکتا۔‘‘

جب وہ رقم دائن کو جا ہی نہیں رہی تو سود کیسے بنے گا؟ بینک تو صرف اپنا اصل دَین ہی وصول کرے گا، اور کیا رِبا کا شبہۃ الشبہۃ اور مشابہت بھی حرام ہوتی ہے؟ یہ نئے مفتیانِ کرام کی نئی تحقیق ہے۔

۴۸......ص ۲۹۱:-

’’بامرِ مجبوری ایسے معاملات سے گزرنے کے لیے بقدرِ ضرورت ناجائز سمجھتے ہوئے گزرنے کی اجازت کے سب علماء قائل ہیں۔ مثلاً بوقتِ مجبوری ’’ایل سی‘‘ کھلوانا، رقم کی منتقلی اور تحفظ کے لیے کسی بینک کی خدمات حاصل کرنا، یا حج اور عمرے کے لیے بینک کی خدمات اور سہولیات سے وابستہ ہونا۔‘‘

کیا محرّر صاحب اور دستخط کنندگان ہر قسم کی ایل سی بوقتِ حاجت جائز سمجھتے ہیں؟ اِلزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

۴۹......ص ۲۹۶:-

''اسلامی بینکاری کے حوالے سے آپ کی رائے گرامی بالاتفاق حیلہ بازیوں اور مرجوح اقوال پر مبنی ہے، اور آپ سے اِختلاف رکھنے والے حضرات کی رائے صریح نصوص اور واضح فقہی اُصول اور اَحکام پر مبنی ہے۔''

اس فتویٰ کی زبان ملاحظہ کی جاسکتی ہے، شرم تم کو مگر نہیں آتی۔

۵۰......ص ۲۹۷:-

''اگر فقہی طلباء کو ''توسل بالذات'' کے ذریعے یہ منوالیا جائے کہ مروّجہ اسلامی بینکاری کو جواز فراہم کرنے والے حیل مستعملہ اور اس کے خلاف دیے جانے والے دلائل، قوت اور وزن میں بالکل برابر اور یکساں ہیں۔''

فتویٰ کی اخباری زبان کا ایک اور نمونہ!

۵۱......ص ۲۹۸:-

''مروّجہ اسلامی بینکاری کا مدار صرف دو چیزوں پر ہے:

(۱) حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بعض اقوال اور تحریریں۔

(۲) حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی وہ ''فکرِ توسع'' جو معاملات کے باب میں سمجھی گئی ہے۔''

یعنی غیر سودی بینکاری جس کی تردید میں ۳۹۰ صفحات کی کتاب لکھی گئی ہے اس کی بنیاد دو چیزوں پر ہے:-

۱۔حضرت مولانا مدظلہم کے بعض اقوال اور تحریریں۔

۲۔حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی ''فکرِ توسع''۔

''فکرِ توسع'' کا یہ لفظ جدید مفتیانِ کرام ہی کی ایجاد ہے، جو نہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ملتا ہے اور نہ حضرت شیخ الاسلام کے یہاں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح بات کو غلط انداز سے ثابت کرنے کے لیے ''فکرِ توسع'' کا یہ لفظ انہوں نے ایجاد کیا ہے تاکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اِلزام لگاسکیں کہ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے۔

کتاب میں درج ''فکرِ توسع'' کا مطلب یہ ہوا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے مالی معاملات میں توسع رکھنے کی جو فکر اَپنائی وہ غلطیوں کا سبب بنی۔ اور کتاب میں مزید یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ:-

۳-اکابر کا تسامح

۴-برادارانِ خود

۵-اور مجلس الفقہ الاسلامی کی غلط نمائندگی

بھی ان معزّز مؤلفین کے نزدیک غلطیوں کی بنیادوں میں شامل ہے۔

۵۲......ص ۳۰۱:-

''اس فکر کے حاملین میں وہ تمام منحرف فرقے شامل ہیں جو خود کو اِسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، مثلاً خوارج، روافض، معتزلہ، جہیمہ، قرامطہ، قائلینِ خلقِ قرآن اور منکرینِ حدیث وغیرہ۔''

گمراہ فرقوں میں شامل کرنے کی کوشش!

۵۳......ص ۳۰۶، ۳۰۷:-

''مروّجہ اسلامی بینکوں میں کئی ایسے معاملات اور معاہدات پائے جاتے ہیں کہ جن کے ناجائز ہونے میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہوسکتا، مثلاً: سودی قرضوں کا لین دین، اسلامی بینک، بینکنگ کونسل کے رولز کے مطابق اسٹیٹ بینک سے سودی قرض لینے

اور بعض نجی و سرکاری اِداروں کو قرضے فراہم کرنے، نیز سرکاری تمسکات خریدنے کا پابند ہوتا ہے۔''

اگر آپ کی اس تحقیق پر کوئی اسلامی بینک آپ پر خلافِ واقعہ بہتان تراشی کا اِلزام لگا کر آپ کو عدالت میں بلالیں تو آپ ان اِلزامات کو کیسے ثابت کریں گے؟ اور یہ بھی یاد رہے کہ ایک اور عدالت بھی قائم ہونے والی ہے، جہاں آپ کو ہر بہتان کا بہرحال جواب دینا ہوگا۔

۵۴......ص ۳۱۲:-

''واضح رہے کہ ہمارے ان بعض علاقوں میں ''بیع عینہ'' کی سرپرستی اور مختلف صورتوں کی تشریح وتطبیق کے لیے شریعہ ایڈوائزر بھی ہوتا ہے، اسے وہ لوگ ''مُلّا صاحب'' کہتے ہیں، ان کے لیے اسی کا فتویٰ معتبر اور کارآمد سمجھا جاتا ہے۔''

فتویٰ میں یہ طنز ملاحظہ ہو!

۵۵......ص ۳۱۸:-

''اگر آپ ان اِصطلاحوں کے کسی ایسے مطلب اور مفہوم کے روادار ہیں جو دِینیات کے ذخیرے میں مفقود ہے اور عصریات کے ''میدانِ تیہ'' میں گھرا ہوا ہے، تو وہاں کے لیے آپ کو ''برادرانِ خود'' ہی کی رفاقت پر اِکتفا کرنا ہوگا باقی لوگ آپ کا ساتھ نہیں دیں گے۔''

ایک اور طنز، دُوسرے محترم بھائی صاحب مدظلہم کو بھی زبردستی طنز میں شامل کرلیا گیا، دلائل کی کمی کی وجہ سے کتاب بھرنے کے لیے یہ طریقے اِختیار کیے ہیں۔ ایک طنز و اِستہزاء اور دُوسرے حضرت مدظلہم کی عبارات کو بار بار پیش کرکے ان سے غلط اِستدلال اور ''توجیه القول بما لا یرضی به القائل'' یہاں تک کہ قاری بار بار ایک طرح کی

عبارات کو دیکھ کر اُکتانے لگتا ہے۔

۵۶......ص ۳۲۰:-

''منہیاتِ الٰہیہ میں سب سے بڑی ''چٹان'' رِبا (سود) کی شکل میں موجود تھی، جب اسے ہم نے اپنی جگہ سے بزعمِ خود ہلا لیا تو باقی منہیات تو ''سود'' کے مقابلے میں کم درجے کی منہیات ہیں۔''

یہ غلط ہے، بلکہ صریح مغالطہ ہے، سود کی چٹان پر چڑھنے کے بجائے اس سے دُور رہ کر جائز اور حلال راستہ اِختیار کیا گیا ہے۔

۵۷......ص ۳۲۰:-

''ایمانی اور عملی لحاظ سے مزید افسوس اور تشویش کی بات یہ ہوگی کہ اگر ہمیں ہر ''ناجائز'' کے مطلوبہ متبادل تک پہنچنے کے لیے اسلامی دفعات میں تراش خراش کی جسارت کرنی پڑے اور خلافِ شرع حیلوں کا سہارا لینا پڑے! کیونکہ یہ طرز اور صنیع خالصۃً علمائے یہود کا رہا ہے۔''

حوالہ ۵۲ ص:۳۰۱ میں تو گمراہ فرقوں میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی تھی، اب علمائے یہود کے طرز وصنیع کا طعنہ بھی مل گیا۔ ذہن اور زبان خراب ہو تو نہ بڑے کا خیال رہتا ہے نہ چھوٹے کا، نہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ سامنے ہمارے اپنے سلسلے کے اکابر ہیں یا گمراہ فرقوں کے بانی اور علمائے یہود، اِنّا للہ!

۵۸......ص ۳۲۲:-

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ.....پھر آپ ﷺ نے اسی وقت یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے جب اللہ تعالیٰ نے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو یہود (نے یہ حیلہ اِختیار کیا کہ وہ)

چربی کو پگھلاتے اور بیچ ڈالتے اور پھر اس کی قیمت کھا جاتے۔

أقول: فیہ دلیل علیٰ بطلان کل حیلة یتوصل بھا إلی الحرام، وما إلیٰ ذٰلک مما سقنا سابقًا علیٰ بطلان الحیل الغیر المرضیة أی المحرمة لدی الشریعة الإسلامیة۔"

غیر سودی بینکنگ میں توصل إلی الحرام ہے یا إجتناب عن الحرام، محرّر صاحب کو اتنا بھی علم نہیں یا ضد میں تجاہلِ عارفانہ ہے!

۵۹......ص ۳۲۴:-

"اسلام نے سودی نظام کا متبادل دیا ہے، بلکہ متبادل کو خود قرآنِ کریم نے سود کی حرمت سے پہلے بیان فرمایا ہے"أحل اللہ البیع وحرم الربوٰا" اس متبادل کی تشریح ہمارے اکابر شرکت و مضاربت سے فرمایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مجوّزین حضرات بھی یہی فرماتے ہیں کہ اسلامی بینکاری جو درحقیقت مشترکہ کاروباری نظام اپنانا چاہتی ہے اس کی اصل حقیقی بنیاد بھی شرکت و مضاربت ہے۔"

یہ غلط ہے، بیع اپنی تمام جائز اقسام کے ساتھ اس میں شامل ہے، آپ آیت میں غلط تخصیص کر رہے ہیں جبکہ مجوّزین حضرات غیر سودی بینکاری میں تخصیص کرنا چاہتے ہیں اور وہ بھی احتیاط کی بنا پر، ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا۔

۶۰......ص ۳۳۰:-

"ہمارے بزرگوں نے جب بھی کوئی انقلابی قدم اُٹھایا، ان کے ہم نواؤں میں ایسے خود غرض دُنیادار لوگ بھی شامل ہوتے رہے جنھوں نے ہمارے بزرگوں کے نام پر اپنے مقاصد حاصل کیے اور ان کے پورے پروگرام کو بالآخر یرغمال بنالیا، اور ہمارے

بزرگوں کی فراہم کردہ بنیادیں، پیش کردہ قراردادیں اور سفارشات
دھری کی دھری رہ گئیں اور ہمارے بزرگوں کے پاس ناراضگی،
اظہارِ براءت یا شکوے شکایات کے بجز کچھ نہ بچا۔ ان مثالوں سے
ہماری تاریخ بھری پڑی ہے، قراردادِ مقاصد سے لے کر ۱۹۷۳ء سے
ہوتے ہوئے پی۔ ایل۔ ایس، این۔ آئی۔ ٹی یونٹس، غیر سودی بینکاری
کے لیے نظریاتی کونسل کی سفارشات اور شریعت اپیلیٹ بنچ کے
فیصلوں تک کی ایک ایک مثال ایک طویل داستان ہے۔''

الحمدللہ! ان بزرگوں نے اِخلاص کے ساتھ اُصولِ شریعت کی روشنی میں سب بنیادیں، قراردادیں، سفارشات پیش کی ہیں، مگر آپ نے ہمیشہ ان سب کی مخالفت کی ہے اور کرتے رہے ہیں۔ یہ سب بزرگ مأجور ہیں اور ان کے مخالفین مأزور، آپ پاکستان کے وجود کو اور پاکستان میں کی جانے والی ہر اسلامی کوشش کو ناجائز ہی سمجھتے رہے ہیں۔

۶۱......ص ۳۳۱:-

''اس تفصیل کی روشنی میں ہم عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہم
اسلامی غیر سودی بینکاری کی کوششوں کے قطعاً مخالف نہیں ہیں۔''

آپ نے پوری کتاب مخالفت میں لکھ دی ہے، اب آخر میں ایسا دعویٰ کاذبہ!

۶۲......ص ۳۳۲:-

''روایتی بینک کے مقابلے میں اسلامی بینک کی خرابیاں
''اَہوَن'' یعنی کم درجے کی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں۔''

عجیب! بلکہ عجیب تر!! روایتی سودی بینک ان مؤلفین اور دستخط کنندگان کے نزدیک اَہون ہے، جس کا سارا نظام قرض اور سود پر چل رہا ہے، اور غیر سودی بینک بیع، اِجارہ وغیرہ کے ذریعے جو نفع کمار ہے ہوں وہ اَشد حرام ہے۔

اس پر یہی کہا جاسکتا ہے ''حُبّکَ الشیء یعمی ویصمّ'' لیکن پڑھنے والے

عام قاری اس زوردار فتویٰ کو کیسے قبول کریں گے جس نے روایتی سودی بینکوں کے متفق علیہ حرام سود کو اَہوَن قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری معلومات کے مطابق عام دِین دار مسلمان اس مفصل فتویٰ کے بعد غیر سودی بینکوں کی طرف زیادہ رُجوع کرنے لگے ہیں۔

۶۳......ص۳۳۴:-

''اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ مروّجہ اسلامی بینکاری کا سود اور دیگر فاسد معاملات روایتی سودی بینکوں کے مقابلے میں ''اَہوَن'' (آسان سود) نہیں بلکہ اُصولاً ''اعظم'' (زیادہ بڑھ کر) ہیں، لہٰذا یہ کہنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ فکرِ گناہ کے ساتھ روایتی بینکاری کا حصہ بننے والا مسلمان کم درجے کا گناہگار ہے، جبکہ گناہ کی فکر سے آزاد ہوکر نیتِ ثواب کے ساتھ مروّجہ اسلامی بینکاری کے فاسد اور خلافِ شرع معاملات کا حصہ بننے والا بڑے خطرناک درجے کا گناہگار ہے۔''

اس زوردار عبارت سے واضح ہوا کہ اُوپر ص:۳۳۲ کی عبارت سبقتِ قلم کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ روایت سودی بینکوں کے متفق علیہ حرام سود کو اَہوَن کہنے کا باقاعدہ فتویٰ دے دیا گیا ہے۔ ایسے افسوسناک فتویٰ کو اگر عام مسلمان دُور سے دیکھتا ہوا گزر جائے اور جاکر غیر سودی بینکوں میں اکاؤنٹ کھلوالے تو کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ ایک صاحب نے بتایا کہ گلشن اقبال کی ایک اسلامی بینک کی برانچ میں ایک مسلمان دِین دار مالیاتی معاہدہ کرنے کے لیے آئے، لیکن انہیں کچھ اِشکالات تھے، اسی دوران نمازِ جمعہ کا وقت آگیا، وہ جامع مسجد میں پہنچے تو وہاں اسلامی بینکاری کے خلاف زوردار بلکہ دُھواں دار بیان ہورہا تھا، جمعہ پڑھ کر جب وہ واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ آپ میرا اکاؤنٹ یہاں کھول دیں کیونکہ جو مولانا صاحب اسلامی بینکوں کے خلاف دُھواں دار تقریر کررہے تھے ان کی زبان سن کر ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ انہیں کچھ علم نہیں۔

۶۴......ص ۳۴۰:-

''ہم مضطر کے اَحکام لے کر سرمایہ داروں اور مال داروں کے مسائل حل کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔''

لیکن بینکوں کے ۸۰ فیصداً کاؤنٹ ہولڈر ''سرمایہ دار'' نہیں ہوتے، ان کے لیے حکمِ شرعی درکار ہے اور ان کے مسائل کا حل پیش کرنا عالم کی ذمہ داری ہے۔ ثانیاً عام اکاؤنٹ ہولڈرز ہوں یا سرمایہ دار، سب مسلمان ہیں، حلال وحرام کے اَحکامات میں یہ تفریق سوشلزم اور اِسلامی سوشلزم کی ذہنیت کا نتیجہ ہے، ورنہ عالم کو بحیثیتِ عالم سب مسلمانوں کے مسائل حل کرنے چاہئیں ۸۰ فیصد کے بھی اور ۲۰ فیصد کے بھی۔

۶۵......ص ۳۴۹:-

''آپ کا یہ اِرشاد کہ یہ علمی مسائل ہیں، بحث ومباحثہ کے ذریعے حل ہونے چاہییں، بالکل دُرست اور بجا ہے، ہم بھی اس کے لیے تیار ہیں۔ مگر اس کے لیے چند مختصر شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے...... تیسری شرط یہ ہے: مجلس کی اکثریتی رائے کا اِحترام کرتے ہوئے اسے تسلیم کیا جائے۔''

عجیب! خواہ وہ رائے اس کے نزدیک فیما بینہٗ وبین اللہ غلط ہی کیوں نہ ہو! کیا اکثریت کے مخالف کو اپنی رائے کہنے کا حق بھی آپ اس سے چھیننا چاہتے ہیں اور کیا اَئمہ اَربعہ کے اِختلافات میں بھی آپ اسی اکثریتی رائے کے طریقے کے اِختیار کرنے کا مشورہ دیں گے؟

۶۶......ص ۳۵۳:-

''میزان بینک کی طرف سے اسلامی اُصولوں کی تکمیل پاسداری کا دعویٰ محض دھوکا اور فریب ہے، مولانا مدظلہم کی تحریرات اور بیانات کے مطابق یہ ''اَہون سود'' ہے، سود کے عنصر سے خالی

نہیں، مادّی طور پر وہی ہو رہا ہے جو رِوایتی بینکوں میں ہو رہا ہے۔''

اگر حضرت مولانا پر یہ اِلزام تہمت ہو تو کیا آپ اس بہتان سے علی الاعلان معافی مانگ لیں گے؟

۶۷......ص ۳۵۳:-

''حضرتِ اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور ان کے ساتھ دُوسرے دو علمائے کرام کا ذاتی اِحترام، جلالتِ قدر اور رفعتِ شان اپنی جگہ مگر وہ حجتِ شرعی ہرگز نہیں، ان کی راہ اور رائے سے اِختلاف کرنے کی شرعاً بہت زیادہ گنجائش ہے۔''

آپ کے مطابق حضرتِ اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی راہ اور رائے سے اِختلاف کرنے کی شرعاً بہت زیادہ گنجائش ہے، لیکن آپ ص:۳۴۹ پر فرما چکے ہیں کہ اکثریتی رائے کو (جو آپ کے بقول آپ کی رائے ہے) تسلیم کرنا ضروری ہے، اس سے اِختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، ورنہ حق و باطل کا معرکہ برپا ہو جائے گا۔ حضرت مولانا مدظلہم کے لیے معیار کچھ اور، اور اپنے لیے معیار کچھ اور، اِنَّا للہ!

۶۸......ص ۳۵۴:-

فقہ اکیڈمی جدہ جس میں مذاہبِ اَربعہ کے نامور علماء اور اہلِ افتاء شامل ہیں ان کے بارے میں مؤلفین کا اِرشاد ہے:-

''اگر جدہ اکیڈمی کے اس فردِ اعلیٰ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے تو دیگر شرکاء کے اپنے ملک اور حلقے میں مقام و مرتبے کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔''

یعنی جب فقہ اکیڈمی کی سب سے نمایاں شخصیت غلط معاملات میں ملوّث ہے تو باقی علمائے عالَم تو بطریقِ اَولیٰ اس میں مبتلا ہوں گے، اِنَّـــا للہ۔ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ!

۶۹......ص ۳۵۷:-

''بینک اسلامی کے معاملات کے شرعی ہونے پر پہلی دو شخصی دلیلوں سے بحث کی ضرورت یہاں نہیں ہے، صرف تیسری بھاری دلیل، ''تیسرا رُکن خود ہوں'' پر تبصرہ ملاحظہ ہو۔''

علمی فتویٰ میں تیسری ''بھاری'' دلیل کے ذریعے اپنے ہی متخرّج کا مذاق اُڑایا گیا ہے۔

۷۰......ص ۳۶۴:-

''مروّجہ اسلامی بینکاری کا جائز یا ناجائز ہونا ہمارے خیال میں خالصۃً شرعی مسئلہ ہے، اس کا کسی کی ذات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے اس فتویٰ کو کسی کی ذاتی مخالفت پر محمول کرنا سراسر غلط ہے، اور آج تک کی اسلامی تاریخ میں کسی صاحبِ علم کی رائے کے خلاف دُوسرے اہلِ علم کی رائے کو پہلے صاحب کی ساکھ کی خرابی سے کسی نے تعبیر نہیں کیا، ورنہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ائمہ متبوعین میں سے اِمامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سارے ائمہ مجتہدین پر اَخلاقی پابندیاں عائد کی جاتیں۔''

لیکن آپ نے تو اپنے علاوہ سب پر پابندی لگادی ہے کہ وہ صرف اور صرف آپ کی تحقیق کی پیروی کریں ورنہ وہ سودخوروں میں شامل ہیں۔

۷۱......ص ۳۶۵:-

''فتنہ انگیزی تو فتنے کے اسباب اختیار کرنا ہے اور اس کے ذمہ دار وہی لوگ ہوتے ہیں جو ان اسباب کا ارتکاب پہلے کرچکے ہیں، قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیتِ مبارکہ سے اس کی تائید ہوتی ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ، أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا، وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ.''

وہ کافروں کے خلاف جہاد میں نکلنے سے اِنکار کر رہے تھے، اور آپ بھی سودی نظام کے خلاف جائز جدوجہد میں شامل ہونے سے اِنکار کر رہے ہیں، تو یہ آیت آپ پر زیادہ فٹ ہوتی ہے۔

۷۲.....ص ۴۷۵:-

''واضح رہے کہ اسلامک بینکنگ کے حوالے سے جہاں تک حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی مہارت اور ان کی مخلصانہ کاوشوں کا تعلق ہے تو اس پر ہم کوئی تقابلی بحث نہیں کرتے کیونکہ حضرت، ہمارے ان قابلِ احترام بزرگوں میں سے ہیں کہ تقابل وموازنہ کے لیے جن کا نام لینا ہم گستاخی سمجھتے ہیں۔''

پوری کتاب ان کی مخالفت میں لکھنے اور ان کی عبارات کا غلط مطلب بیان کرنے کے بعد اب کتنی معصومیت سے یہ بات کہی جارہی ہے! ناوک نے ترے صید نہ چھوڑا زمانہ میں۔

ستر سے زائد یہ عبارات آپ کے سامنے ہیں جو سرسری نظر سے جمع کر دی گئی ہیں، ان عبارات کے علاوہ پوری کتاب کو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی عبارات کی بار بار تکرار سے بھرا گیا ہے، ان کی وہ عبارات جو سودی نظام اور سودی طریقے کے خلاف لکھی گئی تھیں انہیں بڑی ہوشیاری کے ساتھ غیر سودی شرعی طریق کار پر فٹ کر کے حرمت ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان سب کے بعد فقہی دلائل کے نام پر سطحی باتیں مکرّر، سہ کرّر بلکہ پنج کرّر ذِکر کی گئی ہیں۔ وہ فقہی دلائل نہیں یا عمومی وعظ ونصیحت ہے یا عمومی کلیات جن کا اِنطباق اپنی مرضی کی جزئیات پر کر کے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ہم نے دلائل کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کے بعد اگر کتاب میں کچھ بچا ہے تو وہ حضرت مدظلہم کی طرف غلط باتوں

کی نسبت اور غیر سودی طریقِ کار کے بارے میں غلط بیانیاں!

اب یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے ''فتویٰ'' کا مقدس نام دیا جاسکے! چہ جائیکہ اسے ''متفقہ فتویٰ'' کہہ کر کسی ایک یا متعدّد دارالافتاء کی طرف سے جاری کیا جاسکے! کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ فتویٰ کے نام پر لکھی جانے والی اس تحریر کے غلط مندرجات، طنزیہ تعریضات، شرعی حدود کی پامالی اور واقعاتی حقائق کو مسخ کرنے والی عبارات سے اپنی زندگی ہی میں سچی توبہ کرلی جائے۔

***

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''یہ مضمون سعودی عرب سے شائع ہونے والے عربی اخبار ''الاقتصادیۃ'' میں مشہور عرب صحافی محمد الخُنیفر نے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی تائید میں لکھا ہے۔ قارئین کی سہولت کے لیے اس کو اُردو میں ترجمہ کر کے پیش کیا جارہا ہے۔ عبدالحی چترالی۔''

جن کی کتابیں مغربی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہیں، بینکنگ سے متعلق ان کے فتوے نوخیز مفتیوں کے لیے مرجع ہیں، لاکھوں لوگ ان کے علوم سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

علامہ عثمانی

جنھوں نے صکوک (بانڈز) مارکیٹ کی بنیادیں ہلادیں......اس وقت اپنے ہی بھائیوں کے تیروں اور متشدّد امریکیوں کے نیزوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں.....

محمد تقی عثمانی کو، جو داڑھی میں سرخ خضاب لگاتے ہیں، مخملی کپڑے کی بنی ہوئی بیش قیمت جناح کیپ سر پر سجاتے ہیں، اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ مغربی ممالک میں جاکر اپنے ناقدین سے اپنا تعارف کرواتے پھریں، ان کے مغربی ناقدین کی نیندیں تب سے حرام ہیں جب سے ان کو معلوم ہوا کہ اسلامک فائنانسنگ اب ان کی سرحدوں تک پہنچ گئی ہے۔ شیخ تقی (جیسا کہ ملائیشیا کے لوگ ان کو اسی نام سے پکارنا پسند کرتے ہیں) اس

بات کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ان کو امریکا کا سفر کر کے اُن لوگوں کا سامنا کرنا چاہیے جو ان کی تاریخ کو مسخ کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ تشدّد پسند آئیڈیالوجی کے ہاتھ مضبوط کرتے ہیں۔

ان پر اِعتراضات اور تنقیدوں کی بوچھاڑ اب بھی بے تکان جاری ہے، صرف بیرونی دُنیا کی طرف سے نہیں، بلکہ ان کے ہم وطن ایسے علماء کی طرف سے بھی جو ان کی اِعتدال پسند فقہی علمی حیثیت کی بالادستی گوارا نہیں کرتے۔

اپنوں کی طرف سے شکوک وشبہات

کوئی چھ مہینے پہلے کی بات ہے کہ پاکستان کے چند مفتی حضرات نے ایک فتویٰ جاری کیا جس کا مقصد سادہ لوح پاکستانیوں کو اِسلامک فائنانسنگ سے دُور رکھنا تھا۔ علامہ عثمانی اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہوگئے۔ چونکہ یہ فتویٰ جنگل کی آگ کی طرح دُنیا بھر میں پھیل چکا تھا اس لیے کینیڈا بھی پہنچا۔ علامہ عثمانی نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح ان حضرات کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ شروع ہو، مگر ان حضرات نے ایک ایسے شخص کو نظر انداز کیا جو کسی زمانے میں سپریم کورٹ کا جج رہ چکا ہے۔

پاکستان کے اندر علماء کے درمیان جب اس مسئلے پر پھوٹ پڑی تو بعض حضرات دارالعلوم دیوبند سے رُجوع کرنے پر مجبور ہوئے، جسے ہندوستان کا جامعہ از ہر کہا جاتا ہے۔ مستفتی نے اپنے سوال میں لکھا کہ علامہ عثمانی جو اِسلامی بینکاری کے حوالے سے کام کر رہے ہیں اس پر یہاں لوگ بہت زیادہ اِعتراضات کر رہے ہیں، سائل نے پوچھا کہ کیا دارالعلوم دیوبند کے فقہاء بھی اس مسئلے میں پاکستانی بھائیوں کے ہم خیال ہیں یا ان کے مخالف؟

لیکن جب دارالعلوم دیوبند سے سوال کا جواب آیا تو ان سب کی اُمیدوں پر پانی

پھر گیا، جس میں علامہ عثمانی کے سودی بینکوں کے معاملات کے بارے میں حرمت کا بیان، اور اسلامی بینکاری کے میدان میں موجود غیر شرعی اُمور کے سلسلے میں ان کے علم و موقف کو سراہا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کے فتوے کا لہجہ اس وقت سخت ہوگیا جب اس نے علامہ عثمانی کے علم وفقہ کے حوالے سے شکوک وشبہات کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا: ''جان لو..... جو لوگ علامہ عثمانی کے خلاف شکوک وشبہات پھیلا رہے ہیں ان میں کوئی خیر نہیں ہے۔''(۱)

پاکستان کے حالات سے واقف مغرب میں مقیم ایک فقیہ کا کہنا ہے: ''ان پاکستانی علماء کا یہ ایک شرمناک اِقدام تھا، جو اس بات کا دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ وہ دِل سے علامہ عثمانی کا اِحترام کرتے ہیں۔''

دارالعلوم دیوبند جو کہ ہمیشہ سے علماء کے موقف کی تائید کرتا آیا ہے، اس سے یہ بات کوئی بعید نہ تھی کہ وہ ایک ایسے فرزند کی حمایت جس کا والد کسی زمانے میں پاکستان کا مفتیٔ اعظم رہا ہے۔ اسی طرح دارالعلوم دیوبند سے اس بات کی توقع بھی نہ تھی کہ وہ خاندانِ عثمانی کا ساتھ نہیں دے گا جس خاندان نے اسلامی بینکاری کی شمع نہ صرف پاکستان بلکہ بیرونِ پاکستان بھی روشن کی۔ ڈاکٹر محمد عمران بن محمد تقی عثمانی، اور ان کے کزن اس وقت عرب دُنیا اور مغربی ممالک کے بڑے بڑے شرعی اِداروں میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

صدر جنرل ضیاء الحق وہ پہلے آدمی تھے جن کو آج سے ۳۲ سال قبل نوجوان علامہ عثمانی کی ذہانت وفطانت کا احساس ہوا، باوجود اس کے کہ وہ پاکستان میں اُنیس سو ساٹھ کے عشرے سے اِسلامی بینکاری کو متعارف کرانے میں ایک بنیادی کردار ادا کر رہے تھے، وہ صدر کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے لوگوں میں سے تھے، جن سے صدرِ مملکت نے حدود و

(۱) دارالعلوم دیوبند کے فتوے کی جو کاپی ہمارے پاس پہنچی ہے، اس میں یہ خط کشیدہ جملہ نہیں ہے، ممکن ہے کہ مضمون نگار کے پاس کوئی اور فتویٰ موجود ہو۔ (از مترجم)

قصاص کو نافذ کرنے کے سلسلے میں بڑی مدد حاصل کی۔ فقہ المعاملات کے میدان میں ان کی تصنیفات نے اسلامک فائنانسنگ انڈسٹری کو ضروری گراں قدر علمی مواد فراہم کیا۔ جس کے بعد دُنیا بھر میں قائم ہونے والی اسلامک فائنانسنگ انڈسٹری کے لیے راستہ ہموار ہوا۔

امریکی دایاں بازو اور مشہور امریکی انڈیکس ''ڈاؤ جونز'' کی معاندانہ مہم

جب ان لوگوں کو اس بات میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی کہ کسی طرح فقہ المعاملات کے میدان میں علامہ عثمانی کے اِجتہادات میں شکوک وشبہات پیدا کرسکیں تو انہوں نے اپنا داؤ پیچ تبدیل کردیا، چنانچہ انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ ان کو دُوسری باتوں سے منسلک قرار دے دیا جائے۔

دائیں بازو کا امریکی میڈیا اُس وقت ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا رہا، خصوصاً جب اس نے دیکھا کہ علامہ عثمانی نے اپنے علوم ومعارف سے اسلامک فائنانسنگ انڈسٹری کو مضبوط پیروں پر کھڑا کردیا ہے اور اس نے امریکا کا رُخ کرنا شروع کردیا ہے۔ چنانچہ کالم نگاروں نے علامہ عثمانی کے ماضی کو کرید کرگڑھوں سے مردوں کو نکالنا شروع کردیا، اور یہ کہنے لگے کہ ان کا تعلق تو ریڈیکل اسلامک آئیڈیالوجی سے ہے

مشہور امریکی اسٹاک انڈیکس ''ڈاؤ جونز'' نے جسے علامہ عثمانی کی وجہ سے کئی ملین ڈالر کا فائدہ ہوچکا تھا، علامہ عثمانی سے کہا کہ آپ ہمارے شریعہ ایڈوائزری بورڈ سے استعفیٰ دے دیں۔

بورڈ سے ان کے استعفیٰ کے کئی مہینوں کے بعد ''ڈاؤ جونز'' انڈیکس کے صدر مائیکل پیڑونیلا نے کہا کہ استعفیٰ کی اصل وجہ علامہ عثمانی پر وہ اِلزامات تھے جو اس وقت امریکی میڈیا میں گردش کررہے ہیں۔

اس طرح نہایت سادگی کے ساتھ، بغیر کسی تحقیق کے، کہ یہ اِلزامات دُرست بھی

ہیں کہ نہیں، ڈاؤ جونز نے اپنے ایک ایسے فقیہ سے دامن چھڑالیا جس کے علوم ومعارف نے اس کے انڈیکس کو اِسلامی بنانے، اور ''اسلامی انڈیکس'' نامی جدید انڈیکس متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

علامہ عثمانی اپنے ناقدین کی نظر میں

کارلا پاور، جو کہ ایک امریکی خاتون صحافی ہے اور جس کو یہ کہنے میں کسی قسم کا تردّد نہیں ہے کہ علامہ عثمانی، نظام یعقوبی اور ان کے اپنے ہم وطن فقیہ یوسف طلال ڈیلورنز و اس وقت اسلامک فائنانسنگ کے چمپئن ہیں۔ یہ امریکی خاتون صحافی اپنے کالم میں لکھتی ہے: ''یہاں تک کہ ۲۰۰۸ء میں جب کریڈٹ کے حوالے سے لوگوں میں بددِلی کا آغاز ہو رہا تھا تو اِسلامک فائنانس ایک اچھوتا اسٹائل تھا جو عالمی فائنانسنگ کی فیلڈ میں تیز رفتاری سے ترقی کر رہا تھا۔ اگرچہ وہ ایک لحاظ سے کچھ لوگوں پر مخفی رہا، لیکن ''وال اسٹریٹ'' کی تباہی کے بعد اسلامی فائنانسنگ کے چمپئنوں نے یہ کہہ کر اس کو متعارف کرانے کی تگ ودو شروع کردی کہ یہ عالمی مالیاتی مشکلات سے بچنے کی ایک محفوظ پناہ گاہ ہے۔''

اس خاتون کالم نگار نے مذکورہ حضرات کی تعریف کرنے کے بعد اِشارہ وکنایہ سے یہ کہنا شروع کردیا کہ دراصل یہ لوگ ہاؤس بلڈنگ فائنانسنگ اور کریڈٹ کارڈوں پر شریعت کا لیبل چڑھا کر حیلے بہانے سے کام لیتے ہیں اور بہت زیادہ دولت بٹور رہے ہیں۔ دُوسری طرف ''کرسچین جسٹس سینٹر'' نے کہا کہ علامہ عثمانی اسلامک فائنانسنگ کے بانی اور اس کے رُوحانی باپ ہیں۔ اس کے بعد اس سینٹر نے اس حنفی فقیہ پر بے سروپا اِلزامات کی بوچھاڑ کردی، جن کے پاس کبھی وال اسٹریٹ کے بڑے بڑے لوگ مشورے کے لیے آیا کرتے تھے۔

اس معاندانہ مہم میں اہلِ خلیج کا حصہ

اگر عالمی سطح پر رُونما ہونے والا مالیاتی بحران سامنے نہ آتا تو انویسٹمنٹ سرٹیفکیٹ

(صکوک) مارکیٹ میں ۳۱ اَرب ڈالر کے سودے ہونے کی توقعات تھیں، جو صرف مالی بحران اور علامہ عثمانی (شرعی اکاؤنٹنگ اینڈ آڈیٹنگ بورڈ کے صدر) کے بیان کی وجہ سے نہ ہو سکے۔ جنھوں نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ ۸۵٪ انویسٹمنٹ سرٹیفکیٹ کے کاروبار میں شرعی اَحکام کی پاسداری نہیں کی جارہی ہے، کیونکہ ان کو دوبارہ فروخت کرنے کے معاہدے ہو رہے ہیں۔

عالمی سطح پر رُونما ہونے والے ان واقعات نے محمد الشعار (اکاؤنٹنگ بورڈ کے سیکریٹری جنرل) کو یہ کہنے پر مجبور کردیا کہ صکوک (انویسٹمنٹ سرٹیفکیٹ) کی مارکیٹ کے خلافِ شرع اُمور کی اِصلاح کی خاطر (۶۸ سالہ) علامہ عثمانی کے مذکورہ بیان نے ان مارکیٹوں کا بھٹہ بٹھادیا ہے۔

لیکن مغرب کے بقول بینکنگ کے شعبے میں عالمی سطح پر اثر ورُسوخ رکھنے والے اس فقیہ نے اپنے بورڈ کے صدر کے بیان پر، جو ان سے عمر میں چھوٹے ہیں، تبصرہ کرنے سے رائٹرز کے صحافی ''جان بینہام'' کے اِصرار کے باوجود اِنکار کردیا۔

باوجود اس کے کہ ''فنانشل ٹائمز'' نے موجودہ ملینیم کے اس مشہور ترین فقیہ کے ساتھ انصاف سے کام لیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ انہوں نے ان صکوک کو غیر اِسلامی قرار دے کر بینکنگ سیکٹر پر اِحسان کیا ہے۔ لیکن پھر بھی خلیجی ممالک میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو ان کے متعلق کہتے ہیں کہ: ''خلیجی انویسٹمنٹ سرٹیفکیٹ مارکیٹ کا گلا دبانے اور اس کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے سازش کی۔''

علامہ عثمانی نے ان صکوک (سرٹیفکیٹس) کو سخت لفظوں میں ناجائز کہا تھا، جو اِسلامک فائنانسنگ انڈسٹری کے تانے بانے کے ذریعے پھیل رہی تھیں۔

برطانوی اخبار ''فنانشل ٹائمز'' کی تعریف نے متعدد سوالات جنم دیئے ہیں، سوال یہ ہے کہ غلطی کی اِصلاح، اور اس پر خاموش نہ رہنے کی رَوِش، ایک فقیہ کے کردار کو اہلِ خلیج کی نظر میں کیسے داغدار بنا سکتی ہے۔

علامہ عثمانی ہی کے طریقے کے ایک رفیق کہتے ہیں: ''اسلامک بینکنگ انڈسٹری سے وابستہ افراد کے لیے کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ وہ سرٹیفکیٹ کے بحران کے اثرات کا باب بند کردیں، اور کراچی کے فقیہ کا ساتھ دیں؟ خصوصاً جبکہ ان کے مخالفین کی قوت بڑھ رہی ہے۔''

بے لگام تنقیدوں کا سیلاب اُمڈ آنے کے بعد علامہ عثمانی کے ایک قریبی ساتھی سے برداشت نہ ہوسکا، اس نے کہا: ''ہمارے فقیہ جن حالات سے دوچار ہوگئے ہیں، ان میں ہم اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔''

یہ مؤثر کلمات ان مخالفتوں کی عکاسی کرتے ہیں جو گزشتہ چار عشروں سے اس انڈسٹری کے اُتار چڑھاؤ میں ثابت قدم رہنے والے شخص کو پیش آرہی ہیں۔

***

مفتی محمد رضوان

اسلامی بینکاری کا سفر

یہ بات کسی صاحبِ بصیرت سے مخفی نہیں کہ اس دور میں بڑی جنگ معاشی سمجھی جاتی ہے، معاش کے قوی وضعیف ہونے پر ہی ظاہری اسباب کے درجے میں اس وقت کسی قوم وملک کی فتح یا شکست کا بڑا مدار سمجھا جاتا ہے۔

اور شریعتِ مطہرہ نے بھی معاد کے ساتھ ساتھ معاش اور معاشی مسائل پر خصوصی توجہ دی ہے، اور اس کے لیے ایسے فطرت کے مطابق قوانین واُصول وضع کیے ہیں کہ ان کو اِختیار کر کے معاشی زندگی کو بھی بہتر بنایا جاسکتا ہے، خواہ اس زندگی کا تعلق انسان کی اِنفرادی زندگی سے ہو یا اِجتماعی زندگی سے۔

لیکن بدقسمتی سے گزشتہ چند صدیوں سے مسلمانوں نے اسلام کے معاشی نظام کے قوانین واُصولوں کو ایسا نظر انداز کیا کہ اس کے نتیجے میں دُنیا میں دُشمنانِ اسلام کی طرف سے کئی خودساختہ غیر اِسلامی نظامہائے معیشت وجود میں آگئے، جنھوں نے اِنسانیت کو اپنی دلدل میں ایسا جکڑا کہ ان سے نکلنا آسان نہ رہا۔

پھر اُوپر سے ان خودساختہ وغیرفطری معاشی نظاموں میں جگہ جگہ اسلام کا لیبل بھی لگایا گیا، جس سے معاملہ اور زیادہ پیچیدہ ہوگیا، اور مسلمانوں کے ایک طبقے نے ان نظاموں کی اِصلاح کے بجائے انہی کو اِسلامی معاشی نظام سمجھ کر اِختیار کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ خودساختہ اور غیرفطری نظام پوری دُنیا کے کونے کونے میں غالب ورائج ہوگئے۔

اس غیر اِسلامی نظام کا بڑا حصہ غیر اِسلامی بینکنگ بھی تھا جس کی بنیاد خالصتاً سود

پر مبنی تھی، مگر اس کے باوجود دُنیا بھر کے بیشتر اَفراد کو اس کے ساتھ کسی نہ کسی جہت سے وابستہ کر دیا گیا، چنانچہ بجلی، گیس وغیرہ کے بل جمع کرنے اور بعض اِداروں کے ملازمین کی تنخواہ کے حصول کے لیے بینکوں سے تعلق قائم کر دیا گیا، بہت سی چیزوں کی خریداری کے لیے بینکوں کی مدد حاصل کرنے کی ضرورت پیش آنے لگی، فتنوں کے دور میں رُقوم وغیرہ کی حفاظت کے لیے بینکوں کا سہارا لینا پڑا۔ اور اس قسم کی بے شمار لوگوں کی ضروریات بینکوں کے ساتھ وابستہ ہو گئیں۔

اس صورتِ حال کے نتیجے میں اہلِ علم حضرات کی ایک جماعت کو اس نظام کی اِصلاح کی فکر غالب رہی اور وہ اپنی زندگی کی صلاحیتوں کا اہم حصہ اس سسٹم و پروگرام یا نظام کی اِصلاح کی کوشش میں صَرف کرتے رہے، جس میں انہیں غیر معمولی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

سب سے پہلی مشکل تو خود اس نظام کو سمجھنے کی تھی، پھر اگلی مشکل اس کا اسلامی قوانین وقواعد کی روشنی میں جائزہ لینے کی اور اس سے بھی اگلی مشکل کسی طرح سے اس کو اِسلامی سانچے میں ڈھالنے اور اس غیر اِسلامی نظام کے مقابلے میں اسلامی نظام کا اِجرا اور پھر اس کو رِواج دینے کی صورت میں پیش آئی، لیکن اللہ کے بندوں کی اس مذکورہ جماعت نے اپنی جدوجہد کا سلسلہ جاری رکھا، اور اس کی اِصلاح کے لیے اپنی توانائیاں صَرف کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

ان کو اس سفر میں جتنی اور جس قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ہم اس کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے اور بعض مخصوص مجبوری والی صورتوں میں فقہائے کرام کے بیان فرمادہ حیل کو بھی اِختیار کرنا پڑا۔

ان حضراتِ گرامی کی مخلصانہ جدوجہد کے نتیجے میں سود اور حرام خوری کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اُمید کی ایک کرن اور شمع روشن ہوئی، اور غیر اِسلامی بینکاری کے مقابلے میں اسلامی بینکاری کی داغ بیل قائم ہوئی۔ اور اس کی روشنی میں وقت کے ساتھ

ساتھ اضافہ ہونا شروع ہوا، جوں جوں اصلاحات کا عمل اور سفر آگے بڑھا اس کے ساتھ ساتھ اسلامی بینکاری کے نظام کی خوبیوں کا بھی دُنیا نے مشاہدہ کرنا شروع کیا، سفر کا سلسلہ جاری تھا، لیکن ابھی تک منزل تک رسائی نہیں ہوسکی تھی۔

اور جو مخلص اہلِ علم حضرات بینکاری نظام کی اِصلاح کی خدمات سرانجام دے رہے تھے اور اس کو طے کررہے تھے ان کا ہرگز اور ہرگز یہ دعویٰ نہیں تھا کہ انہوں نے اپنی منزلِ مقصود کو پالیا ہے اور ان کا سفر مکمل ہوگیا ہے اور وہ اس نظام سے مطمئن ہوکر اپنے گھروں میں جاکر نہیں بیٹھ گئے تھے، بلکہ ابھی اپنے آپ کو منزلِ مقصود سے دُور تصوّر کرتے ہوئے اور مایوسی سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے اسلامی بینکاری کی اِصلاح کے سفر کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔

اہلِ علم کے اس خدمت گزار گروہ کے مقابلے میں اہلِ علم حضرات ہی کے کچھ افراد ایسے بھی تھے کہ انہیں اس میدان میں خدمت کا موقع نہیں مل سکا تھا، ان میں سے بعض حضرات کی نظر تو ''اسلامی بینکنگ'' کے عنوان پر رہی، جس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ نظام سو فیصد اسلامی نظام بن چکا ہے، اور گویا کہ انہوں نے اس سفر کو، جس کا پہلے ذِکر کیا گیا، منزل خیال کرلیا، اسی کے ساتھ ان حضرات کا اسلامی بینکاری کے لیے اِصلاحات کی کوشش وجدوجہد کرنے والے اہلِ علم پر بھی غیر معمولی اِعتماد رہا، لیکن خود سے اس تحقیق کی نوبت نہیں آسکی کہ ان اہلِ علم حضرات نے اس نظام کو سو فیصدی اسلامی قرار دیا ہے یا پھر وہ اس کی اِصلاح کی کوشش میں مشغول ہیں اور مقصود و منزل کی طرف سفر جاری ہے۔ اس لیے اہلِ علم حضرات کے اس ناواقف گروہ کی اسلامی بینکاری کے متعلق خوش فہمی کچھ ضرورت سے زیادہ ہی وابستہ وقائم ہوگئی۔

بینکاری اور بالخصوص اسلامی بینکاری کی اِصلاحات کی خدمات سے الگ تھلگ اہلِ علم حضرات ہی کا ایک گروہ وہ تھا جو اِبتداہی سے بینکاری نظام کے خلاف تھا، یا پھر ان کی نظر سفر کے اس حصے پر تھی جو ابھی تک طے نہیں ہوا تھا، اور سفر کا جو حصہ طے ہوگیا تھا اس کو وہ

بارِ خاطر میں نہ لاتے تھے، اور ان حضرات کو اہلِ علم کی اس جماعت پر، جو اسلامی بینکاری پر کام کر رہی تھی، اس درجے کا اِعتماد نہیں تھا (خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ اس جماعت کے اکابر و معاصر ہوں اور وہ اس جماعت کی اتباع کی ضرورت نہ سمجھتے ہوں یا کوئی اور وجہ ہو) اس لیے یہ گروہ اسلامی بینکاری کے حق میں نہ تھا، اور ساتھ ہی اس گروہ کے بعض افراد اِسلامی بینکاری کی ضرورت کا ہی انکار کرتے رہے۔

اور اہلِ علم حضرات میں سے کچھ حضرات ایسے بھی تھے کہ انہیں بعض چیزوں میں ان اہلِ علم حضرات سے فقہی قواعد و نظائر کی روشنی میں اِختلاف تھا جو اِسلامی بینکاری کی اِصلاحات کی کوشش فرما رہے تھے، اور انہوں نے غور و فکر و اِجتہاد کے نتیجے میں بعض اُمور کو جائز قرار دِیا تھا، خواہ اس کی وجہ انہوں نے ضرورت سمجھی ہو، یا ضرورت کے بغیر دلائل کی رُو سے اِبتداءً ہی جائز سمجھا ہو، لیکن یہ اِختلاف اس درجے کا نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے اس پورے سفر ہی کو غلط کہا جائے اور مبدءِ سفر پر رُجوع کا حکم لگایا جائے، بلکہ وہ سفر کے راستے کے نشیب و فراز کی تعیین و نشاندہی کے درجے کا تھا، جس پر غور و فکر کی اپنی جگہ ضرورت تھی، اور کسی نہ کسی درجے میں ان اُمور پر غور و فکر بھی جاری تھا۔

لیکن گزشتہ دنوں چند اہلِ علم حضرات کی طرف سے اسلامی بینکنگ کے خلاف پُرزور انداز میں آواز اُٹھائی گئی اور اس نظام پر گویا کہ سو فیصدی حرام و سود پر مشتمل اور غیر اِسلامی ہونے کا حکم لگایا گیا اور اس پورے سفر ہی کو گویا غلط قرار دیا گیا۔

اہلِ علم حضرات کا کسی مجتہد فیہ مسئلے میں اِختلاف ہو جانا نہ تو مذموم ہے، اور نہ ہی اس کے خاتمے کی ضرورت ہے، لیکن اس کے لیے ان اہلِ علم حضرات کی طرف سے یکطرفہ طور پر جو سخت موقف اختیار کیا گیا، وہ فقہ و اِجتہاد سے زیادہ ہم آہنگ محسوس نہیں ہوا۔

ایک طرف تو ان حضرات نے مجتہد فیہ مسائل کو منصوصِ قطعی کے درجے میں پیش کیا، اور دُوسری طرف بعض اُمور پر صرف تخمینے اور ظن کی بنیاد پر حکم لگا دیا گیا، اور تیسرے بعض اُمور کی بنا پر سارے نظام پر ہی ناجائز و حرام ہونے کا حکم لگا دیا گیا، جس سے تشویش و

اِضطراب پیدا ہوا۔

اور عوامی و علمی حلقوں میں کئی پریشان کن مسائل نے جنم لیا، اور دُنیا بھر کے جید اور مستند اہلِ علم حضرات کی طرف سے کی گئی محنت اور جدوجہد کو بیک جنبشِ قلم نظر انداز کردیا گیا، اور پھر اُوپر سے چند اہلِ علم حضرات کے فیصلے کو متفقہ فتوے اور فیصلے کا عنوان دیا گیا، اس فتوے و فیصلے سے کن حضرات کو اِتفاق ہے، اور کن کو اِختلاف، اس کی حقیقت شاید آنے والے وقت میں منکشف ہوکر سامنے آجائے۔

اسی کے ساتھ اپنے اس موقف کی انتہائی جذباتی انداز میں تبلیغ و تشہیر بھی شروع کردی گئی، جس کے بعد آج کل کے ماحول میں رُجوع کے راستے بھی مسدود ہوجاتے ہیں۔

حالانکہ صحیح طریقہ یہ تھا کہ ان حضرات کو اِبتداءً اپنی رائے اسلامی بینکاری پر کام کرنے والے اہلِ علم حضرات کے سامنے پیش کرنی چاہیے تھی، پھر ان حضرات کی طرف سے جواب موصول ہونے اور نظرِ ثانی کے بعد (اِختلاف برقرار رہنے کے باوجود) شائع کرنے میں حرج نہ تھا۔

جہاں تک اس رائے کو متفقہ فیصلہ و فتویٰ قرار دینے کا تعلق ہے، تو جتنی تعداد اور جس درجے کا فقہی ذوق و منصب رکھنے والے اہلِ علم حضرات اس میں شریک ہوئے اس سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر تعداد میں معاشی میدان میں زیادہ علم و تجربہ رکھنے والے اہلِ علم حضرات بھی اپنا مفصل و مدلل فتویٰ فیصلہ صادر کرنے کا حق رکھتے ہیں، پھر اس فیصلے و فتوے کو غیر متفقہ اور پہلے کو متفقہ قرار دینے میں مابہ الفرق کیا چیز رہ جائے گی؟

اور ہمارے خیال میں موجودہ حالات میں جبکہ ایک طرف سے پوری شدّ و مدّ کے ساتھ اسلامی بینکاری کے متعلق بالکلیہ عدمِ جواز کے بارے میں تبلیغ و تشہیر کی جارہی ہے تو اہلِ علم حضرات کی اس جماعت پر جو اِسلامی بینکاری کی اِصلاح و اِجرا کی خدمت کی ذمہ داری انجام دے رہی ہے، یہ فریضہ عائد ہوچکا ہے کہ عدمِ جواز کے قائلین کے دلائل کا اِجتماعی طور پر جائزہ لے کر ان بنیادوں اور دلائل کو منظرِ عام پر لائیں، جن کی بنا پر وہ جواز کا

قول کرتے رہے ہیں، اور ساتھ ہی ان پر وارِد ہونے والے شبہات و دلائل کے جواب سے بھی آگاہ کریں۔

ورنہ بصورتِ دیگر جواز کے قول کو اِختیار کیے رکھنے کا عوامی دُنیا میں کوئی اثر باقی نہ رہے گا۔

افسوس ہے کہ ایک عرصہ گزرنے کے باوجود اس جماعت کی طرف سے کوئی مؤثر وٹھوس اور شافی جواب کا منظرِ عام پر نہ آنا طرح طرح کے شکوک وشبہات کا باعث بن رہا ہے۔

ہم نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی بینکاری کی اِصلاحات کا منزل کی طرف سفر جاری رکھنے والی جماعت کا موقف دلائل وحقائق کے اِعتبار سے دُرست ہے، اور اس سفر کو منزل سمجھنے یا اس طے شدہ سفر کو غلط قرار دینے یا اس کو درمیان میں ختم کر کے واپس آنے کی خواہش ومطالبہ رکھنے والی جماعت کا موقف دلائل وحقائق کے لحاظ سے دُرست نہیں، بلکہ نتائج کے اِعتبار سے بھی مفید نہیں، جس کا پتہ آئندہ آنے والے وقت میں ہی چلے گا۔

***

عبداللہ بن محمد شفیع

اسلامی بینکاری اور ٹیلی ویژن کے متعلق چند گزارشات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

حال ہی میں ایک فتویٰ نظر سے گزرا جو بقیۃ السلف جناب حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور دُوسرے مفتیانِ کرام کے دستخطوں سے شائع کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:-

''اسلام کی طرف منسوب مروّجہ بینکاری قطعی غیر شرعی اور غیر اِسلامی ہے، لہٰذا ان بینکوں کے ساتھ اسلامی یا شرعی سمجھ کر جو معاملات کئے جاتے ہیں وہ ناجائز اور حرام ہیں۔ اور ان کا حکم دیگر سودی بینکوں کی طرح ہے۔''

نیز برآں یہ کہ:-

''تصویر کی اِباحت اور جواز کا راستہ اِختیار کرتے ہوئے کسی قسم کے ٹی وی چینل کا اِجراء یا علمائے کرام کا ٹی وی پر آنا اور اسے تبلیغِ دِین کی ضرورت کہنا اور سمجھنا شریعت کی خلاف ورزی ہے اور جدیدیت و اِباحیت کی ناجائز پیروی ہے۔ مسلمانوں پر واجب اور لازم ہے کہ دیگر حرام اور خلافِ شرع اُمور کی طرح ان سے بھی بچنے کا بھرپور

اہتمام فرمائیں۔‘‘

ان مفتیانِ کرام کے اِخلاصِ نیت پر کسی طرح کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مندرجہ بالا فتویٰ میں دو اُمور کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان دونوں اُمور کے سلسلے میں چند گزارشات پیشِ خدمت ہیں۔ آج سے تقریباً پندرہ سال پہلے دارالعلوم کراچی میں ’’الدورۃ التعلیمیہ حول الاِقتصاد المعاصر فی ضوء الشریعۃ الاِسلامیۃ‘‘ کے عنوان سے معاملاتِ جدیدہ اور ان کی فقہی حیثیت سے متعلق پندرہ روزہ تعلیمی کورس جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۳ء میں منعقد کیا گیا تھا۔ جس میں ملک کے مختلف صوبوں سے علمائے کرام نے شرکت کی تھی۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس موقع پر علماء کو عصرِ حاضر کے معاشی مسائل سے متعلق ضروری معلومات پر مشتمل یومیہ تقریباً تین گھنٹے کا درس دیا۔ حضرت مولانا کے اِفتتاحیہ خطاب سے چند اِقتباسات ملاحظہ ہوں جس سے ان مسائل کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

’’یہ بات ہر مسلمان کو محسوس ہو رہی ہے اور خاص طور سے اہلِ علم کو اس کا اِحساس ہے کہ جب سے مغربی اِستعمار کا دُنیا پر غلبہ ہوا، اس وقت سے دِین کو ایک منظم سازش کے تحت صرف عبادت گاہوں، تعلیم گاہوں اور ذاتی گھروں تک محدود کر دیا گیا ہے، سیاسی اور معاشی سطح پر دِین کی گرفت نہ صرف یہ کہ ڈھیلی پڑ گئی بلکہ رفتہ رفتہ ختم ہو چکی ہے۔ مغرب میں مذہب کا تصوّر یہ ہے کہ یہ اِنسان کا ایک ذاتی اور پرائیویٹ معاملہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کسی مذہب پر کاربند ہو یا نہ ہو، ایک مذہب اِختیار کرے یا دُوسرا مذہب اِختیار کرے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ اس وقت تو مغرب میں مذہب کے بارے میں یہ تصوّر ہے کہ مذہب کا حق و باطل سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تو درحقیقت اِنسان کی رُوحانی تسکین کا ذریعہ ہے۔ (مذہب) چونکہ ذاتی اور پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے لہٰذا زندگی کے دُوسرے شعبوں میں اس کے عمل دخل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہیں سے لادِینی جمہوریت (سیکولرزم) کا نظریہ وجود میں آیا۔ اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک زندگی کے اِجتماعی کام ہیں،

مثلاً معیشت اور سیاست وغیرہ، یہ ہر مذہب سے آزاد ہیں اور اِنسان اپنی عقل، تجربہ، مشاہدہ کے ذریعے جس طریقے کو پسند کرلیں وہ طریقہ اِختیار کرنا چاہئے، مذہب کی ان کے اُوپر کوئی بالادستی نہیں ہونی چاہئے۔

جب مغربی اِستعمار نے اِسلامی ملکوں پر اپنا تسلط جمایا تو اس نے اس لادِینی جمہوریت کا تصوّر بھی پھیلایا اور بزورِ شمشیر پھیلایا۔ توپ وتفنگ کے بل بوتے پر انہوں نے پہلے سیاسی تسلط قائم کیا، اس کے بعد رفتہ رفتہ سیاسی اور معاشی اِداروں سے دِین کا رابطہ توڑا اور اس رابطے کو توڑنے کے لئے ایسا نظامِ تعلیم بروئے کار لانا چاہتے ہیں جس سے ایسی نسل پیدا ہو جو رنگ وزبان کے اِعتبار سے تو ہندوستانی ہو، لیکن فکر اور مزاج کے اِعتبار سے خالص انگریز ہو۔ بالآخر وہ اس تعلیمی نظام کو رائج کرنے میں کامیاب ہوگئے، جس نے دِین کا رشتہ، سیاست، معیشت، اِقتصاد اور زندگی کے دُوسرے شعبوں سے کاٹ دیا اور مذہب کو محدود کردیا۔

ایک طرف دُشمنانِ اسلام کی یہ سازش تھی، دُوسری طرف اس سازش کے کامیاب ہونے میں کچھ حصہ ہمارے اپنے طرزِ عمل کا بھی ہے کہ ہم نے اپنی زندگی میں جتنا زور اور جتنی توجہ عبادات کے اُوپر صَرف کی اتنی توجہ زندگی کے دُوسرے شعبوں کی طرف نہیں دی، حالانکہ اسلام پانچ شعبوں کا نام ہے: عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اَخلاق۔ عقائد وعبادات کی اہمیت ہماری نظر میں برقرار رہی لیکن دُوسرے شعبوں کو ہم نے اتنی اہمیت نہیں دی جتنی اہمیت دینی چاہئے تھی، اور اہمیت نہ دینے کی دو وجہ ہیں:-

۱- ایک وجہ تو یہ ہے کہ خود ہمارے اپنے عمل کے اندر جتنا اہتمام عقائد وعبادات کی دُرستی کا تھا اتنا اِہتمام معاملات، معاشرت اور اَخلاق کی دُرستی کا نہیں تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ایک شخص (معاذ اللہ) نماز چھوڑ دیتا ہے تو دِین داروں کے ماحول اور معاشرے میں وہ بڑا زبردست نکو سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اس نے اللہ کے فریضے کو اَدا کرنا چھوڑ دیا اور دِین کے ستون کو گرادیا۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے معاملات میں حرام وحلال کی پروا نہیں کرتا، یا

جن اخلاقِ رذیلہ سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے اِجتناب نہیں کرتا تو معاشرے میں اس کو اتنا مطعون اور بُرا نہیں سمجھا جاتا۔

۲- اور دُوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے دِینی مدارس کی تعلیم میں جتنی اہمیت عبادات کے ابواب کو دِی ہے، معاملات اور معاشرت واَخلاق والے حصے کو اتنی اہمیت نہیں دی۔ فقہ ہو یا حدیث ہو، تحقیق وجستجو کا سارا زور آ کر کتاب الحج پر ختم ہو جاتا ہے۔ بہت چلا تو نکاح اور طلاق تک چل گیا، اس سے آگے بیوع، معاملات اوران کے متعلق مباحث کا ترجمہ بھی نہیں ہوتا۔ یا اگر ترجمہ بھی ہو گیا تو متعلقہ مباحث کو اس اہتمام سے بیان نہیں کیا جاتا جس اہتمام سے عبادات کے جزوی وفروعی مسائل کو بیان کیا جاتا ہے۔

ہمارے اس طرزِ تعلیم نے یہ بتادیا کہ یہ اتنی اہم چیز نہیں ہے چنانچہ ان مدارس سے جو طالبِ علم فارغ ہو کر گیا، اس نے جب یہ دیکھا کہ تعلیم کے دس ماہ میں سے آٹھ ماہ تو عقائد وعبادات پر بحث ہوتی رہی اور باقی سارا دِین صرف دو مہینے میں گزار دِیا گیا ہے تو اس نے یہ تأثر قائم کیا کہ عقائد وعبادات کے علاوہ باقی سارا دِین ثانوی نوعیت رکھتا ہے، اس کی اتنی اہمیت نہیں ہے، اس میں ایک مجبوری بھی تھی اور وہ یہ کہ دُشمنانِ اسلام کی سازش کیے نتیجے میں عملی طور پر بازار میں، سیاست میں، دِین کی گرفت نہیں رہی تھی۔ اس پر چونکہ عمل نہیں ہورہا تھا اس لئے وہ مسائل جن کا تعلق تجارت، سیاست اور دیگر اِجتماعی معاملات سے تھا وہ نظریاتی حیثیت اِختیار کر گئے اور نظریاتی چیز کی طرف طبعی طور پر اتنی توجہ نہیں ہوتی جتنی اس چیز کی طرف ہوتی ہے جو عملی زندگی میں پائی جارہی ہو۔

یہ عذر اپنی جگہ تھا، لیکن واقعہ یہی ہے کہ ہمارے درس وتدریس کے نظام میں بھی معاملات، اخلاق اور معاشرے کے ابواب بہت پیچھے چلے گئے، یہاں تک کہ اس کے مبادی بھی لوگوں کو معلوم نہیں، اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ، اچھا علم رکھنے والے بھی بعض اوقات مبادی تک سے ناواقف ہوتے ہیں۔

عام مسلمانوں کے دو طبقے ہیں، ایک طبقہ وہ ہے جو انگریز کے نظامِ تعلیم اور اس کی

سازشوں کے نتیجے میں اسی کے طرزِ فکر میں بہہ گیا اور عملاً دِین سے اس نے رشتہ توڑ دیا، چاہے اس نے نام مسلمانوں جیسا رکھا ہے لیکن عملاً اس کا اِسلام سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔

دُوسرا طبقہ عوام کا وہ ہے جو مسلمان رہنا چاہتا ہے، اِسلام سے اس کو محبت ہے، دِین سے اس کو تعلق ہے اور وہ اس بات کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا کہ دِین سے اپنا رشتہ توڑے۔ ایسا طبقہ اہلِ علم سے بھی کسی نہ کسی درجے میں جڑا رہا، لیکن وہ جوڑ زیادہ تر عبادات اور عقائد کی حد تک ہی محدود رہا، اگر اور آگے بڑھا تو نکاح و طلاق تک پہنچ گیا، اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ چنانچہ اگر تمام دارالافتاؤں میں آنے والے اِستفتاؤں کے اعداد و شمار جمع کئے جائیں تو معلوم ہوگا کہ وہاں زیادہ تر آنے والے سوالات عبادات، عقائد، نکاح اور طلاق سے متعلق ہوتے ہیں، بیوع و دیگر معاملات کے متعلق سوالات نہیں آتے، یا بہت کم آتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ یہی وہ لوگ ہیں جو ہم سے عبادات کے متعلق سوال کرتے ہیں، نکاح و طلاق کے متعلق پوچھتے ہیں، یہ لوگ تجارت، معاملات اور اپنے ذاتی لین دین کے بارے میں کیوں نہیں دریافت کرتے؟ اس کی ایک وجہ سیکولرزم کا پروپیگنڈا ہے کہ دِین تو عبادات وغیرہ سے عبارت ہے، اس سے آگے دِین کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اس کا یہ اثر ہے کہ بہت سے لوگوں کو خیال ہی نہیں ہوتا کہ ہم جو کام کررہے ہیں، آیا جائز کررہے ہیں یا ناجائز کررہے ہیں؟ اس سیکولر پروپیگنڈے کا اثر یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اگرچہ یہ سمجھتے ہیں کہ معاملات کا بھی حرام و حلال سے تعلق ہے، لیکن اس پورے عرصے میں علماء اور ان کے درمیان اتنی بڑی خلیج حائل ہوگئی ہے کہ ایک طبقہ دُوسرے کی بات نہیں سمجھتا۔ اِن کا اندازِ فکر اور، اُن کا اندازِ فکر اور، اِن کی زبان اور، اُن کی زبان اور، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج ایک طبقہ دُوسرے طبقے کو بات سمجھانے پر قادر نہیں۔

ہمارے نظامِ تعلیم میں معاملات کو پسِ پشت ڈالنے کی وجہ سے علمائے کرام میں بھی ایک بڑی تعداد ایسے حضرات کی ہے جن کو نماز، روزہ، نکاح اور طلاق کے مسائل تو یاد ہوتے ہیں لیکن معاملات کے مسائل مستحضر نہیں ہوتے۔ خاص طور پر جو نئے سے نئے

معاملات پیدا ہو رہے ہیں، ان کے اَحکام کے اِستنباط کا سلیقہ نہیں ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو تاجر لوگ ایک عالمِ دِین کو اپنی بات نہیں سمجھا سکتے اور اگر سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو کئی گھنٹے صَرف ہوتے ہیں۔ دُوسری طرف عالم نے بھی اس سے پہلے اس مسئلے پر غور نہیں کیا اور نہ ہی اس مسئلے سے کبھی سابقہ پڑا، اور جن فقہی اُصولوں کی بنیاد پر اس مسئلے کا حل نکالا جاسکتا ہے، وہ مستحضر نہیں۔ جس کی وجہ سے ایک عالم، تاجر کو مطمئن نہیں کر پاتا۔ اس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ان تاجروں نے اپنے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی کہ ان مسائل کے بارے میں علماء کے پاس کوئی حل نہیں ہے، اور اس سلسلے میں ان کے پاس جانا فضول ہے۔ لہٰذا جو سمجھ میں آتا ہے کرو۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہماری تجارت، معیشت اور سیاست سب سیکولر ڈیموکریسی کے اُصولوں پر چل رہی ہیں، ان میں اسلام کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے، اور اَب تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ ان مسائل میں عوام کے اُوپر سے علماء کی گرفت ختم ہوچکی ہے، جو عوام صبح و شام ہمارے اور آپ کے ہاتھ چومتے ہیں، اپنی دُکانوں کا افتتاح، بیٹوں کے نکاح اور اپنے مقاصد کے لئے ہم سے دُعا کرواتے ہیں، انہی عوام سے اگر علماء یہ کہہ دیں کہ تجارت اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کرو، یا یوں کہا جائے کہ ووٹ مولوی کو دو، تو یہ عوام علماء کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ کیونکہ دِماغ میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ دُنیا میں زندہ رہنے کے لئے ان علماء سے کماحقہٗ رہنمائی نہیں ملے گی۔ یہ بات بڑی خلیج ہے جو حائل ہوگئی ہے۔ اور اس خلیج کو جب تک پاٹا اور بھرا نہیں جائے گا اس وقت تک معاشرے کا فساد دُور نہیں ہوسکتا۔ ہمیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حالاتِ حاضرہ کو سمجھیں کہ ہو کیا رہا ہے؟ حضراتِ فقہائے کرام رحمہم اللہ کے مدارک بڑے عظیم ہیں، انہوں نے اسی لئے فرمایا ہے: "**من لم یعرف أھل زمانه فھو جاھل**" کہ جو اپنے اہلِ زمانہ سے واقف نہ ہو وہ جاہل ہے۔ اس لئے کہ کسی بھی مسئلے کا اہم ترین حصہ اس کی صورتِ واقعیہ (صورتِ مسئلہ) ہے، جب تک صورتِ مسئلہ واضح نہیں ہوجاتی اس وقت تک جواب صحیح نہیں ہوسکتا۔ اور صورتِ مسئلہ صحیح سمجھنے کے لئے حالاتِ حاضرہ اور جدید معاملات سے

واقفیت ضروری ہے۔ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ وہ تاجروں کے پاس بازاروں میں جاتے اور یہ دیکھتے کہ تاجر آپس میں کس طرح معاملات کرتے ہیں۔ کسی نے ان کو بازار میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کتاب کے پڑھنے پڑھانے والے آدمی ہیں، یہاں کیسے؟ فرمایا کہ میں یہاں اس لئے آیا ہوں تا کہ معلوم کرسکوں کہ تاجروں کا عُرف کیا ہے، ورنہ میں صحیح مسئلہ نہیں بتا سکتا۔

جب ہم لوگ سازش کے تحت بازاروں اور ایوانوں سے الگ کردیئے گئے تو بجائے اس کے کہ ہم اس سازش کو ناکام بنانے کی فکر کرتے، ہم نے خود اسی صورتِ حال کو قبول کرلیا، وہ اس طرح کہ ہم نے اپنی معلومات، اپنی سوچ اور فکر کے دائرے کو محدود کردیا، جس نے ہم کو سمیٹ لیا، پھر اس سے باہر نکلنے کی ہم نے فکر نہیں کی۔ اس صورتِ حال کو ختم کیے بغیر ہم اپنے دین کو زندگی کے شعبوں میں برپا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔

شاید یہ کہنے میں مبالغہ نہ ہو کہ ہمارا کام اس سلسلے میں آنا ادھورا اور ناقص ہے کہ اگر آج بالفرض یہ کہہ دیا جائے کہ ساری حکومت تمہارے حوالے، تم حکومت چلاؤ، یعنی وزیراعظم سے لے کر ادنیٰ وزیر تک اور تمام محکموں کے اعلیٰ افسر سے لے کر چپڑاسی تک تم آدمی مقرر کرو۔ تو ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ایک دو روز میں نہیں، ایک دو ہفتوں میں نہیں، ایک دو مہینوں میں، ایک سال میں صورتِ حال بدل دیں، ہمیں مسائل کا علم اور ان کی تحقیق نہیں، اور جب تک مسائل کی تحقیق نہ ہو اس وقت تک ان کو نافذ کیسے کیا جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اہلِ علم اس طرف متوجہ ہوں، یہ ان کی ذمہ داری اور وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن معاذ اللہ اس توجہ کے یہ معنیٰ نہیں کہ کوئی تحریف کا کام شروع کردیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ صحیح صورتِ حال معلوم کریں، اور اس کے اُوپر صحیح فقہی اُصولوں کو منطبق کر کے اس کا حکم معلوم کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

ایک فقیہ کی صرف اتنی ہی ذمہ داری نہیں ہے کہ یہ کہہ دے کہ فلاں چیز حرام ہے بلکہ ہمارے فقہاء کے کلام میں یہ نظر آتا ہے کہ جہاں کہہ دیا ''حرام ہے'' پھر یہ کہتے ہیں

کہ اس کا متبادل راستہ یہ ہے۔ قرآن نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کو بیان کیا ہے، ان سے (بادشاہ کے) خواب کی تعبیر پوچھی گئی تھی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بعد میں بتلائی اور تعبیر میں جس نقصان کی اطلاع دی گئی تھی اس سے بچنے کا طریقہ پہلے بتلایا۔

فقیہ محض فقیہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ داعی بھی ہوتا ہے اور داعی کا کام محض خشک قانونی کام نہیں ہوتا کہ وہ یہ کہہ دے کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے، بلکہ داعی کا کام یہ بھی ہے کہ وہ یہ بتائے کہ یہ حرام ہے اور تمہارے لئے حلال راستہ یہ ہے، حلال وحرام کا فیصلہ کرکے حرام کے مقابلے میں لوگوں کو جائز اور حلال راستہ بتانا بحیثیتِ داعی فقیہ کے فرائض میں داخل ہے اور جب تک حالاتِ حاضرہ اور معاملاتِ جدیدہ کا علم نہ ہو، اس وقت تک یہ فریضہ ادا نہیں ہوسکتا۔''

عصری تعلیم کی اہمیت اور دینی مدارس کی ذمہ داری کے متعلق حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ۱۱رشعبان ۱۴۲۸ھ کو جامعہ حقانیہ ساہیوال، سرگودھا کے سالانہ جلسے کے حاضرین کے سامنے خطاب فرمایا تھا، اس کے اہم اقتباسات بھی درج ذیل ہیں:-

''آپ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اسلام کی اشاعت کے لئے، اس کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے اور دشمنوں کے اعتراضات اور دشمنوں کی غلط تدبیروں کو رد کرنے کے لئے ہمیشہ کام کیا ہے۔ شروع سے یہ کام ہوتا چلا آرہا ہے لیکن آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ علماء کے دل میں، اہلِ اسلام کے دل میں درد نہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ علماء اور اہلِ اسلام دشمنوں کی تدبیروں کو ناکام بنانے کے لئے کوشش نہیں کرتے، لیکن پورا عالمِ اسلام جس آویزش کے اندر گرفتار ہے اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ہماری یہ کوششیں بالکل نقارخانے میں طوطی کی آواز کی طرح بے اثر ہیں۔ آج کی صورتِ حال یہ ہے کہ لوگوں کو مرتد بنایا جارہا ہے، ان کے ایمان پر ڈاکے

ڈالے جارہے ہیں، ہماری نئی نسل جو اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اندر تعلیم حاصل کررہی ہے ساری کی ساری دینِ اسلام کو خیر باد کہہ رہی ہے، پھر یہ کہ ہم جس انداز میں اسلام کا دِفاع کررہے ہیں یا جس انداز سے ہم اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ نہ موجودہ سسٹم کے معیار تک پہنچ پاتا ہے، نہ ہم اس کی سمجھ کو ملحوظ رکھتے ہیں، نہ اس کی صلاحیت کے پیشِ نظر ہم اپنا مدعا اس کے ذہن نشین کرنے کے قابل ہیں، نہ ہماری آواز وہاں پہنچتی ہے۔ اس لئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جتنے بھی دِینی مدارس ہیں یہ قرآن و سنت کی حفاظت کا اعلیٰ طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں، اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنا ضروری ہے، اس کے اندر کسی قسم کی کوئی کوتاہی، کمی ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ لیکن اس پر اِکتفا کرنا اب کافی نہیں، اس کا علاج یہ ہے کہ آپ باقاعدہ ایسے انگریزی مدارس قائم کریں جن میں اعلیٰ درجے کی ان کو انگریزی زبان بھی سکھائی جائے اور اعلیٰ درجے کی ان کی تربیت بھی کی جائے اور ان کو ایسا بنادیا جائے کہ وہ عصرِ حاضر کے ہر چیلنج کا مقابلہ کرسکیں۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے اُصولِ ہشت گانہ میں یہ تصریح ہے کہ عصری علوم کا اِہتمام کیا جائے، ان سے اعراض نہ کیا جائے، اگر اس طرح کے ماڈرن انگلش مدارس بنائے جائیں گے تو ایک کھیپ تیار ہوگی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جتنے لوگ آپ کے تیار ہوجائیں گے وہ فوج کے اُونچے عہدوں پر بھی پہنچیں گے، عدلیہ کے اُونچے عہدوں پر بھی پہنچیں گے اور اسی طرح دُوسرے مقامات پر آپ کے تیار کئے ہوئے لوگ موجود ہوں گے۔ یہ صورتِ حال آپ نے اِختیار کی تو آپ موجودہ حالات کا مقابلہ کرسکیں گے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارا یہ سمجھنا کہ صاحب! ہمارا کام تو قرآن پڑھانا ہے، ہمارا کام تو حدیث پڑھانا ہے، ہمارا کام تو فقہ پڑھانا ہے۔ میں آپ سے کب کہہ رہا ہوں کہ آپ قرآن کو چھوڑ کے انگریزی پڑھائیں، میں تو کہہ رہا ہوں آپ قرآن ہی پڑھائیں، آپ حدیث ہی پڑھائیں، آپ فقہ بھی پڑھائیں لیکن متبادل ایک انتظام یہ بھی کریں، آپ اپنا کریں گے اور آپ کے عصری علوم کے ماہرین اس خدمت کو اَنجام دیں گے، اور جہاں تک تربیت کا تعلق ہوگا وہاں آپ اپنے

انفاسِ طیبہ سے، آپ اپنی ہدایات اور رہنمائی سے ان کے اندر دین کی سمجھ پیدا کریں گے، یہ بات انتہائی ضروری ہے۔ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ بات آپ کے حلق سے بہت مشکل سے اُترے گی، لیکن یہ اُتارنی ضرور ہے۔ ہمیں اب اس کو بطورِ مہم آگے بڑھانا ہے، اس کے بغیر معاملات قابو میں نہیں آئیں گے۔ ہمیں ایسے رجالِ کار تیار کرنے ہیں جو خالص دین کے فدائی ہوں، عقل و خرد سے کام لینے والے ہوں اور اتنے بڑے پیمانے پر تیار کرنے ہیں جو تمام محکموں پر چھا جائیں۔ ظاہر یہ دو سال، چار سال میں ہونے والا کام نہیں ہے، یہ طویل المدت منصوبہ ہے اور جب اس پر عمل شروع ہو جائے گا تو جن لوگوں کو یہ بات اب سمجھ میں نہیں آرہی ان کی سمجھ میں بات آجائے گی۔''

حضرت مولانا مفتی محمد عثمانی صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے خطابات کے درمیان تقریباً چودہ پندرہ سال کا عرصہ حائل ہے۔ لیکن ان اقتباسات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ دونوں اکابر کی سوچ عصری تعلیم اور مسائلِ حاضرہ کے متعلق یکساں ہے۔ اِختلاف اس میں معلوم ہوتا ہے کہ طریقِ کار کیا ہو؟

مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں مفتیانِ کرام سے گزارش ہے کہ اگر مروّجہ اسلامی بینکاری غیر شرعی ہے تو اس کا متبادل طریقِ کار بھی تجویز فرمائیں تا کہ عوام کی کماحقہٗ رہنمائی ہو اور روزمرّہ پیش آنے والے مسائل کا حل بھی نکالا جا سکے۔ راقم الحروف ایک مشہور سرکاری سائنسی اور تحقیقی ادارے میں تقریباً اَڑتیس سال خدمت انجام دے چکا ہے، ان میں سے چند مسائل جن سے ہر ملازم کو واسطہ پڑتا ہے درج ذیل ہیں، واضح رہے کہ یہ مسائل فرضی نہیں بلکہ حقیقی ہیں:-

۱- سرکاری ملازم کی ریٹائرمنٹ کے بعد اس کو یک مشت پراویڈنٹ فنڈ کی صورت میں کچھ رقم ملتی ہے اور کچھ ماہانہ پنشن بھی مقرّر ہو جاتی ہے۔ پنشن کی رقم اتنی قلیل ہوتی ہے کہ گزارے کے لئے اس شخص کو کوئی پرائیویٹ ملازمت تلاش کرنی پڑتی ہے، جو

اکثر نہیں ملتی۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ وہ یک مشت ملی ہوئی رقم کی سرمایہ کاری کرے، سرکاری ملازم کو تجارت کا تجربہ اور سلیقہ نہیں ہوتا، چنانچہ تجارت میں لگائی ہوئی رقم اکثر ڈُوب جاتی ہے، اس لئے لوگ بینکوں میں رقم جمع کرادیتے ہیں تاکہ لگی بندھی آمدنی ہوتی رہے۔ اگر اِسلامی بینکاری بھی سودی ہے تو ایسے لوگ کیا کریں؟ خصوصاً ایسے شخص کی بیوہ کیا کرے جسے پنشن بھی آدھی ملتی ہے؟

۲- آج کل تنخواہ وغیرہ کی نقد ادائیگی کا تصوّر اور اس پر عمل تقریباً مفقود ہو چکا ہے، خصوصاً سرکاری اور غیر سرکاری محکموں میں، اور اس طرح کے تمام معاملات بینکوں کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔ بہت سے سرکاری ملازمین نے جو علمائے حق سے تمسک رکھتے ہیں، اپنے کھاتے نیشنل بینک آف پاکستان یا دُوسرے بینکوں میں ''کرنٹ اکاؤنٹ'' میں کھولے ہوئے ہیں، جو بلاسودی اکاؤنٹ ہے اور اس پر سود نہیں لگتا۔ تمام سرکاری ادائیگیاں نیشنل بینک کے ذریعے ہی ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ پنشن بھی اسی بینک کے ذریعے ملتی ہے۔ ابھی حال ہی میں ایک فتویٰ دارالعلوم سے شائع ہوا ہے کہ جس بینک کے تمام معاملات سودی ہیں اس میں غیر سودی اکاؤنٹ کی رُقوم بھی بینک کے سودی کاروبار میں شامل ہوجاتی ہیں، اسی لئے سودی معاملات والے بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ رکھنا ناجائز ہے۔

۳- راقم الحروف ایسے بے شمار دِینی اِداروں سے واقف ہے جنھوں نے اپنے کرنٹ اکاؤنٹ مختلف بینکوں میں کھولے ہوئے ہیں، اور وہ اپنے دِینی اِداروں، ماہنامہ مجلّوں اور تعمیرِ مسجد وغیرہ کے لئے اپنے اکاؤنٹس میں رُقوم جمع کرنے کے لئے عوام سے اپیل کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک سے بھی بے شمار لوگ اپنے گھروں کو یا ایسے دِینی اِداروں کو رُقوم کی ترسیل کرتے ہیں۔ چونکہ بیرونی ممالک سے نقد رقم بھیجنا خلافِ قانون ہے اس لئے ان رُقوم کی ترسیل سودی (یا بلاسودی) بینکوں کے ذریعے کی جاتی ہے۔

یہ سب عام روزمرّہ کے مسائل ہیں، دُوسرے پیچیدہ مسائل اور بھی ہیں جن کا یہ

مضمون متحمل نہیں ہوسکتا۔ پہلے زمانے میں آدمی کو استثنائی صورت کر، صرف ایک ہی بیماری لاحق ہوتی تھی۔ آج کل ہجومِ افکار اور دُوسرے بے شمار مسائل کی وجہ سے ایک شخص کو بیک وقت کئی بیماریاں لاحق ہوجاتی ہیں، چنانچہ یہ عام مشاہدہ ہے کہ ایک شخص بیک وقت دِل، گردوں، شوگر اور مثانے کی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ مریض ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے، ماہر ڈاکٹر یہ نہیں کرے گا کہ ایسے ہی آپریشن ٹیبل پر لٹا کر سب اعضائے رئیسہ کا اکٹھا آپریشن کردے، بلکہ نسبتاً کم مہلک بیماری، شوگر کا علاج سب سے پہلے کرے گا تاکہ دِل یا گردوں کے آپریشن میں خون کا بے محابا اخراج مریض کی ہلاکت کا سبب نہ بن جائے۔ کوئی ناواقف ہی کہے گا کہ ڈاکٹر نے دِل کا آپریشن پہلے کیوں نہ کیا؟ شوگر کے علاج کے بعد وہ ایک آپریشن کرے گا اور مریض کے صحت یاب ہونے کا انتظار کرے گا تاکہ دُوسرے آپریشن کی تیاری کرسکے۔

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہیں، کسی کام کے لئے ''کن'' فرماتے ہیں اور وہ کام ہوجاتا ہے۔ اس قدرتِ قاہرہ کے باوجود زمین، آسمان، کائنات وغیرہ کو تدریج کے ساتھ پیدا فرمایا۔ اِنسانی جسم بھی ارتقاپذیری کے لئے تدریج کا محتاج ہے، بچہ بھی بیس سال کا نوجوان پیدا نہیں ہوتا بلکہ آٹھ دس پونڈ کا وزن لئے ہوئے وجود میں آتا ہے، پھر بتدریج نشوونما پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو قدرتِ کاملہ حاصل تھی کہ کفارِ مکہ کو یک دَم مسلمان کردیتے، لیکن جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تئیس سال کی مسلسل محنت شاقہ کے بعد بتدریج مقاصدِ نبوّت حاصل کئے۔ بُرائی بیک جنبشِ قلم ختم نہیں کی جاسکتی، اس کو ختم کرنے کے لئے بتدریج اُن تھک کوشش کرنا ہوگی۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جو چند علماء اس کام میں لگے ہیں ان کی حوصلہ شکنی کے بجائے حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور بجائے فتویٰ جاری کرنے کے دونوں طرف سے علماء چند ماہرین علماء - جو جدید معیشت پر بھی گہری نظر رکھتے ہوں اور حالاتِ حاضرہ، بازار میں ہونے والے معاملات، بینکوں اور انشورنس کے معاملات، ایکسپورٹ اور امپورٹ کے طریقۂ کار، شیئرز کے کاروبار، اسلامی بینکنگ کے معاملات، ہاؤس

فنانسنگ کے معاملات اور لین دین کے جدید معاملات کا اچھی طرح علم رکھتے ہوں۔ کی جماعت نامزد کریں تاکہ صحیح سمت میں کام ہو اور نظریاتی اختلاف، اِتفاق میں تبدیل ہو جائے اور عوام کی صحیح رہنمائی ہو۔

یہاں راقم الحروف کو ایک قصہ یاد آ گیا۔ کئی سو سال پہلے سوئٹزرلینڈ کے ایک نوجوان مصوّر نے چھ ماہ کی محنت کر کے ایک بڑے کینوس پر ایک پینٹنگ بنائی اور اس زمانے کے دستور کے مطابق شہر کی فصیل پر لٹکا دی۔ اس پر عنوان لکھا "اس تصویر میں جو خامیاں ہیں ان کی نشاندہی کر دی جائے۔" اگلے دن نوجوان مصوّر آیا تو یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا کہ تصویر بالکل سیاہ پڑ چکی ہے، اس پر لوگوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق خامیوں کی نشاندہی سیاہ قلم سے کر دی تھی۔ مصوّر بڑا دِل گرفتہ اپنے والد کے پاس آیا اور سب واقعہ بیان کیا۔ والد نے کہا: تم نے تصویر کا عنوان غلط لگایا، اب دوبارہ وہی تصویر بناؤ، عنوان میں تجویز کروں گا۔ نوجوان مصوّر نے پھر مدّت کی محنتِ شاقہ کے بعد وہی تصویر پھر بنائی اور والد کے پاس لے گیا۔ اس کے والد نے کہا: اس پر عنوان لکھو "اس تصویر میں جو خرابیاں ہیں انہیں دُرست کر دیا جائے۔" وہ تصویر کئی ماہ شہر کی فصیل پر لٹکی رہی اور کسی شخص نے بھی اس میں خامیاں دُرست نہیں کیں۔

مندرجہ بالا فتویٰ کا دُوسرا حصہ ٹیلی ویژن کے متعلق ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ:-

> "جاندار کی تصویر کی جتنی اور جو شکلیں اب تک متعارف ہوئی ہیں عرف و عادت، لغت اور شرعی نصوص کی رُو سے وہ سب تصویر کے حکم میں ہیں۔ آلاتِ صنع وحرفت کے بدلنے سے تصویر کے شرعی اَحکام نہیں بدلتے۔"

اس سلسلے میں عرض ہے کہ کئی مدرسوں میں، دارالعلوموں میں کلوز سرکٹ ٹی وی (CCTV) نصب کیا گیا ہے، جس میں مدرسے کے ہر کمرۂ اسباق کی تصویر آ جاتی ہے، جس میں طلباء اور اُستاذ کی تصاویر ہوتی ہیں، لیکن یہ تصاویر کے حکم میں نہیں ہوتیں بلکہ جس طرح

پانی پر عکس بنتا ہے اسی طرح یہ بھی ہوتی ہیں کہ کسی طالب علم/ اُستاذ کے منظر سے ہٹ جانے سے اس کی تصویر غائب ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ "جاندار کی تصویر کی جتنی اور جو شکلیں اب تک متعارف ہوئی ہیں وہ سب تصویر کے حکم میں ہیں"، تکنیکی لحاظ سے دُرست نہ ہوگا۔ ہمارے بچپن میں ہندوستان کے بعض علماء نے ریڈیو کے متعلق بھی اسی قسم کی بات کہی تھی، لیکن کئی سال گزرنے کے بعد اِلاَّ ماشاءاللہ ہر گھرانے میں ریڈیو آ گیا، جس سے عالم و عامی سب مستفید ہو رہے ہیں، اس میں موسیقی بھی ہوتی ہے، تلاوت بھی ہوتی ہے، کسی نے اب اس کے عدمِ جواز اور ناجائز و حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔ علماء نے فرمایا کہ اس میں تلاوت، نعتیں، دینی تقاریر و مباحث سن لو اور دُوسری غلط قسم کی چیز مت سنو۔ یہی چیز اخبار کے بارے میں بھی ہے کہ آج ہر گھر کی ضرورت بن چکا ہے، حالانکہ اس میں خبروں کے ساتھ تصاویر بھی ہوتی ہیں۔

آج سے کئی سال قبل جامعہ اشرفیہ لاہور کے حضرت مفتی جمیل احمد تھانویؒ نے ٹی وی کے متعلق ایک مبسوط مقالہ تحریر فرمایا تھا، جس میں دلائل کے ساتھ ثابت کیا تھا کہ ٹی وی نجس العین نہیں ہے۔ یہ مقالہ رسالے کی شکل میں طبع ہو چکا ہے۔ راقم الحروف آج کل بیرون ملک مصروف ہے اس لئے اس مقالے سے حوالہ پیش نہیں کر سکا۔ سن ۲۰۰۵ء میں حضرت مولانا اسعد مدنی رحمہ اللہ کی زیرِ صدارت دارالعلوم دیوبند میں اسی موضوع کے حوالے سے دو یا تین دن کا سیمینار منعقد ہوا تھا، جس میں ہندوستان اور پاکستان کے علمائے کرام نے شرکت فرمائی تھی، وہاں اس موضوع پر علماء نے کھل کر اظہارِ خیال کیا، وہاں علماء کی دو آراء تھیں، ایک رائے یہ تھی کہ ٹی وی نجس العین ہے، دُوسری رائے اس کے مخالف تھی۔ صدرِ جلسہ حضرت مولاناؒ نے اپنے اختتامی خطاب میں فرمایا کہ اس قسم کے سیمیناروں کا انعقاد ضروری ہے کہ جدید معاملات کے متعلق سب آراء سامنے آجائیں۔ چند پُرجوش علماء جو ٹی وی کے نجس العین ہونے کے داعی تھے ان کو تلقین کی کہ جوش کے بجائے فہم و فکر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ دُشمنانِ دِین الیکٹرونک اور

دُوسرے میڈیا کو اِسلام کے خلاف اِستعمال کر رہے ہیں، ہمیں بھی اس بات کی فکر ہونی چاہئے کہ شریعت کے تمام پہلوؤں کو مدِنظر رکھتے ہوئے میڈیا کو ہم کس طرح اِشاعتِ اسلام کے لئے استعمال کریں۔

ٹی وی، ریڈیو کی طرح ہی ہے کہ اس میں اچھے بُرے سب طرح کے پروگرام آتے ہیں۔ ٹی وی میں تصویر بھی آتی ہے، ٹی وی کے پروگرام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو Live پروگرام ہوتے ہیں، جن میں مقرّر یا مباحثہ میں شریک حضرات کی تصویر براہِ راست ناظرین تک پہنچ رہی ہوتی ہے۔ اس کی صورت وہی ہے جو پانی پر عکس بننے کی ہے۔ اس لئے اس قسم کے پروگرام کے عدمِ جواز کا فتویٰ نظرِ ثانی کا محتاج ہے۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ ٹی وی پر ریکارڈ شدہ پروگرام نشر کیا جائے جو بلاشبہ تصویر کے حکم میں آتا ہے اس کے عدمِ جواز کا فتویٰ غالباً دُرست ہونا چاہئے کیونکہ تصویر محفوظ ہوجاتی ہے۔ یہی فرق عام کیمروں سے اور ڈیجیٹل کیمروں سے لی گئی تصاویر میں ہے۔ ڈیجیٹل کیمروں کی تصاویر الیکٹرونک میڈیا پر ہوتی ہیں اور وہ تصاویر کے حکم میں داخل ہی نہیں ہیں۔

اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ نے لاؤڈ اسپیکر کے اَذان و جماعت میں استعمال کے متعلق جواز و عدمِ جواز کا فتویٰ دینے سے پہلے متعلقہ تکنیکی ماہرین سے طویل خط و کتابت کی تھی۔ اسی لئے علمائے کرام سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ کسی بھی نئی ٹیکنالوجی کے استعمال کے جواز و عدمِ جواز کے متعلقہ ماہرین سے اچھی طرح مشورہ کر کے پھر فیصلہ کریں تاکہ فیصلے کے لئے ہر پہلو سامنے آجائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

***

حضرت مولانا سیّد مفتی مختار الدین صاحب مدظلہٗ کربوغہ شریف

بلاسود بینکاری
کے خلاف بعض علماء کے فتویٰ کی حقیقت
اس کا پس منظر و پیش منظر

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:

ایک قابلِ افسوس مگر ناقابلِ انکار حقیقت

یہ بات کسی بھی صاحبِ بصیرت اور حساس مسلمان سے مخفی نہیں کہ آج دُشمنانِ اسلام پہلے سے کہیں زیادہ تیزی اور ہوشیاری و منظم اسکیم کے تحت اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوششیں کررہے ہیں۔ انہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثر حکومتیں آج خود دُشمنانِ اسلام کی ایجنسیاں اور آلہ کار بن چکی ہیں اور ان کے اکثر حکمران اور سیاسی لیڈر مغربی تہذیب اور دُشمنانِ اسلام کے رنگ میں اس قدر رنگ چکے ہیں کہ خود ان کے دلوں میں اسلامی تہذیب، اسلامی تعلیمات اور سچے مسلمانوں کو مٹانے کا جو جذبہ ہے، شاید وہ ان کے آقاؤں کے دِل میں بھی نہ ہوگا۔

طاغوتی قوّتوں کی اہلِ اسلام پر حملہ آور ہونے کی جہات

اور یہ بھی معلوم ہے کہ دُشمنانِ اسلام کی نظروں میں پکے اور سچے مسلمان بُری طرح کھٹکتے ہیں، ان پر دہشت گردی وغیرہ جیسے اِلزامات عائد کرکے ان کے پاکیزہ خون

بہانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ بڑے بڑے مشائخ کو شہید کیا جاتا ہے، ان میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد اعظم طارق صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جیسی عظیم شخصیتوں کی شہادت کے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت دِلوں سے نکالنے کے لئے اور توہینِ رسالت جیسے عظیم اور ہولناک جرائم کی اہمیت ختم کرنے کی پوری کوششیں ہورہی ہیں۔ دِینی درس گاہوں، دِینی مدارس اور مساجد پر حملے کئے جارہے ہیں، نیز اہلِ حق علماء و مشائخ کو بدنام کرنے کے لئے اہلِ باطل پوری قوّت سے اپنا کام کررہے ہیں۔

علماء و مشائخ کی عزّت و اِحترام اور ان کی اہمیت کو عوام کے قلوب سے نکالنے کے لئے وہ طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کررہے ہیں اور ان کے خلاف زور وشور سے پروپیگنڈے جاری ہیں۔ مسلمان افواج دانستہ یا نادانستہ طور پر دُشمنانِ اسلام کے ایجنڈوں کی تکمیل میں مصروف ہیں، ان کی ساری قوّت اپنی سرحدوں کی حفاظت سے زیادہ اسلام اور اپنے مسلمان بھائیوں کے مارنے پر ختم کرنے میں صَرف ہورہی ہے، مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا جارہا ہے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ہر صاحبِ بصیرت اس بات کو بھی خوب جانتا ہے کہ دُشمنانِ اسلام کی یہ ساری کوششیں اس لئے ہیں کہ وہ قرآن مجید اور اسلام کی قوّت اور طاقت کو محسوس کرتے ہیں کہ جب بھی یہ پوری طرح نافذ ہوتا ہے تو پوری دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے کیونکہ اس میں انسانیت کے لئے وہ خیرات و برکات ہیں جن کو دیکھ کر کوئی بھی شخص جس کے اندر تھوڑا سا بھی حق کے قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہو، وہ بغیر اسلام قبول کئے نہیں رہ سکتا۔ اس لئے مخالفینِ اسلام نے ''نائن الیون'' کا ڈرامہ رچا کر افغانستان میں ''اسلامی امارت'' کو ختم کرنے کے لئے پوری دُنیا کو جمع کردیا تاکہ اسلامی نظام کی خوبیاں اور برکات جو غیرمسلموں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں وہ بھی لوگوں کی نظروں

سے غائب ہو جائیں۔

دُوسری طرف اسلام اور سچے مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کرنے وغیرہ جیسے الزامات لگا کر ان کے پاکیزہ خون بہانے کو بھی جائز باور کرایا جائے، نیز یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب مسلمان مل کر کوئی رفاہی ادارہ تشکیل دیتے ہیں جیسا کہ الرشید ٹرسٹ، الامین ٹرسٹ، الاختر ٹرسٹ وغیرہ فلاحی اِدارے جو کمزور و بے بس انسانوں کی خدمت کے لئے بنائے گئے ہیں اور وہ ان کو اسلامی طرز پر پوری امانت داری کے ساتھ چلاتے ہیں، پھر جب ان اِداروں کی خیرات و برکات عام لوگوں کے سامنے آنے لگتی ہیں تو دُشمنانِ اسلام کا مفتی اور لونڈی یعنی اقوامِ متحدہ ان کے خلاف فتویٰ دے کر ان پر پابندیاں عائد کرتی ہے۔

سقوطِ امارتِ اسلامیہ سے غیر سودی بینکنگ تک!

اسی طرح ہمارے اکابر علماء و مشائخ نے یہ کوشش کی کس طرح مسلمانوں کے لئے ایک اسلامی طرز کا اِدارہ بنایا جائے جس کی وجہ سے وہ ان کو اہلِ کفر کے وضع کردہ سودی بینکاری کی لعنت سے آزاد کرائے اور لوگوں کے سامنے اسلامی طرز کے اقتصادیات کی خیرات و برکات کا ایک نمونہ بھی سامنے آئے، بالآخر یہ کوشش کسی حد تک کامیاب ہوئی اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کچھ مسلمانوں نے مختلف علماء اور بالخصوص حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے مشوروں سے دُوسرے ممالک کے علاوہ پاکستان میں بھی غیر سودی بینکاری قائم کی، شروع شروع میں دُشمنانِ اسلام مطمئن تھے کہ اسلامی طرز کی بینکاری کامیاب نہیں ہوسکے گی بلکہ ناکام ہوکر شکست کھائے گی اور ہمیں اسلامی اقتصادیات پر بغلیں بجانے کا موقع ملے گا، اس طرح لوگ اسلامی اور اسلامی نظام سے بدظن ہو جائیں گے۔

اسلامی بینکاری کے خلاف دُشمنانِ اسلام کی خاموشی بھی اسی طرح ہی کی تھی جیسا کہ شروع میں انہوں نے یہ خاموشی افغانستان کی امارتِ اسلامیہ کے بارے میں اختیار کی

تھی، لیکن جب اس کی ترقی نے لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کردیا تو وہ اس کے ختم کرنے کے درپے ہوگئے۔ اسی طرح وہ اسلامی بینکاری کے خلاف پہلے پہل خاموش رہے لیکن جوں جوں اسلامی بینکاری آگے بڑھتی گئی تو سب سے پہلے اہلِ کفر کی وضع کردہ سودی بینکاری کی طرف سے اس کے خلاف چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں کہ کسی طرح اس نظام کی وہ خوبیاں و برکات جو غیر مسلموں کو بھی اپنی طرف کھینچتی ہیں وہ منظرِ عام سے غائب ہوجائیں، بالخصوص دُنیا نے دیکھا ہے کہ اس وقت پوری دُنیا جس اقتصادی بحران میں مبتلا ہے، غیر سودی مالیاتی ادارے اس بحران سے سب سے کم متأثر ہوئے ہیں۔ اس حقیقت کے قائل خود وہ لوگ ہیں جو سودی نظام سے وابستہ ہیں، مثلاً واشنگٹن پوسٹ میں لکھا ہے:۔

Islamic Banking: Steady in Shaky Times

[article redacted for brevity / copyright]

Principles Based on Religious Law Insulate Industry From Worst of Financial Crisis

By Faiza Saleh Ambah

Washington Post Foreign Service

Friday, October 31, 2008; A16

JIDDAH, Saudi Arabia As big Western financial institutions have teetered on after the other in the crisis of recent weeks, another financial sector is gaining new confidence: Islamic Banking.

Proponents of the ancient practice, which looks to sharia law for guidance and bans interest and trading an debt, have been promoting Islamic finance as a cure for the global financial meltdown.

This week, Kuwait's commerce minster, Ahmad Baqer, was quoted as saying that the global crisis will prompt more countries to use Islamic principles in running their economies. U.S. Deputy Treasury Secretary Robert.

M. Kimmet, visiting Jiddah, said experts at his agency have been learning the features of Islamic banking.

ترجمہ:-

اسلامی بینکاری (غیر متوازن حالات میں ثابت قدم)

مذہبی قانون پر مبنی اُصول، صنعت کو بدترین معاشی بحران سے محفوظ رکھتے ہیں۔ جس طرح بڑے معاشی ادارے اس معاشی بحران میں یکے بعد دیگرے پھنستے چلے گئے۔ ایک دُوسرا مالیاتی طبقہ ایک نیا اِعتماد حاصل کر رہا ہے جو ہے ''اسلامی بینکاری''۔

قدیم طرزِ عمل کے محرک جو شریعت سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور رِبا اور قرضہ جات میں کاروبار کرنے سے منع کرتے ہیں، وہ اسلامی معاشی نظام کو دُنیا کے معاشی بحران کے حل کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں۔ اس ہفتے کویت کے وزیرِ معاشیات احمد باقر نے بیان دیا ہے کہ عالمی مالیاتی بحران پہلے سے زیادہ ممالک کو اب اپنی معیشتوں میں اسلامی اُصول استعمال کرنے کی ترغیب دے گا۔ امریکا کے نائب مالیاتی سیکریٹری ''رابرٹ کمٹ'' جو کہ جدہ کے دورے پر ہیں بیان دیا کہ ان کی ایجنسی کے ماہرین اسلامی بینکنگ کی خصوصیات کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

یہ بات بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ یہودیوں کو غیر سودی بینکاری نظام کی ترویج اور اس کی طرف بین الاقوامی جھکاؤ سے سخت تشویش لاحق ہو چکی ہے خصوصاً موجودہ حالات میں جبکہ سودی بینکاری نظام بحران کا شکار ہے اور غیر سودی نظام کا اِستحکام بہت کم متأثر ہوا ہے۔

یہودی لابی اور مغربی میڈیا کی غیر سودی بینکاری کے خلاف تحریک

یہی وجہ ہے کہ یہودی لابی غیر سودی بینکاری کو ناکام بنانے کے لئے مختلف حربے

استعمال کر رہی ہے اور جو حضرات اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں میڈیا کے ذریعے ان کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا تو میڈیا ٹرائل اور ان کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا ہو رہا ہے اور ایک عرصے سے تو تقریباً روزانہ ان کے خلاف کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑا جاتا ہے۔ موصوف کو دہشت گرد کے طور پر پیش کرنے کے لئے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے، یہاں تک کہ ان کو غلیظ گالیاں دینے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔

اور یہی لابی لوگوں کو باور کرا رہی ہے کہ ایک دہشت گردی جہادی کو کیسے مالیاتی اِداروں پر مامور کیا جا سکتا ہے، اس قسم کے بے شمار پروپیگنڈوں میں سے ایک کی ہلکی سی جھلک ''دی ٹائمز'' وغیرہ کے مندرجہ ذیل اِقتباسات میں دیکھی جا سکتی ہے

''دی ٹائمز'' کے چند اِقتباسات

Friends of Freedom:

This topic may seem vague & unimportant, but I assure you it is very important as it is part of the overall plan of the islamo-fascists to dominate the entire world. I have re-printed an article from National Review that details their plan. It is fairly lengthy though it will explain why this is an important front in the war against islamo-fascists. At the end of the article is a link where you can sign a petition aganist Sharia Copliant Finance as it promotes terrorism.

Jihad Comes to Wall Street

"Sharia Finance" does exactly what it promises, financing the spread of sharia and terror.

By Alex Alexiev.

http://article.nationalreview.com/?q=ZjBhMTM4MTlmN2YzNzE0MmFkOTg2OGYxNWM2MGNiNTQ

If you've seen Geert Wilder's film *Fitna*, you may not have noticed a single headline amongst all the bombings, beheadings, and earnest expressions of Islam's eventual world domination: *Hlal-Fund*:

Investments for *Muslims*. But the investment vehicles referenced are an essintial part of radical Islam's efforts to insinuate itself into Western societies in order to desory them from whitin. Bear Stearns, in the proces is now chasing the very kind of "Sharia Finance" against which Wilders's movie warns, a business line that may eventually wind up being even more calamitous than the subprime-mortgage fiasco ....

ترجمہ:- آزادی کے دوستو!

یہ عنوان شاید آپ کو مبہم یا غیر اہم لگے، لیکن میں آپ کو یقین دِلاتا ہوں کہ یہ بہت اہم ہے، اس لئے کہ یہ اس مجموعی منصوبے کا حصہ ہے جس میں ''اسلامی فسطائیت کے پیرو پوری دُنیا پر غلبہ پانا چاہتے ہیں'' میں نے نیشنل ریویو سے ایک مضمون نقل کیا ہے جس میں ان کے منصوبے کی تفصیل موجود ہے۔

جہاد کی وال اسٹریٹ تک آمد (By Alex Aelexiev)

شرعی فنانس بالکل وہی کام کرتی ہے جس کا وعدہ کرتی ہے یعنی شریعت اور دہشت کو پھیلانے کے لئے مال کی فراہمی کرنا۔

اگر آپ نے Greert Wilder کی فلم ''فتنہ'' دیکھی ہو، آپ نے سارے بم دھماکوں، گردن مارنے کے مناظر اور اسلام کی حتمی عالمی اجارہ داری کے پُرخلوص اظہار کے درمیان ایک بھی ایسی سرخی نہ دیکھی ہوگی ''حلال فنڈ'' سرمایہ کاری مسلمانوں کے لئے لیکن سرمایہ کاری کے یہ مواقع ان انتہاپسند اسلامی کارروائیوں کا حصہ ہیں جن کا مقصد مغربی معاشروں کا تباہ کرنا ہے۔ اور وال اسٹریٹ جو کہ سب پرائم مورگیج سے بمشکل جان بچا سکا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ایک اہم انویسٹمنٹ ہاؤس (Bear Stearns) سے ہاتھ دھو چکا ہے،

اب بالکل اسی شرعی فنانس کے پیچھے بھاگ رہا ہے جس کے خطرے کے بارے میں Wilder کی فلم نے آگاہ کیا تھا اور جو کہ ایک ایسی بزنس لائن ہے جو آخر کار سب پرائم مارگیج سے کہیں زیادہ آفت رساں بن جائے گی۔

Critics see sharia finance as a massive subversion campaign by radical Islam designed to legitimize sharia in the West, to undermine our markets, and ultimately to imperil our free-enterprise system and national security — all the while exposing banks to financial risks that make the sub-prime fiasco look like a walk in the park. For its proponents and ideological enablers — such as the well known suicide-bombing advocate, Sheikh Yusuf al-Qaradawi — sharia finance is nothing less than "Jihad with money." As al-Qaradawi explains, "God has ordered us to fight enemies with our lives and with our money."...........
Sharia is a reactionary-to-the-core medieval Islamic doctrine that claims control over every aspect of every Muslim's life. It imposes such "ethical" mandates on Muslims as the obligation to discriminate against women and non-Muslims; to kill homosexuals, adulterers, and apostates; to establish and maintain Muslim rule around the world; and to carry out violent offensive jihad against infidels. Notably, for those Muslims who cannot engage in physical jihad using force of arms, sharia requires that they support jihad financially. This is what sharia finance is all about.......

ترجمہ:- نقاد شرعی فنانس کو بنیاد پرست اسلام کی طرف سے وسیع پیمانے پر ہونے والی تخریب کاری کی منظّم سعی سمجھتے ہیں۔ جس کا مقصد شریعت کو مغرب میں جائز قرار دینا، ہمارے بازاروں کی جڑ کاٹنا، اور آخر کار ہمارے آزاد معاشی نظام اور قومی سلامتی کو خطرے

میں ڈالنا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بینکوں کو ایسے معاشی خطرے میں ڈالنا جس کے مقابلے میں سب پرائم بحران (Sum Prime Crisis) کی کچھ بھی حیثیت نہ ہوگی۔ شرعی معاشی نظام کے محرکوں کے لئے جیسا کہ خودکش حملے کرنے والوں کی وکالت کرنے والے شیخ یوسف القرضاوی کے نزدیک شرعی معاشی نظام ''جہاد بالمال'' سے کم نہیں۔ شیخ قرضاوی مزید بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے دشمنوں سے مقابلہ کریں جان اور مال سے۔ اسلامی شریعت حقیقت سے متصادم ایک قدیم اسلامی نظریہ ہے جو ایک مسلمان کی زندگی کے ہر پہلو پر اختیار رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ نظریہ مسلمانوں کے لئے ''اخلاقی'' فرمان جاری کرتا ہے جیسا کہ خواتین اور غیر مسلموں کے ساتھ امتیازی سلوک کو یقینی بنانا، ہم جنس پرستوں، بدکار مردوں اور عورتوں اور مرتدوں کو قتل کرنا، مسلمانوں کی حکومت تمام دُنیا میں قائم کرنا اور دوام بخشنا اور کافروں کے خلاف پُرتشدد جہاد کرنا۔ خاص طور پر وہ مسلمان جو جسمانی طور پر جہاد میں ہتھیاروں سے شامل نہیں ہوسکتے، شریعت ان کو جہاد کی مالی معاونت کرنے کا حکم دیتی ہے، شرعی معاشی نظام بھی سب اسی کے بارے میں ہے.......

Consider the board chairman of the Dow Jones Islamic Index (IMANX), one Mufti Taqi Usmani. Mr. Usmani is widely reputed to be one of the world's top experts on sharia finance. Whatever his stockpicking abilities may be, they are dwarfed by his jihadist credentials. A key executive of Pakistan's prominent Deobandi jihadist factory, the madrassa Darul Karoom Karachi (currently headed by his brother, Rafi Usmani), Taqi

Usmani has openly advocated jihad by Muslims in the West, and just last month again publicly endorsed suicide bombing and the Taliban..........

ترجمہ:-ڈاؤجونز اسلامک انڈیکس(IMANX) بورڈ کے چیئرمین کو لیجئے جو کہ ایک مفتی تقی عثمانی ہیں۔مسٹر عثمانی ایک عالم گیر شہرت کے حامل شرعی معاشی نظام کے ایک بہت بڑے ماہر ہیں۔ان کی حصص بازار کے متعلق صلاحیتیں کچھ بھی ہوں لیکن ان کی جہادی اسناد کے مقابلے میں تھوڑی ہیں۔ یہ پاکستان کے ایک نامور دیوبندی جہادی کارخانے (دارالعلوم کراچی جس کے سربراہ ان کے بھائی رفیع عثمانی ہیں) کے ایک اہم منتظم ہیں۔تقی عثمانی نے مغرب کے مسلمانوں کے جہاد کی کھلم کھلا وکالت کی ہے اور پچھلے مہینے پھر عوامی سطح پر طالبان اور خودکش حملوں کی توثیق کی ہے.......

........WHAT IS SHARIAH LAW AND FINANCE?

WHAT IS SHARIAH LAW?

Understanding Shariah law is integral to understanding the dangers of Shariah-compliant finance. Shariah law is Islamic law dating back to the 9th century and is today the law of the land in Saudi Arabia, Iran, Sudan and the law under which the Taliban operates. However, with a current population of 1.5 billion Muslims, this translates to a huge pool of Jihadist recruits and supporters - a base of approximately 150 - 225 million Muslims.

Shariah law authorities, some of whom are now being paid handsomely by Barclays, Dow Jones, Standard & Poors, HSBC, Citibank, Merrill Lynch, Deutschebank, Goldman Sachs, Morgan Stanley, UBS, Credit Suisse and others have the power to dictate Shariah compliance as deemed by "scholarly consensus" on matters of finance, family, penal law, apostasy, and war. Examples of authoritarian Shariah law include:

requirement of women to obtain permission from husbands for daily freedoms; beating of disobedient woman and girls; execution of homosexuals; engagement of polygamy and forced child marriages; the testimony of four male witnesses to prove rape; honor killings of those, principally women, who have dishonored the family; death to apostate Muslims who chose to leave Islam; inferior status of non-Muslims, and capital punishment for those "slander Islam".

ISLAMIC FINANCE - WHAT YOU NEED TO KNOW:

National Security and Financial Risks: Islamists are attempting to impose Shariah Compliant Finance (SCF) on Western institutions to use our own financial strengths against us. The most serious problem with SCF is that it legitimates and institutionalizes Shariah law (i.e., Islamic law), a theo-political- legal doctrine violently opposed to Western values........

ترجمہ:-

شرعی قانون (شریعت) اور شرعی معاشی نظام کیا ہے؟

شرعی قانون کیا ہے؟

شرعی فنانس کے خطرات کو سمجھنے کے لئے شرعی قوانین کو سمجھنا لازمی ہے۔ شرعی قانون دراصل اسلامی قانون ہے جس کی تاریخ نویں صدی تک جاتی ہے اور جو کہ آج سعودی عرب، سوڈان اور ایران کی سرزمین کا قانون ہے۔ اس کے علاوہ یہ وہی قانون ہے جس پر طالبان عمل کرتے ہیں۔ تاہم اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ 1.5 ارب مسلم آبادی میں تقریباً 15 سے 22 کروڑ افراد نئی جہادی بھرتیوں کے لئے موجود ہیں۔

شرعی قوانین کے ماہروں کو جن کو اب بارکلیز، ڈاؤ جونز، مارگن اسٹینلے،

اسٹینڈرڈ اینڈ پوئر، ایچ ایس بی سی، سٹی بینک، میرل لنچ، ڈوچے بینک، گولڈمین سیکس، یوبی ایس، کریڈٹ سوئس، اور دُوسرے اِدارے بے حد پُرکشش معاوضہ دے رہے ہیں، ان قانونی ماہروں کے پاس اِختیار ہے کہ وہ علماء کے اِتفاقِ رائے کی بنیاد پر معاشی نظام، خاندانی نظام، تعزیرات، اِرتداد اور جنگ کے بارے میں شریعت کے اَحکامات بتا سکتے ہیں۔ ان آمریت پسند شرعی قوانین میں خواتین کا اپنے خاوندوں سے روزمرہ کے کاموں کے لئے اِجازت کا حصول، نافرمانبردار لڑکیوں اور عورتوں کو زدوکوب کرنا، ہم جنس پرستوں کا قتل، ایک سے زائد شادیوں کی اجازت، بچوں کی زبردستی شادی، زنا بالجبر کی شہادت کے لئے چار گواہ طلب کرنا، غیرت کے نام پر زیادہ تر خواتین کا قتل، جن کی وجہ سے خاندان کی بدنامی ہوئی ہو، ان مسلمانوں کا قتل جو اِسلام کے علاوہ کوئی دُوسرا مذہب پسند کرلیں، غیرمسلموں کا کمتر درجہ، اور اِسلام کو بدنام کرنے والے کے لئے سزائے موت جیسے اَحکام شامل ہیں۔

اسلامی شرعی نظام-آپ کو کیا جاننا ضروری ہے؟

قومی سلامتی اور معاشی خطرات

اسلام پسند چاہتے ہیں کہ وہ شریعت سے مطابقت رکھنے والے معاشی نظام کو مغربی اِداروں پر تھوپ سکیں تاکہ وہ ہماری معاشی طاقت کو ہمارے ہی خلاف استعمال کرسکیں۔ شریعت سے مطابقت رکھنے والے معاشی نظام کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ وہ شریعت کو ایک اِدارتی صورت دیتا ہے جبکہ شریعت خود ایک مذہبی، سیاسی اور

قانونی اُصولوں کا نام ہے جومغربی اقدار کی شدّت سے مذمت کرتا ہے۔

Terror Financing Mechanism:

SCF as monitored by paid Shariah law advisors to U.S. banking institutions must "purify" certain return on investment (ROI) dollars that do not meet Shariah law standards. This money must be donated to Islamic charities - including some that promote Jihad and support suicide bombing. Investment disclosures state that these profits can be as high as 6% of profits of investments. With $800 billion already in SCF assets, the potential for billions of dollars to be siphoned off for terrorism is real. This would be a serious criminal violation of U.S. law.......

ترجمہ:۔

دہشت گردی میں سرمایہ کاری کا طریقہ

شرعی نظام میں امریکی بینکوں تنخواہ دار شرعی مشیر اس بات پر اِصرار کرتے ہیں کہ منافع کا وہ حصہ جو شریعت کے اُصولوں سے ہم آہنگ نہیں اس کو پاک کیا جائے۔ یہ لازم ہے کہ یہ پیسہ ان اسلامی خیراتی اِداروں کے حوالے کیا جائے جن میں سے کچھ جہاد اور خود کش حملوں کو فروغ دیتے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق یہ حصہ پورے منافع کے چھ فیصد تک جا سکتا ہے۔ آٹھ سو (800) ارب ڈالر کے ان شرعی اثاثوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس طرح اربوں ڈالر دہشت گردی کے فروغ کے لئے خرچ ہو سکتے ہیں۔ یہ امریکی قوانین کی ایک سنگین مجرمانہ خلاف ورزی ہوگی.......

...... One must come to the conclusion, this is an ever greater threat than Jihadists in America. If our government doesn't take action soon, then our

inconvenient "recession" will look like a stroll in the park. In an effort to combat terrorism my family has decided to pull a considerable sum of money and close accounts of the newest Shariah compliant bank Wachovia. We will not have our funds in institutions that support Islamic Terrorism. Become aware of banks and banking institutions that support Shariah law and Finance. By closing accounts you have in those institutions, you will know that you are NOT supporting terrorism against our own people and friends. Note the institutions below to see if you are currently supporting terrorism!

Source: http://www.costoffreedom.org/financing%20 terror.html

ترجمہ:-......آخرکار نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ خطرہ امریکا میں جہاد پسندوں کی موجودگی سے بھی بڑا ہے۔ اگر ہماری حکومت نے کوئی قدم نہ اُٹھایا تو موجودہ مراجعت (Recession) دُشوار نہیں بلکہ سہل لگے گی۔ دہشت گردی کے خلاف قدم اُٹھانے کے لئے میرے خاندان نے واکوویا نامی نئے شرعی بینک سے ایک خطیر رقم نکالنے اور اپنے کھاتے بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہم اپنی دولت اسلامی دہشت گردی کی حمایت کرنے والے اِداروں میں نہیں رہنے دیں گے۔ان بینکوں اور معاشی اِداروں سے آپ آگاہ ہو جائیں جو شرعی قوانین اور معاشی نظام کی حمایت کر رہے ہیں۔ ان اِداروں میں اپنے کھاتے بند کرنے سے آپ یہ یقین حاصل کر سکتے ہیں کہ آپ اپنے ہی لوگوں اور دوستوں کے خلاف دہشت گردی کی حمایت نہیں کر رہے ہیں....

Sharia-Compliant Finance Funds Jihad

Turn your clock back 70 years. Imagine that Wall Street banks and brokerages sold

Nuremberg-compliant bonds and stock funds in 1938. American Nazi sympathizers bought financial instruments certified by Berlin-based advisors as free of "Jewish profits" from, say, Salomon Brothers and Bloomingdale's.

In turn, a percentage of such funds' gains underwrote pro-Nazi charities, like the German-American Bund, and similar organizations in the Fatherland, like the Hitler Youth.

Seventy years hence, an analogous outrage grows on Wall Street, only this time for real.

Sharia-compliant finance (SCF) is expanding among banks and securities houses eager to absorb the hundreds of billions of petrodollars cascading into the Middle East, thanks to $100-per-barrel oil. To lure this cash, financial companies increasingly offer vehicles that neither pay interest nor benefit from gambling, entertainment, alcohol, pork, or anything considered "haram" or "un-kosher" in Islam. Bahrain's International Islamic Financial Market (IIFM) counts $97 billion in Islamic bonds in circulation with another $66 billion forecast through 2008 – and SCF is not limited to the bond market.

SCF goes far beyond marketing to Muslims and Middle Easterners. IIFM lists "wider sharia acceptance" among its goals. Selling sharia-compliant investments legitimizes a barbaric theocratic orthodoxy that should be defeated, not promoted........

ترجمہ:-

شرعی معاشی نظام اور جہاد کی مالی معاونت

اپنی گھڑی کو 70 سال ماضی میں لے جائیے، فرض کیجئے کہ 1938 میں وال اسٹریٹ بینک اور بروکرز نم برگ (Nuremberg) بانڈ فروخت کرتے ہیں اور حصص فنڈ قائم کرتے ہیں۔ امریکی نازی

حمایتی ان معاشی آلوں (انسٹرومنٹس) کو خریدتے ہیں جو کہ برلن کے مشیروں سے سند یافتہ ہوتے ہیں کہ یہ یہودی منافع سے پاک ہیں (جیسے سولومن برادرز اور بلومنگ ڈیل جیسی کمپنیوں کے منافع سے)۔

اس کے ساتھ ہی اس سرمائے کا کچھ حصہ نازی فلاحی اداروں کو جاتا ہے مثلاً جرمن امریکی بنڈ، اور فادرلینڈ اور ہٹلر یوتھ جیسی دیگر تنظیموں کو تو آج سے 70 سال پہلے وال اسٹریٹ میں شدید غم وغصہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن دراصل اب حقیقتاً شرعی فنانس ان بینکوں اور حصص کے اداروں میں تیزی سے پھیل رہا ہے جو تیل کی دولت کے کھربوں ڈالر جو مشرقِ وسطیٰ جارہے ہیں جذب کرنا چاہتا ہے (100 ڈالر فی بیل تیل کی قیمت کی وجہ سے) اس سرمائے کو حاصل کرنے کے لئے معاشی کمپنیاں بتدریج ایسے مواقع فراہم کر رہی ہیں جس میں رِبا، جوا، تفریح، شراب، خنزیر، اور ایسی کوئی چیز نہیں جو حرام تصوّر کی جاتی یہ ''کوشر'' نہ ہو۔ بحرین کی عالمی اسلامی معاشی منڈی (IIFM) کے مطابق 97 ارب ڈالر کے اسلامی بانڈ مارکیٹ میں موجود ہیں اور 2008 میں اگلے 66 ارب ڈالر کی توقع ہے، اور ویسے بھی شرعی معاشی نظام صرف بانڈ مارکیٹ تک محدود نہیں۔

شرعی معاشی نظام مسلمانوں یا مشرقِ وسطیٰ کے لوگوں کو مارکیٹنگ سے کہیں زیادہ ہے IIFM اپنے اہداف میں وسیع تر شرعی منظوری کو شامل کرتی ہے۔ شرعی معاشی سرمایہ کاری ایک وحشی اور کٹر خدا کی حکومت کا نفاذ چاہتی ہے جس کو فروغ دینے کے بجائے شکست دینا ضروری ہے۔

.... Western financiers have no business complying with this.
Nevertheless, SCF advisors help these funds remain sharia-compliant. Unfortunately, these authorities often are Muslim extremists who appear mainstream by consulting for such powerhouses as Deutsche Bank and Standard & Poor's.
*In 2002, Caribou Coffee had to explain the ties between its Atlanta-based sharia-compliant owner, Arcapita, Inc., and Arcapita's sharia advisor, Yusuf Al-Qaradawi. He had defended "our brothers and children in Al-Aqsa and the blessed land of Palestine generously sacrificing their blood, giving their souls willingly in the way of Allah." Qaradawi eventually resigned from Arcapita...........

ترجمہ:-.......مغربی سرمایہ کاروں کا کوئی کاروبار اس کے مطابق نہیں اس کے باوجود شرعی مشیران پیسوں کو شریعت کے مطابق رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے ان میں سے اکثر انتہا پسند مسلمان ہوتے ہیں جو بڑے بڑے معاشی اِداروں جیسے ڈوچے بینک اور اسٹینڈرڈ اینڈ پوئر سے مشاورت کرتے ہیں۔

2002 میں کریبو کافی کا اٹلانٹا میں واقع اپنے شرعی قابل مالک ارکاپٹا اور ارکاپٹا کے شرعی مشیر یوسف القرضاوی سے اپنے تعلقات کی وضاحت دینا پڑی۔ بقول القرضاوی کہ "ہمارے بھائی اور بچے الاقصیٰ اور فلسطین کی مقدس سرزمین پر خون کا نذرانہ پیش کررہے ہیں اور اپنی جان اللہ کی راہ میں نچھاور کررہے ہیں۔" القرضاوی آخرکار ارکاپٹا سے مستعفی ہوگئے......

.... By INVESTOR'S BUSINESS DAILY | Posted Tuesday, December 30, 2008 4:20 PM PT
To fully comply with Shariah code, AIG has hired a "Shariah Supervisory Board" composed of "Shariah

scholars." Who are these so-called scholars?

One, according to its press release, is Muhammad Imran Usmani, who happens to be the son of Sheik Mufti Muhammad Taqi Usmani, who supports violent jihad against Westerners. The elder Usmani is so radical that Dow Jones & Co. recently removed him from the board of its Islamic market index.

At a minimum, AIG has to do better due diligence if it's going to use taxpayer money for such a controversial enterprise. But what's the responsibility of the U.S. government here?

The Thomas More Law Center, a public-interest law firm based in Ann Arbor, Mich., argues the U.S. is promoting a religious legal code at odds with democratic values and capitalism. And that makes the bailout unconstitutional. So it's suing Treasury Secretary Hank Paulson and the Federal Reserve to stop all bailout funds from going to AIG.

According to the suit, use of taxpayer funds to acquire ownership of a business that intentionally promotes, endorses, supports and funds Shariah-based Islamic religious practices violates the Establishment Clause of the First Amendment.

"The U.S. government, through its ownership of AIG, is not only violating the Constitution," the suits claims, "but also promoting and financing the destruction of America using American tax dollars."

While that sounds over-the-top, a sizeable share of the profit and any interest earned by AIG's Islamic subsidiary must be "purified" by investing in Islamic charities. Such transfers will be controlled by Usmani and other Shariah advisers.

Since 9/11, dozens of major Muslim charities around the world, including several based in the U.S., have been tied to terrorism and shut down. So AIG — along with American taxpayers — could unwittingly finance terrorism against the U.S. and its allies.

The potential for terror money laundering deeply

concerns two Republican leaders on the Hill, who on the heels of the Thomas More lawsuit fired off a letter to AIG CEO Ed Liddy warning him that the FBI could come knocking.

"We hope you can verify what hands your money passes through, because we would hate to see the FBI visit you one day, look into your books and tell you that money from AIG found its way into terrorist hands," wrote Reps. Frank Wolf, congressional Human Rights Caucus co-chairman, and Sue Myrick, co-chairwoman of the congressional Anti-Terrorism Caucus.

What's odd is that the Treasury Department is the agency charged with cracking down on terror financing, yet it's encouraging firms like AIG to go into Islamic finance. In fact, Treasury co-sponsored a seminar in November titled "Islamic Financing 101" to promote Shariah financing to corporate America.

The seminar was jointly sponsored by Harvard University, which is heavily supported by Saudi petrodollars.

So it's not just AIG that's actively helping Shariah gain a foothold in America. It's also Washington.

Financial crisis or not, it's hardly in the economic interest of taxpayers or the U.S. to own part of a business that supports a Stone Age legal code championed by the Taliban and Osama bin Laden.

AIG should divest itself from Shariah business practices if it wants to keep its public bailout money.

ترجمہ:-''شرعی قانون کی مکمل پاسداری کے لئے ایک شرعی نگرانی بورڈ قائم کیا ہے جو کہ شرعی علماء پر مشتمل ہے، یہ شرعی علماء آخر ہیں کون؟''

پریس ریلیز کے مطابق ان میں ایک ہیں محمد عمران عثانی جو کہ شیخ مفتی تقی عثانی کے صاحبزادے ہیں، وہی جو مغربی لوگوں کے خلاف

پُرتشدّد جہاد کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ بڑے عثمانی اتنے بنیاد پرست ہیں کہ ان کو حالیہ ڈاؤ جونز اِسلامک انڈیکس نے اپنے اسلامک مارکیٹ کے بورڈ سے ہٹا دیا ہے۔ کم از کم AIG اگر ٹیکس دہندگان کے سرمائے کو اس اِختلافی کمپنی میں اِستعمال کرتا ہے تو اس کو کچھ بہتر ہوشیاری کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ لیکن یہاں امریکی حکومت کی کیا ذمہ داری ہے؟

تھامس مور لاء سینٹر جو کہ ایک عوامی مفاد کی حفاظت کرنے والی قانونی فرم ہے، وہ کہتے ہیں امریکا ایک ایسے مذہبی قانون کو فروغ دے رہا ہے جو اس کی جمہوری اقدار اور سرمایہ کاری نظام سے متصادم ہے اور یہ چیز اس بچانے کے عمل (AIG کو بچانے کے لئے سرمائے کی فراہمی) کو غیر آئینی بناتی ہے۔ اس لئے وہ خزانے کے سیکریٹری ہینک پالن اور فیڈرل ریزرو پر مقدمہ کر رہے ہیں تا کہ AIG کو بچانے کے لئے دی جانی والی رقم روکی جا سکے۔ اس مقدمے کے مطابق، ٹیکس دہندگان کی دولت کو ایک ایسے بزنس کو خریدنے میں صَرف کرنا جو جان بوجھ کر شریعت پر مبنی اسلامی مذہبی روایات کو فروغ دیتی ہے دراصل آئین کی پہلی ترمیم کے اسٹیبلشمنٹ شق کی خلاف ورزی ہے۔

امریکی حکومت AIG میں اپنی ملکیت کے ذریعے نہ صرف آئین کی خلاف ورزی کر رہی ہے امریکی ڈالروں کے ذریعے امریکی تباہی کی معاونت کر رہی ہے۔

”اس بات پر آپ کو شاید یقین نہ آئے مگر AIG کا اِسلامی ذیلی اِدارہ جتنا منافع اور سود کماتا ہے اس کا ایک بڑا حصہ اسلامی فلاحی

اِداروں کو دِیا جاتا ہے تاکہ اس کو پاک کیا جائے۔ یہ رقم کی منتقلی عثمانی اوران جیسے دُوسرے شرعی مشیر کنٹرول کرتے ہیں۔''

9/11 کے بعد دُنیا کے کے درجنوں مسلم فلاحی اِداروں کو جن میں سے کافی امریکا میں واقع تھے ان کو دہشت گردی سے تعلق رکھنے کی بنیاد پر بند کردیا گیا۔ اس طرح دُوسرے ٹیکس دہندگان کی طرح AIG بھی امریکا اور اس کے اتحادیوں کے خلاف نادانستہ طور پر دہشت گردی کی مالی معاونت کرسکتا ہے۔ دہشت گردی کے لئے ممکنہ سرمائے کی فراہمی واشنگٹن کے دور یپبلکن لیڈروں کو مضطرب کر رہی ہے جنہوں نے تھامس مور کے مقدمے کی بناء پر AIG کی چیف ایگزیکٹو آفیسر کو ایک خط لکھ کر متنبہ کیا ہے کہ اس معاملے میں امریکی تفتیشی ایجنسی FBI شامل ہوسکتی ہے۔

فرینک ولف اور سومائی رک جو کہ امریکی کانگریس کی انسانی حقوق اور دہشت گردی کے خلاف کمیٹیوں کے چیئرپرسن ہیں ان کے مطابق ''ہم یہ اُمید کرتے ہیں کہ آپ ان ہاتھوں کی جانچ کرسکتے ہیں جن سے آپ کا سرمایہ گزر کے جاتا ہے کیونکہ ہم اس بات کو ناپسند کریں گے کہ ایک دن FBI آپ کے کھاتے کھول کرااپ کو مطلع کرے کہ AIG کا پیسہ دہشت گردوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وزارتِ خزانہ کا کام تھا کہ وہ دہشت گردی کی معاونت اور سرمایہ کاری کا قلع قمع کرے جبکہ وہ خود AIG جیسی کمپنیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ وہ اسلامی فنانس میں جاسکیں، درحقیقت وزارتِ خزانہ امریکا میں شرعی فنانس کو فروغ دینے کے لئے ایک سیمینار بھی منعقد کرایا تھا۔ اس سیمینار کے لئے ہارورڈ

یونیورسٹی نے بھی حمایت کی جس کو سعودی دولت کی معاونت حاصل ہے تو صرف یہ AIG نہیں جو امریکا میں شریعت کو قدم جمانے کے لئے مدد کر رہی ہے، اس کام میں واشنگٹن بھی شریک ہے۔

''معاشی بحران ہو یا نہ ہو لیکن یہ امریکا اور اس کے ٹیکس دہندگان کے معاشی مفاد میں ہرگز نہیں ہے کہ وہ ایسے بزنس کے مالک ہوں جو اُسامہ بن لادن اور طالبان کے پسندیدہ پتھروں کے زمانے کے قانون کی حمایت کرے۔ AIG اگر چاہتی ہے کہ امریکی معاشی مدد اس کو حاصل رہے تو اس کو شرعی کاروباری اُمور سے خود کو دُور کرنا ہوگا۔''

.... The next "what" is called Shariah-Compliant Finance (SCF). (...) Like subprime, it is a black box, in which management and investors alike are told to trust in the experts. In this case, the experts are Shariah authorities who are accorded exclusive responsibility for determining whether investments are "pure" (halal) and therefore acceptable, or "impure" (haram) and not. (...)

[...] these authorities are, unsurprisingly, adherents to Shariah. A number of them explicitly embrace its call to jihad (including a former senior member of the Dow Jones Islamic Index, Sheik Taqi Usmani). This "holy war" is to be waged where possible through violent means, where necessary through "soft" means like Shariah-Compliant Finance. For this reason, such Islamists call SCF "financial jihad."...........

Source: http://www.thedissidentfrogman.com/blog/link/islamic-5th-column-sharia-compliant-finance-coming-to-america/

ترجمہ:- ......''نیا اگلا بحران شرعی معاشی نظام کہلاتا ہے۔ یہ منتظمین اور سرمایہ کاروں کے لئے ایک ایسا کالا ڈبہ ہے جس میں ان کو

ماہرین پر اعتماد کرنے کو کہا گیا ہے۔اس معاملے میں ماہرین دراصل شریعت کے وہ مختارکار ہیں جن کو بلاشرکتِ غیر ذمہ داری دی گئی ہے کہ وہ طے کریں کہ آیا سرمایہ کاری حلال ہے یا نہیں اور یہ کہ اس بنا پر وہ قبول کی جا سکتی ہیں یا نہیں۔ بلاکسی حیرت کے کہ یہ منتظمین شریعت سے بھی وابستہ ہیں۔ ان میں سے کئی نے جہاد کی دعوت کو قبول کیا ہے (جس میں ڈاؤجونز اسلامک انڈیکس کے ایک سابق سینئر رُکن شیخ تقی عثمانی بھی شامل ہیں) اس مقدس جنگ کو جہاں ہو سکے تو پُر تشدد طریقوں سے، اور جہاں ضروری ہو ''شرعی معاشی نظام'' جیسے نرم طریقوں سے کیا جانا چاہئے۔ اسی وجہ سے اسلام پسند شرعی معاشی نظام کو ''معاشی جہاد'' کہتے ہیں۔''

What Is Sharia Finance? Don't Ask the Treasury

by Alex Alexiev
11/12/2008

As news reports trickle in indicating that the overwhelming majority of American Muslims voted for Barack Obama, the Wahhabi/Muslim Brotherhood-dominated Muslim establishment can barely conceal its glee at the prospect of the Obama presidency opening vast new opportunities for radical Islam in America. Whether such hopes are realistic or not remains to be seen. But, in the meantime, the outgoing administration with little fanfare and less notice has obligingly opened yet another avenue for the Islamists to pursue their ultimate objective of imposing barbaric sharia law in America.

The event in question was a Treasury Department seminar held last week entitled "Islamic Finance 101." The advertised purpose of the closed meeting was to provide Treasury regulators with objective information on Islamic Finance, a rapidly growing sector also

known as Sharia-Compliant Finance (SCF). In reality, the seminar was little more than a government-sponsored promotion of the subversive Islamist agenda carried out under the Sharia Finance guise.

It couldn't be any other way, given that not a single critic of SCF was invited and most of the "experts" present turned out to be Shariah finance promoters and practitioners with vested financial interests in the scheme and/or Islamist backgrounds or both.

The participants heard from Talal DeLorenzo, an American convert and product of a jihadist madrassa in Pakistan who has played a leading role in half a dozen U.S. Muslim extremist organizations, apart from being a kingpin among international "sharia advisors." Then there was Rushdi Siddiqi, the founder of the Dow Jones Islamic Index Fund (IMANX), where he for years supervised the Sharia advisory board, including its chairman, Mufti Taqi Usmani, a jihadist fanatic who openly preaches violence against non-Muslims and advocates suicide bombing..........

ترجمہ:-

نیا شرعی فنانس کیا ہے؟ وزارتِ خزانہ سے نہ پوچھیں

جیسا کہ اخباری رپورٹیں بتاتی ہیں کہ امریکن مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے بارک اوبامہ کے حق میں ووٹ ڈالے ہیں۔ وہابی/مسلم بھائی چارے پر مشتمل مسلم اسٹیبلشمنٹ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی کہ اوبامہ کی صدارت میں امریکا کے اندر بنیاد پرست اسلام کے لئے کئی مواقع کھل گئے ہیں۔ ابھی یہ دیکھنا باقی ہے کہ یہ توقعات حقیقت پسندی پر مبنی ہیں یا نہیں؟ لیکن اسی اثنا میں رُخصت ہوتی ہوئی حکومت نے خاموشی سے اسلام پسندوں کے

لئے ان کے حتمی مقصد یعنی امریکا میں وحشی شرعی قانون کے نفاذ کا راستہ کھول دیا ہے۔

ہم بات کرر ہے ہیں ''شرعی فنانس'' پر ہونے والے اس سیمینار کی جو وزارتِ خزانہ نے ترتیب دیا تھا۔ اس میٹنگ کا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ وزارتِ خزانہ کے منتظمین کو شرعی معاشی نظام کے متعلق معلومات فراہم کی جاسکیں۔ درحقیقت یہ سیمینار شرعی فنانس کے لبادے میں تباہ کن اسلامی ایجنڈے کے فروغ کا ذریعہ تھا۔ یہ سیمینار کسی اور مقصد کے لئے ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اس میں شرعی فنانس کے کسی ایک بھی تنقید نگار کو مدعو نہیں کیا گیا تھا اور وہ جو موجود تھے یا تو شرعی فنانس کے مبلغ تھے یا ان کے شرعی فنانس سے معاشی مفاد وابستہ تھے یا ان کا ماضی میں اسلام پسندوں سے تعلق تھا۔

مقرّرین میں طلال ڈی لوریز و بھی تھے جو نہ صرف ایک امریکی نومسلم اور پاکستانی جہادی مدرسے کے پیداوار ہیں بلکہ انہوں نے امریکا کی نصف درجن انتہا پسند مسلم تنظیموں میں بھی کلیدی کردار ادا کیا ہے، اس کے علاوہ وہ عالمی شرعی مشیروں کے دست راست بھی ہیں۔ پھر ان کے ساتھ ہی رشدی صدیقی بھی تھے جو کہ ڈاؤ جونز اسلامک انڈیکس (IMANX) کے خالق ہیں اور جہاں انہوں نے سالوں شریعت بورڈ کا اِنتظام چلایا ہے بشمول اس کے چیئرمین مفتی تقی عثمانی کے، جو ایک جہادی جنونی ہیں جو کہ کھلم کھلا غیر مسلموں کے ساتھ تشدّد اور خود کش حملوں کا پرچار کرتے ہیں......

.... Not surprisingly, the picture of Sharia finance that emerged from the presentations of these worthies was that of a God-ordained, socially-conscious,

morally superior and more profitable financial system that's ready to replace its failed capitalist counterpart.

ترجمہ:- غیر حیران کن طور پر ان معزز ہستیوں کے پیش کردہ مقالوں کی روشنی میں شرعی معاشی نظام کی جو شکل سامنے آئی وہ دراصل ایک خدا کا مقرّر کردہ، معاشرتی ذمہ داریوں سے آگاہ، اخلاقی طور پر برتر، اور زیادہ منافع بخش ایک ایسا معاشی نظام ہے جو اپنے ناکام شدہ ہم منصب سرمایہ کاری نظام کی جگہ لینے کو تیار ہے......

...... Since then, sharia finance has been closely linked with the rise of radical Islam in pursuing two related objectives: legitimization of sharia barbarism in the Muslim world and the West and financing extremism and terrorism. It is essential to understand here that sharia law is an immutable and indivisible doctrine that regulates each and every aspect of a Muslim's life and, unless you believe in all of it, you are an apostate and subject to death.

Thus, if you believe in sharia finance, as a Muslim, you must also believe that it is your religious obligation to establish sharia worldwide by violent jihad, kill apostates, adulterers and homosexuals and discriminate against infidels and women among other sharia mandates. And, in that scheme of things, sharia finance is nothing less than "jihad with money" as the prominent terrorism advocate, Yousuf al-Qaradawi, has put it. The fact that much of Wall Street sees only the fat transaction fees part of it does not make it any less so.

And even a casual look at the record of sharia banking proves that beyond doubt. Three of the early Sharia institutions, Bank Al-Taqwa, Akida Bank and BMI (Bait ul-Mal al-Islami) were not only involved in financing terrorism full time but were specifically set up for that purpose. The Treasury Department knows that very well because they were the ones that closed

them down as terrorist entities.

The largest Islamic bank, the Saudi-controlled Islamic Development Bank (IDB), was no slouch either in this respect with the $1 billion Al-Aqsa and Intifada funds set up specifically for financing suicide bombers in Palestine. The same is also true of the three largest Islamic banking empires run by the Saudi billionaires and zealous Wahabbis, Saleh Kamel, Prince Faysal al-Saud and Suleiman Abdul Aziz al-Rajhi , which have been suspected of terror financing for years but have always been able to get away because of America's obscene deference for the Saudis.

Not even included in this troubling record are the huge amounts generated by Islamic banks through the obligatory zakat tithe, 'purification' of 'unclean' income that must be given away or the huge sums paid to extremist sharia advisors. Worst of all, much of this huge financial windfall for Islamic extremism is now generated by Sharia finance in the West, making us a key sponsor of those that want to destroy us..........

Source: http://www.alipac.us/ftopict-137915.html

ترجمہ:- اس وقت شرعی فنانس کا بنیاد پرست اسلام کے عروج سے قریبی تعلق رہا ہے جس کے دو بنیادی مقاصد ہیں: اسلامی اور مغربی دُنیا میں شریعت کے وحشی پن کا نفاذ اور انتہا پسندی اور دہشت گردی کی مالی معاونت۔ یہ بھی سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ شریعت دراصل ایک غیر تغیر پسند اور ناقابلِ تقسیم عقیدہ ہے جو اِسلامی زندگی کے ہر ایک پہلو پر گرفت رکھتا ہے اور جب تک آپ مکمل طور پر اس پر اِیمان نہ لائیں، اس وقت تک آپ ایک مرتد کہلائیں گے اور قابلِ گردن زدنی ہوں گے۔

اگر بحیثیت مسلمان آپ شرعی فنانس پر یقین رکھتے ہیں تو آپ کو اس بات پر بھی یقین رکھنا پڑے گا کہ یہ آپ کی مذہبی ذمہ داری ہے کہ دُنیا

بھر میں شریعت کے نفاذ کے لئے پُرتشدّد جہاد کریں، مرتدوں، زانیوں اور ہم جنس پرستوں کو قتل کریں اور غیر مسلموں اور عورتوں سے امتیازی سلوک روا رکھیں۔ اسی بنا پر خودکش حملوں کے حامی یوسف القرضاوی کے بقول شرعی فنانس جہاد بالمال سے کم نہیں۔ اصل میں وال اسٹریٹ کو اس میں اپنی پُرکشش ٹرانزیکشن فیس کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا لیکن اس سے اس معاشی نظام کی ہولنا کیوں میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اور اگر ہم شرعی بینکنگ کے ریکارڈ پر سرسری نظر ڈالیں تو یہ بات بلا کسی شک کے ثابت ہوتی ہے۔ ابتدا کے تین اسلامی مالیاتی اِداروں (بینک التقویٰ، عقیدہ بینک، اور بیت المال الاسلامی) نہ صرف دہشت گردی کی مالی معاونت میں ملوّث تھے بلکہ ان کے قیام کا مقصد بھی یہی تھا۔

سعودی زیرِ انتظام سب سے بڑے اسلام بینک، اسلامی ترقیاتی بینک بھی کسی معاملے میں پیچھے نہیں۔ اس میں ایک ارب ڈالر سے قائم شدہ الاقصیٰ فنڈ اور اِنتفاضہ فنڈ ہیں جو کہ خصوصاً فلسطین میں خودکش حملوں کی معاونت کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ یہ بات ان تین عظیم اسلامی بینکنگ کے سلطنتوں پر بھی صادق آتی ہے جو سعودی ارب پتی اور سرگرم وہابی صالح کمیل، شہزادہ فیصل السعود اور سلیمان عبدالعزیز الراجحی چلا رہے ہیں جو کہ عرصہ دراز سے دہشت گردی کی مالی معاونت کے لئے مشکوک ہیں۔ لیکن یہ ہمیشہ امریکی حکومت کی سعودیوں کے لئے مکروہ تعظیم کی وجہ سے بچ نکلنے میں کامیاب رہے ہیں۔

اس پریشان کن حساب میں ان کی خطیر رُقوم کا تذکرہ بھی نہیں جو

اِسلامی بینک زکوٰۃ کی مد میں، ناپاک آمدنی کو پاک کرنے کی مد میں اور اِنتہاپسند شرعی مشیروں کے پُرکشش معاوضوں کی شکل میں حاصل کرتے ہیں، سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ اسلامی دہشت گردی کی اس عظیم معاشی دولت کی پیداوار شرعی فنانس مغرب میں کر رہی ہے، جس کی وجہ سے ہم خود کو تباہ کرنے والوں کے سرمایہ کار بن رہے ہیں۔

Our followers 'must live in peace until strong enough to wage jihad'

One of the world's most respected Deobandi scholars believes that aggressive military jihad should be waged by Muslims "to establish the supremacy of Islam" worldwide.

Justice Muhammad Taqi Usmani argues that Muslims should live peacefully in countries such as Britain, where they have the freedom to practise Islam, only until they gain enough power to engage in battle.

His views explode the myth that the creed of offensive, expansionist jihad represents a distortion of traditional Islamic thinking.

Mr Usmani, 64, sat for 20 years as a Sharia judge in Pakistan's Supreme Court. He is an adviser to several global financial institutions and a regular visitor to Britain. Polite and softly spoken, he revealed to The Times a detailed knowledge of world events and his words, for the most part, were balanced and considered.

He agreed that it was wrong to suggest that the entire nonMuslim world was intent on destroying Islam. Yet this is a man who, in his published work, argues the case for Muslims to wage an expansionist war against nonMuslim lands.

Mr Usmani's justification for aggressive military jihad as a means of establishing global Islamic supremacy is

revealed at the climax of his book, Islam and Modernism. The work is a polemic against Islamic modernists who seek to convert the entire Koran into "a poetic and metaphorical book" because, he says, they have been bewitched by Western culture and ideology.

The final chapter delivers a rebuke to those who believe that only defensive jihad (fighting to defend a Muslim land that is under attack or occupation) is permissible in Islam. He refutes the suggestion that jihad is unlawful against a nonMuslim state that freely permits the preaching of Islam.

For Mr Usmani, "the question is whether aggressive battle is by itself commendable or not". "If it is, why should the Muslims stop simply because territorial expansion in these days is regarded as bad? And if it is not commendable, but deplorable, why did Islam not stop it in the past?"

He answers his own question thus: "Even in those days . . . aggressive jihads were waged . . . because it was truly commendable for establishing the grandeur of the religion of Allah."

These words are not the product of a radical extremist. They come from the pen of one of the most acclaimed scholars in the Deobandi tradition.

Source: http://www.timesonline.co.uk/tol/comment /faith/article2409833.ece

ترجمہ:-

ہمارے ماننے والوں کو اس وقت تک امن سے رہنا چاہئے جب تک وہ جہاد کی طاقت نہ حاصل کر لیں

''دیوبندی علماء کے ایک معتبر ترین عالم کے مطابق مسلمانوں کو دُنیا بھر میں اسلام کی بالادستی قائم کرنے کے لئے جارحانہ مسلح جہاد کرنا چاہئے۔ جسٹس تقی عثانی کے مطابق مسلمانوں کو برطانیہ جیسے ممالک

میں، جہاں وہ آزادی سے اسلام پر عمل کر سکتے ہیں، امن سے رہنا چاہئے ،صرف اس وقت تک جب تک وہ اتنی طاقت نہ حاصل کر لیں کہ لڑائی کر سکیں۔ ان کے یہ خیالات اس افسانے کو چکنا چور کرتے ہیں جس کے مطابق جارحیت پسند جہاد دراصل روایتی اسلامی فلسفے کی مسخ شدہ شکل ہے۔

64 سالہ جناب عثمانی نے 20 سال تک پاکستانی سپریم کورٹ کے شرعی جج کی حیثیت سے فرائض انجام دیئے۔ وہ مختلف عالمی مالیاتی اِداروں کے مشیر ہیں اور باقاعدگی سے برطانیہ کے دورے کرتے ہیں، بہت شائستہ اور نرم بولنے والے ہیں، انہوں نے ٹائم میگزین کو دُنیا کے حالات پر تفصیلی معلومات فراہم کیں اور ان کے الفاظ کا اکثر و بیشتر حصہ بہت متوازن سلجھا ہوا اور نپا تلا تھا۔ انہوں نے اِقرار کیا کہ یہ کہنا غلط ہوگا کہ تمام غیر مسلم دُنیا اِسلام کو تباہ کرنا چاہتی ہے۔ جبکہ یہ وہی شخص ہے جس نے اپنی شائع شدہ کتاب میں مسلمانوں کو کہا ہے کہ وہ غیر مسلم علاقوں میں توسیع پسندانہ جنگ کریں۔

اپنی کتاب ''اسلام اور جدیدیت'' میں جناب عثمانی جارحانہ مسلح جہاد کی صفائی میں دلیل دیتے ہیں کہ دراصل جہاد اِسلام کی عالمی حاکمیت قائم کرنے کا ذریعہ ہے۔ ان کا یہ کام (کتاب) ان اسلامی جدت پسندوں کے خلاف حجت ہے جو قرآن کو مکمل طور پر ایک شاعرانہ اور اِستعاراتی کتاب میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں، جس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ ترقی پسند مغربی ثقافت اور نظریات سے مسحور ہیں۔

کتاب کے آخری باب میں وہ ان لوگوں کو ملامت کرتے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ اسلام میں صرف مدافعتی جہاد (مسلم زمین کو غیر کے

تسلط سے آزاد کرانے کی لڑائی) کی اِجازت ہے۔ وہ اس خیال کو بھی غلط ثابت کرتے ہیں کہ ان غیر مسلم ریاستوں کے خلاف جہاد جائز نہیں جو اِسلام کی تبلیغ کی بلا روک ٹوک اِجازت دیتے ہیں۔

بقول عثمانی صاحب کے سوال یہ ہے کہ جارحانہ جنگ بذاتِ خود قابلِ ستائش ہے یا نہیں؟ اگر قابلِ ستائش ہے تو مسلمان اس سے کیوں رُک جائیں؟ صرف اس بات پر کہ ان دنوں جغرافیاء توسیع کو بُا خیال کیا جاتا ہے؟ اور اگر یہ قابلِ ستائش نہیں بلکہ قابلِ مذمت ہے تو ماضی میں اسلام نے اس کو کیوں نہ روکا؟ اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے وہ خود کہتے ہیں کہ ان دنوں میں بھی..... جارحانہ جہاد کئے جاتے تھے کیونکہ یہی دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے دِین کی بالادستی قائم کرنے کا قابلِ تحسین ذریعہ تھا۔

یہ الفاظ کسی اِنتہا پسند بنیاد پرست کے نہیں ہیں، یہ اس شخص کی قلم کی پیداوار ہیں جس کو علمائے دیوبند میں ایک معتبر مقام حاصل ہے۔"

موجودہ پُر آشوب حالات میں اہلِ حق علماء اور مشائخ کی ذمہ داریاں

یہ تمام حالات و واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ ایسے حالات میں عوام کی نظریں علماء و مشائخ خصوصاً علمائے دیوبند کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے اِخلاص وللّٰہیت اور راہِ اِعتدال پر ہونے کی دولت سے نوازا ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دُنیا میں بڑی عزّت اور مقبولیت نصیب فرمائی ہے اور ان پر بہت سے عوام وخواص کا گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ پاک لوگ ہیں جن کا ہر کام اور ہر بات اِسلام اور عدل کے پیمانوں میں نپی تلی ہوتی ہے۔ ان کو چاہئے تھا کہ وہ دُوسرے ممالک اور دُوسرے مسلک

والوں کو ملا کر ان کو بیدار کریں اور اِسلام اور مسلمان بلکہ پوری اِنسانیت کے لئے ایسے کام کریں جن کی وجہ سے پوری انسانیت مغرب اور دُشمنانِ اسلام کے ظلم و بربریت اور جبر و اِستبداد سے آزاد ہو جائے اور یہ کام اِن شاء اللہ یہی اہلِ حق کر سکتے ہیں اور اس کے لئے وہ ہمت بھی کر رہے ہیں، اور اس قافلے کے شہسوار الحمدللہ دِین کے تمام میدانوں میں اِخلاص کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں اور الحمدللہ آگے بھی بڑھ رہے ہیں۔

لیکن معلوم نہیں کہ اس پاکیزہ جماعت کے بعض بااثر افراد کو کیا نظر لگ گئی کہ ان کی طرف سے ایک بڑی کمزوری اور غیر متوازن رویہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک تو یہ حضرات قرآن وحدیث کی واضح نصوص:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ، اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا. (الإسراء: ۳۶)

ترجمہ:- اور جس بات کی تجھے علم (اور تحقیق) نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ (بلکہ آنکھوں، کانوں اور عقل سے کام لے کر صحیح نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کرو) بے شک کان، آنکھ اور دِل ہر ایک سے باز پُرس ہوگی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ.

(الحجرات: ۶)

ترجمہ:- اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کرو.........۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:-

كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ. (الحديث)

ترجمہ:- آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو (بغیر تحقیق کے) بیان کرے۔

ان واضح نصوص کے باوجود سنی سنائی باتوں پر عمل کر کے علماء و مشائخ کی تحقیر و تذلیل جیسے بدترین گناہ اور جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ دُوسری کمزوری ان کی یہ ہے کہ یہ حضرات صرف اِختلافی مسائل میں حد سے تجاوز ہی نہیں کرتے بلکہ وہ معمولی نوعیت کے اِختلافی مسائل کو بڑھا چڑھا کر ان کو کفر و شرک وغیرہ جیسا سنگین مسئلہ بنا دیتے ہیں، پھر اس کے پردے میں اپنے مسلک کے ان علماء و مشائخ کی جن سے اللہ تعالیٰ کوئی دِینی کام لے رہا ہے تحقیر و تذلیل اور تنقیص کرنے کی کوشش کرتے ہیں، خصوصی اور عوامی تقریبات اور اِجتماعات میں ان کو نشانہ بناتے ہیں اور جس مسئلے میں کسی شخص سے اِختلاف کرتے ہیں تو وہ اپنی رائے کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ گویا ان کی بات اور رائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بات اور حکم ہے، اور جو اس کو قبول نہ کرے وہ گویا اسلام سے خارج ہے۔ اس کے بارے میں بندے کے پاس کافی شواہد موجود ہیں جن کا ذِکر کرنا یہاں مناسب نہیں۔

حالیہ ''متفقہ فتویٰ'' کی اِتفاقی حیثیت؟

البتہ اس کی ایک مثال حالیہ ''متفقہ فتویٰ'' نامی فتویٰ ہے، آپ اس سے اندازہ لگائیے کہ اس ''متفقہ فتویٰ'' پر پورے پاکستان میں سے صرف اِکتیس مفتیانِ کرام کے دستخط ہیں۔ جن میں پندرہ مفتیان کا تعلق کراچی سے ہے، اور اس فتویٰ کے عنوان میں انہوں نے یہ بات بھی لکھی ہے کہ طویل غور و خوض کے بعد انہوں نے یہ فتویٰ جاری کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس غور و خوض میں دستخط کرنے والے تمام حضرات شامل تھے یا یہ غور و خوض تو چند حضرات نے کیا اور باقی مفتیانِ کرام نے اس کی تصدیق فرما دی۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ غور و خوض صرف چند حضرات کا ہے، اگرچہ اس فتویٰ پر ایسے مشائخ اور مفتیان کے دستخط بھی موجود ہیں جن کو بندہ پہچانتا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے فقہی مسائل میں بصیرت اور تحقیق کی قوت اور توفیق بھی بخشی ہے، اور بندہ کے گمان کے

مطابق وہ مخلص بھی ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پوری تحقیق کے بغیر ان باثر چند حضرات کی تحقیق پر اعتماد کر کے محض حسنِ عقیدت کی بنیاد پر اس فتویٰ پر دستخط کئے ہیں۔ جیسا کہ بعض مفتیان کی طرف سے یہی عندیہ ملا ہے کہ دُوسروں کے دستخط کرنے پر انہوں نے بھی اس پر دستخط کئے۔ اگرچہ اِجتہادی مسائل میں قلّت وکثرت کا اتنا زیادہ اعتبار نہیں بلکہ قوتِ دلیل معتبر ہے، لیکن یہ گزارش اس لئے کرنی پڑی کہ ایک تو اس فتویٰ کو متفقہ فتویٰ کی حیثیت حاصل نہ ہو اور دُوسری یہ بات بھی معلوم ہوجائے کہ بعض حضرات کو اپنی رائے کس قدر پسند ہے کہ وہ اس کے خلاف برداشت ہی نہیں کر سکتے۔

فقہی اِختلاف مبنی پر اِخلاص ودیانت ہو تو رحمت ہے

اس میں شک نہیں کہ فقہی مسائل میں فتاویٰ وآرا کا اِختلاف فطری بھی ہے اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں بلکہ ہر دور میں اِختلافات پیدا ہوئے ہیں اور یہ اختلاف کوئی نقصان دہ بھی نہیں بلکہ اگر یہ اختلاف دیانت اور اخلاص پر مبنی حدودِ اِعتدال میں ہو تو یہ یقیناً اُمت کے لئے باعثِ خیر ورحمت ہے۔ لیکن جب اِختلاف کا مقصد عناد اور دُوسرے کی توہین وتحقیر ہو یا اس اِختلاف کا مقصد اس فانی دُنیا کی مال وعزّت کا حصول ہو یا اپنی بات اور رائے پر حد سے زیادہ اِصرار اور منوانے اور دُوسروں کی بات نہ ماننے کا جذبہ کارفرما ہو تو ایسا اِختلاف یقیناً شر وفساد اور اِفتراق واِنتشار کا سبب بنتا ہے۔

اسلافِ اُمت نے اِختلافِ رائے کو اپنی حدود میں رکھا، ان میں اِخلاص وللّٰہیت تھی، اور ان کا مقصد تحقیقِ حق اور طلبِ ثواب تھا، ان کے اختلاف سے اُمت کے لئے جو خیر کے پہلو پیدا ہوئے اس پر صدیوں کی تاریخ گواہ ہے۔

طاغوتی قوّتوں کا ایک بڑا حربہ!

لیکن ہمیں یہ حقیقت بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ دُشمنانِ اسلام ہمارے خلاف جو سب سے بڑا حربہ استعمال کر رہے ہیں وہ ہماری صفوں کے اندر پھوٹ ڈالنا ہے اور اس

غرض کے لئے تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف تدبیریں کی گئی ہیں، لیکن ان میں سب سے نمایاں اور کارگر تدبیر یہ تھی کہ دِین کے فروعی مسائل میں واقع نقطۂ نظر کے اِختلاف کو اُچھال اُچھال کر اور بڑھا چڑھا کر مسلمانوں کو ایک دُوسرے سے بدظن اور متنفر کردیں اور ان کو دِین کے نام پر آپس میں ایک دُوسرے کے ساتھ لڑادیں۔ بندہ کو ایک ملاقات میں محترمی ومکرمی حضرت مولانا محمد عزیز الرحمٰن ہزاروی مدظلہٗ خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ ومہتمم دارالعلوم زکریا اسلام آباد نے متفقہ فتویٰ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ایک خط دیا جو انہوں نے اس فتوے سے پہلے لکھا تھا، دونوں کو پڑھا بڑا قلق بھی ہوا اور حیرت بھی۔

اسلامی مالیاتی نظام کو مغرب کسی طرح برداشت نہیں کرنا چاہتا

اب ''متفقہ فتویٰ'' نامی فتویٰ کو دیکھئے کہ وہ کس قدر غیر متوازن اور غیر معتدل ہے اور اس فتویٰ کے پس منظر کو بھی دیکھا جائے تو ایک انصاف پسند مسلمان کی تشویش وافسوس اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

کیونکہ ایک تو اِسلامی بینکاری کا مسئلہ ایک حساس مسئلہ ہے، اس میں اخباری اور صحافیانہ انداز میں فتوے شائع کرنا خطرناک بھی ہے اور اِفتراق واِنتشار کا سبب بھی، اور یہ فتویٰ خود فتویٰ دینے والوں کے لئے بھی نقصان دہ ہے کیونکہ اسلامی بینکاری کے خلاف دُشمنانِ اسلام اس طرح صف آرا ہوئے ہیں جیسا کہ وہ افغانستان کی امارتِ اسلامیہ اور الرشید ٹرسٹ، الاختر ٹرسٹ، وغیرہ کے خلاف پابندیاں لگا کر صف آرا ہوئے ہیں، اور یہ وہ اس لئے کر رہے ہیں کہ بلاسود بینکاری کے فوائد جب دُنیا کے سامنے آنے لگے ہیں اور وہ دن بدن دُنیا پر حاوی ہو رہی ہے، اور خود اہلِ مغرب بھی اسلام کے اِقتصادی نظام سے متاثر ہو رہے ہیں اور عام لوگوں کا بھی اسلامی بینکاری کے ساتھ معاملے کا رُجحان بڑھ رہا ہے، اسی وجہ سے دُشمنانِ اسلام اور اہلِ کفر کے وضع کردہ خالص سودی بینکاری والے بینکوں کے

مالکان اور سرپرست سب مل کر اس کے خلاف سازشیں کرتے ہیں تاکہ وہ اسلامی بینکاری کی طرف بڑھنے والے رُجحان کو ختم کریں جیسا کہ اخبارات اور مغربی میڈیا کے حوالے سے اس کا بیان پہلے گزر چکا۔ دُوسری بات یہ کہ اس فتویٰ سے قبل شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کو بلایا گیا اور انہوں نے اپنا موقف بھی پیش کرنا چاہا لیکن ان کے موقف کو سننے اور دلائل پیش کرنے کا ان کو موقع نہیں دیا گیا جیسا کہ خود حضرت کے خط سے یہ بات واضح کردی گئی ہے۔

تیسری بات یہ کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ہماری طرح کوئی دیہاتی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فقہی بصیرت اور اِسلامی عصر علوم میں فاضلانہ مہارت عطا فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے دِینی دعوتی، تدریسی، تعلیمی اور اِصلاحی وغیرہ میدانوں میں پوری دُنیا میں غیر معمولی کام لے رہا ہے۔ جس کے اندرون ملک اور بیرونی ممالک کے عوام وخواص معترف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تواضع اور حسنِ اخلاق کی نعمت سے بھی ان کو وافر حصہ نصیب فرمایا ہے۔

ہمارے علم کے مطابق آپ نے کسی تقریر وتحریر میں کسی مسلمان کی تحقیر وتذلیل نہیں کی ہے، اور دُوسروں کی رائے کا اس قدر اِحترام کرتے ہیں کہ اپنے کسی معمولی شاگرد کی بات میں بھی حق وصداقت کو پائیں تو فوراً اپنی بات سے رُجوع کرلیتے ہیں اور یہ ان کی ایسی صفات ہیں جن سے ہر وہ شخص واقف ہے جس نے ان کے ساتھ کچھ وقت گزارا ہو یا ان کی تحریرات کا مطالعہ کیا ہو۔ یہ لوگ ایسی شخصیت کو اتنا موقع نہیں دیتے کہ وہ اپنی صفائی پیش کرے اور اس کے بارے میں ان کے جو خدشات ہیں وہ ان کو دُور کردیں۔

پھر ایسی علمی اور صاحبِ تقویٰ ومعتدل شخصیت جس کے علم وتقویٰ کے اندرون و بیرون ملک کے بہت سے عوام وخواص معترف ہیں، ان کی بات کو نہ سننا اور اس کو قابلِ اعتنا نہ سمجھنا اور اخبارات میں یک طرفہ فتویٰ دینا اور اس کی تشہیر کرنا، اس طرزِ عمل اور رویہ کی توجیہ کم از کم ہمارے جیسے دیہاتیوں کی سمجھ سے باہر ہے۔

اہلِ علم و اِفتاء اور مشائخِ کرام سے درخواست

اس لئے اس کے بارے میں تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، البتہ اپنی حیثیت سے بڑھ کر کچھ عرض کرنے کی جسارت پر پیشگی عاجزانہ معذرت کے ساتھ ان علماء و مشائخ سے درخواست کرتا ہوں جنہوں نے بلاسودی بینکاری وغیرہ کے بارے میں غیر متوازن فتویٰ خطابت کے انداز میں دیا ہے اور جنہوں نے اس پر دستخط کئے ہیں کہ وہ اپنے اس فتویٰ پر نظرِ ثانی فرمائیں اور یہ بات بھی سامنے رہے کہ بلاسودی بینکاری کی نوعیت کسی ایک مسئلے کی طرح نہیں، بلکہ یہ تو ایک اِدارہ ہے، اس میں بہت سارے مسائل ہوتے ہیں، جیسا کہ مدرسہ اور دارالعلوم ایک اِدارہ ہوتا ہے، جس میں مختلف شعبے ہوتے ہیں، مدرّسین ہوتے ہیں، لنگر وغیرہ کے انتظامات ہوتے ہیں، چندہ وغیرہ جمع کرنے اور اس کے مصارف کے لئے طریقۂ کار ہوتا ہے، اگر کسی مدرسے یا تمام مدارس کے کسی شعبے میں کوئی کمزوری ہو یا کسی قانون یا کسی طریقے میں کوئی خرابی ہو، ایسی صورت میں کیا یہ جائز ہے کہ اس پورے مدرسے یا تمام مدارس کے وجود ہی کا انکار کیا جائے اور ان پر حرمت کا حکم لگایا جائے، یا دُرست طریقہ یہ ہے کہ اس اِدارے میں جو کمزوریاں ہوں کو ان کو دُور کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ دُرست طریقہ اور رویہ دُوسرا ہی ہے نہ کہ پہلا۔

اسی طرح اسلامی بینکاری ایک اِدارہ ہے، جس کا تعلق بہت سے مسائل اور اِنتظامات کے ساتھ ہے، اگر کسی انتظامی امر یا اس کے کسی قانون یا طریقے میں کمزوری ہو تو علمائے کرام اور مفتی صاحبان کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس کی نشاندہی کریں نہ یہ کہ پورے اِدارے پر حرمت کا فتویٰ صادر کر کے اس کو بیخ سے اُکھاڑنے کی کوشش کریں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کرے کہ کہیں امارتِ اسلامیہ قائم ہو جائے، ابتدائی مراحل میں اس کے اندر بہت ساری کمزوریاں ہو سکتی ہیں، کیونکہ اسلامی حکومت کے ساتھ ایک مسئلے کا تعلق نہیں بلکہ اس کے ساتھ بہت سے مسائل کا تعلق ہوتا ہے۔ کہیں نظم میں خرابی ہوگی، کہیں قانون

میں کسی پہلو سے کمزوری ہوگی، کہیں اس کے کسی اِدارے کے اِنتظام یا اس کے افراد میں کوئی نقص ہوگا۔ اس طرح کئی خرابیاں ہوسکتی ہیں۔ ایسی صورت میں یہ دُرست نہیں کہ پوری امارتِ اسلامیہ ہی کے خلاف حرمت کا فتویٰ دے دیا جائے اور اس کو ختم کرکے اس کی جگہ خالص طاغوتی دُشمنِ اسلام حکومت کو قائم ہونے کا موقع دے دیا جائے۔ بلکہ اس کا دُرست طریقہ یہی ہے کہ علماء اور مفتیان اسلامی حکومت کے امیر اور حکمرانوں میں پائی جانے والی خرابیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کریں اور اس کے مسائل سے ان کو آگاہ کریں۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ امارتِ اسلامیہ کا سربراہ بار بار یہ اعلان کرتا ہو اور علماء ومفتیان کو متوجہ کرتا ہو کہ ہمارے ساتھ تعاون کریں، ہمیں ہماری کمزوریاں اور خرابیاں بتلائیں تاکہ ہم ان کو دُور کریں، پھر بھی کیا یہ جائز ہے کہ ایسی حکومتِ اسلامی ہی کے خلاف فتویٰ دے دیا جائے اور اس کو ختم کرکے اس کی جگہ خالص کفر کی حکومت قائم ہونے دی جائے؟

ظاہر ہے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کوئی دوستی، کوئی وفاداری نہیں بلکہ ہر مسلمان اس کو ناجائز ہی سمجھتا ہے، اسی طرح کا معاملہ اسلامی بینکاری کا بھی ہے کہ اس کے پورے نظام اور اِدارے کے خلاف فتویٰ دینا اور اس کو ختم کرکے اس کی جگہ خالص سودی نظام کے لئے کھلا میدان چھوڑنا دُرست فیصلہ اور صحیح رویہ نہیں۔ عصرِ حاضر میں سیاسی تغلب کا مدار اسلحے سے زیادہ اِقتصادیات پر ہے، اس لئے اہلِ کفر کا وضع کردہ سودی بینکاری کا توڑ اور مقابلہ آج ایک بڑا اجہاد ہے۔ اگر ہم بہت سے دِینی کاموں میں درجنوں غلطیوں پر چشم پوشی کرکے ان کی حمایت کرتے ہیں تو آخر کافرانہ سودی نظام کے خلاف جدوجہد کرنے والے حضرات کی حوصلہ افزائی کے بجائے اس میدان کے شہسواروں کی حوصلہ شکنی کیوں کی جائے؟

ایک وضاحت

میرا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اسلامی طرز کی بینکاری میں جو کمزوریاں ہیں، ان کو دُور کرنے کے لئے مشورے اور اِصلاح کی کوشش نہ کریں، بلکہ ایسے مشورے اور اس کی

اِصلاح کرنا ضروری ہے، لیکن یہ مقصد اخباری فتووں سے حل نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے ان حضرات سے مل بیٹھنے کی ضرورت ہے جو عملاً اس میدان میں کام کر رہے ہیں۔

آخر میں پھر عاجزانہ معذرت کے ساتھ درخواست ہے کہ اس بات کو سامنے رکھیں کہ دُشمنانِ اسلام، اسلامی نظام یا اسلامی نظام کے کسی شعبے اور اِدارے کی عملی تصویر کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے، ظاہر ہے کہ خالص سودی بینکاری کے مالکان اور دُشمنانِ اسلام اور ان کے پرستاروں کو اس قسم کے فتووں پر بے اِنتہا خوشی ہوگی اور وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے اور وہ لوگوں کو یہ باور کرائیں گے کہ اسلام میں عصری تقاضوں، ضرورتوں سے مقابلے کی کوئی صلاحیت نہیں۔

لہٰذا اسلامی بینکاری سے انکار اس کا حل نہیں، اِخلاص کے ساتھ مشوروں اور اس کی اِصلاح اور اس کی کمزوریوں کو دُور کرنے کی ضرورت ہے اور ''مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ'' اور ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ'' کے پیشِ نظر مذکورہ فتویٰ اور رویہ پرنظرِ ثانی فرمائیں۔

بندہ مختارالدین
۲۶/ذوالحجہ ۱۴۲۹ھ
۲۵/دسمبر ۲۰۰۸ء

٭٭٭

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پچھلے دنوں جب اسلامی بینکاری کے خلاف بعض علماء کا فتویٰ شائع ہوا تو اس فتوے کو ''متفقہ فتویٰ'' کا عنوان دیا گیا، پھر بعد میں اس کی تائید میں ''مروّجہ اسلامی بینکاری'' کے نام سے جو کتاب شائع ہوئی، اس میں بار بار اسے ''جمہور کا موقف'' قرار دے کر یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ ''اسلامی بینکاری'' کی کوششوں کی حمایت صرف ایک شخصیت (شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی) اور ان کے ان تلامذہ کی ہے جن کے مفادات اسلامی بینکاری سے وابستہ ہیں۔

ملک کے دُوسرے بہت سے سنجیدہ اہلِ علم اس فتوے، اس کے ساطریقِ کار اور ان دعووں سے متفق نہیں تھے، چنانچہ انہوں نے اس صورتِ حال کا نوٹس لیا اور ملک کے معروف مفتی اور شیخِ طریقت حضرت مولانا مفتی مختارالدین صاحب (خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک تحریر لکھی، اور محدود پیمانے پر سرحد اور صوبہ پنجاب کے اہلِ علم وفتویٰ کے پاس بھیجی، بعض حضرات نے اس تحریر سے اِتفاق فرما کر اس پر اپنے دستخط کردیے، اور بعض حضرات نے اس پر کسی نوٹ کا اِضافہ فرمایا، اور بعض نے خود اپنی تحریر لکھ دی۔ یہ تحریریں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔ (ان سب کی اصل تحریریں دستخط سمیت ہمارے پاس محفوظ ہیں)۔

اِدارہ

بلاسود بینکاری کے خلاف شائع ہونے والے فتویٰ کی حقیقت

گزشتہ دنوں بلاسود بینکاری کے خلاف ایک فتویٰ شائع کیا گیا جس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا کہ یہ جمہور علماء کا موقف ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ علمائے کرام اور مستند مفتیانِ عظام کی ایک بڑی تعداد مضبوط دلائل کی بنیاد پر اس فتویٰ سے اِتفاق نہیں کرتی۔ اس لئے یہ تمام علماء اس اَمر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ بلاسود بینکاری کے خلاف جاری کیا جانے والا فتویٰ نہ تو متفقہ ہے اور نہ ہی جمہور کا موقف ہے۔ اسلامی بینکاری کے پس منظر میں ہمارے مشائخ اور عالمِ اسلام کی مستند شخصیات کی سالہا سال کی تحقیقات اور کاوشیں کارفرما ہیں اور آج بھی جو جید علماء اس سارے عمل کو بہتر بنانے میں مصروف ہیں ہم ان کی کوششوں کو بنظرِ تحسین دیکھتے ہیں۔

صوبہ سرحد کے حضرات علماء ومفتیانِ کرام کے تصدیقی دستخط

پشاور

۱-	حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب	جامعہ عثمانیہ پشاور
۲-	حضرت مولانا مفتی مختار اللہ صاحب	جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
۳-	حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب	باڑہ پشاور
۴-	شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید اللہ شاہ صاحب	جامعہ امداد العلوم پشاور

۵۔ حضرت مولانا مفتی سبحان اللہ صاحب — جامعہ امداد العلوم پشاور

''بندہ کا تحریرِ بالا سے اتفاق ہے۔''

۶۔ حضرت مولانا مفتی شاہجہان صاحب — جامعہ نعمانیہ پشاور

۷۔ حضرت مولانا مفتی صادق حسین صاحب — جامعہ نعمانیہ پشاور

۸۔ حضرت مولانا مفتی محمد اسلام صاحب — جامعہ نعمانیہ پشاور

۹۔ حضرت مولانا مفتی محمد نذیر صاحب — جامعہ نعمانیہ پشاور

''ہم مذکورہ بالا تحریر کے ساتھ متفق ہیں۔''

۱۰۔ حضرت مولانا مفتی سیّد قمر صاحب — جامعۃ العلوم الاسلامیہ سرحد پشاور

چارسدہ

۱۱۔ حضرت مولانا محمد علی شاہ صاحب — مہتمم دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۱۲۔ حضرت مولانا غلام محمد صادق صاحب — ناظم تعلیمات دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۱۳۔ حضرت مولانا مفتی عبداللہ شاہ صاحب — رئیس دار الافتاء دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۱۴۔ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف شاکر صاحب — دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۱۵۔ حضرت مولانا افتخار علی صاحب — دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۱۶۔ حضرت مولانا جمیل احمد صاحب — دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۱۷۔ حضرت مولانا بشیر الحق صاحب — دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۱۸۔ حضرت مولانا محمد نبی صاحب — دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۱۹۔ حضرت مولانا ابوطلحہ عبدالواحد صاحب — دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۲۰۔ حضرت مولانا مفتی احسان اللہ حقانی صاحب — دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۲۱۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیق صاحب — دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۲۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد عادل صاحب — دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۲۳- حضرت مولانا فضل مولی صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۲۴- حضرت مولانا احمد مجتبیٰ صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۲۵- حضرت مولانا احتشام الحق صاحب	(فاضل بنوری ٹاؤن) ڈھیری سکندر خان چارسدہ
۲۶- حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب	خطیب و مدرّس مسجد عبداللہ و مدرسہ انعام کلی چارسدہ
۲۷- حضرت مولانا اظہار الحق صاحب	(فاضل جامعہ دار العلوم کراچی) مہتمم دار العلوم اشرفیہ ڈھیری سکندر خان چارسدہ

کوہاٹ

۲۸- حضرت مولانا مفتی سیّد مختار الدین شاہ صاحب دار الافتاء جامعہ زکریا کربوغہ شریف کوہاٹ

"بندہ اس تحریر کے ساتھ پوری طرح متفق ہے۔"

۲۹- حضرت مولانا مفتی حمیم الرحمٰن صاحب	دار العلوم الاسلامیہ کربوغہ شریف کوہاٹ
۳۰- حضرت مولانا بشیر احمد صاحب	دار الافتاء کربوغہ شریف کوہاٹ
۳۱- حضرت مولانا مفتی نور الودود صاحب	جامعہ زکریا دار الایمان کربوغہ شریف کوہاٹ
۳۲- حضرت مولانا مفتی محمد زبیر صاحب	جامعہ زکریا دار الایمان کربوغہ شریف کوہاٹ
۳۳- حضرت مولانا مفتی قاضی نصر اللہ صاحب	جامعہ مفتاح العلوم کوہاٹ
۳۴- حضرت مولانا مفتی لطیف اللہ حنفی صاحب	جامعہ مفتاح العلوم کوہاٹ

"بندہ کا تحریر بالا سے اتفاق ہے۔"

۳۵- حضرت مولانا مفتی محمد مجاہد صاحب	مدرسہ قاسم العلوم کوہاٹ
۳۶- حضرت مولانا مفتی محمد عاصم نور صاحب	مدرسہ عبداللہ بن مسعود کوہاٹ
۳۷- حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب	مدرسہ عربیہ محمودیہ کوہاٹ

۳۸- حضرت مولانا مفتی غلام مرسلین صاحب مدرسہ باقی زئی کوہاٹ

''تقی صاحب کی علمی خدمات وتحقیقات پر اِطمینان کی وجہ سے مکمل اعتماد ہے۔''

۳۹- شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع اللہ راشد صاحب جامعہ سراج الاسلام کاہی ہنگو کوہاٹ

۴۰- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد امین صاحب تلمیذِ بنوریؒ جامعہ یوسفیہ شاہو وام ہنگو کوہاٹ

۴۱- حضرت مولانا مفتی عظمت اللہ صاحب جامعہ یوسفیہ شاہو وام ہنگو کوہاٹ

۴۲- حضرت مولانا مفتی دین اظہر صاحب رئیس دارالافتاء جامعہ مفتاح العلوم ہنگو کوہاٹ

''اس متفقہ نامی فتویٰ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔''

۴۳- حضرت مولانا مفتی سیّد نجم الدین ہاشمی صاحب جامعۃ العلوم الاسلامیہ زرگری ہنگو کوہاٹ

''بلاسود بینکاری کے خلاف متفقہ فتویٰ کے دعوے سے اِتفاق نہیں ہے۔''

۴۴- حضرت مولانا مفتی عبید اللہ صاحب جامعہ زکریا کربوغہ شریف ہنگو کوہاٹ

۴۵- حضرت مولانا فرید اللہ صاحب (فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی) مدرسہ حسن بن علی ہنگو کوہاٹ

بنوں

۴۶- حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب الجامعۃ العربیۃ الاسلامیۃ انوار العلوم بنوں

۴۷- حضرت مولانا مفتی محمد اسرار صاحب الجامعۃ العربیۃ الاسلامیۃ انوار العلوم بنوں

۴۸- حضرت مولانا مفتی عبید اللہ صاحب جامعہ حقانیہ سورانی بنوں

۴۹- حضرت مولانا مفتی شیر نواز صاحب نجیۃ العلوم ڈومیم بنوں

ٹل

۵۰- شیخ الحدیث حضرت مولانا معز الحق صاحب تلمیذِ حضرت اقدس مدنیؒ دار العلوم عربی ٹل

''اس متفقہ نامی فتوے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔''

نوٹ:- حضرت اس تحریر پر دستخط کرنے کے دو دن بعد رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۵۱- شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سردار صاحب دار العلوم عربیہ ٹل

مردان

۵۲- حضرت مولانا مفتی محمد نثار صاحب — خطیب جامع مسجد ڈاگئی و مہتمم مدرسہ تحسین القرآن لوندخور مردان

''بندہ کا تحریر بالا سے مکمل اتفاق ہے۔''

۵۳- حضرت مولانا محمد اللہ صاحب — (فاضل بنوری ٹاؤن) خطیب جامع مسجد شیخانو کلے مردان

''بندہ کا متفقہ فتویٰ سے کوئی تعلق نہیں۔''

۵۴- حضرت مولانا فضل احمد صاحب — (فاضل مدرسہ مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتیؒ و جامعہ اشرفیہ لاہور) کاٹلنگ مردان

''بلا سود بینکاری کے خلاف کوشش کرنا اہلِ ایمان کے حق میں نہیں البتہ اس میں جو غیر اسلامی مشکلات نظر آتی ہیں ان کو مٹانا اور اِجتماعی کوششوں سے ان کا روبصحت کرنا لازم اور ضروری ہے۔''

کرک

۵۵- حضرت مولانا مفتی حسین احمد صاحب — جامعہ مدینۃ العلوم کرک

۵۶- حضرت مولانا مفتی عبدالوہاب صاحب — جامعہ مدینۃ العلوم کرک

''دارالافتاء جامعہ مدینۃ العلوم شہید آباد کرک مندرجہ بالا عبارت کی مکمل تائید وحمایت کرتا ہے اور سودی بینکاری کے خلاف علمائے کرام کا بلاسود اِسلامی بینکاری جاری کرنے کے اس عمل کو سراہتا ہے۔''

ڈیرہ اسماعیل خان

۵۷- حضرت مولانا مفتی ولی اللہ صاحب — جامعہ عربیہ شمسیہ ڈیرہ اسماعیل خان

۵۸- حضرت مولانا قاری عبدالستار صاحب — جامعہ عربیہ شمسیہ ڈیرہ اسماعیل خان

صوبہ پنجاب کے حضرات علماء ومفتیانِ کرام کے تصدیقی دستخط

لاہور

۵۹- حضرت مولانا مفتی محمد زکریا صاحب — جامعہ اشرفیہ لاہور

۶۰- حضرت مولانا مفتی احمد علی صاحب — جامعہ اشرفیہ لاہور

''بندہ اس کی مکمل تائید کرتا ہے۔''

۶۱- حضرت مولانا مفتی عبدالخالق صاحب — جامعہ اشرفیہ لاہور

''احقر اس سے پوری طرح متفق ہے۔''

۶۲- حضرت مولانا مفتی سمیع اللہ حقانی صاحب — جامعہ اشرفیہ لاہور

''احقر مکمل تائید کرتا ہے۔''

۶۳- حضرت مولانا مفتی توقیر احمد صاحب — جامعہ صدیقیہ تعلیم القرآن لاہور

۶۴- حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب — جامعہ فتحیہ لاہور

۶۵- حضرت مولانا مفتی محمد سفیر صاحب — ٹاؤن شپ لاہور

۶۶- حضرت مولانا مفتی مسعود الرحمٰن صاحب — مسجد بلال لاہور

۶۷- حضرت مولانا امجد حسین صاحب — مہتمم جامعہ فاروقیہ رائیونڈ روڈ لاہور

۶۸- حضرت مولانا مفتی خالد محمود صاحب — امام جامع مسجد لاہور کینٹ

فیصل آباد

۶۹- حضرت مولانا مفتی محمد طیب صاحب — جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

۷۰- حضرت مولانا مفتی زاہد صاحب — جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

۷۱- حضرت مولانا مفتی محمد اعجاز صاحب	جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
۷۲- حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب	جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
۷۳- حضرت مولانا مفتی محمد عالمگیر صاحب	جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
۷۴- حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب	جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
۷۵- حضرت مولانا مفتی محمد اشرف صاحب	جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
۷۶- حضرت مولانا مفتی محمد شعیب صاحب	جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
۷۷- حضرت مولانا مفتی ندیم احمد صاحب	جامع مسجد اکبری گوبند پوری فیصل آباد
۷۸- حضرت مولانا مفتی ارشد محمد عباسی صاحب	جامعہ عربیہ تعلیم القرآن فیصل آباد
۷۹- حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب	جامعہ عربیہ تعلیم القرآن فیصل آباد
۸۰- حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب	جامعۃ الخیر الاسلامیہ فیصل آباد
۸۱- حضرت مولانا مفتی ولی العزیز احسن صاحب	جامعۃ الخیر الاسلامیہ فیصل آباد
۸۲- حضرت مولانا مفتی محمد اصغر صاحب	جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
۸۳- حضرت مولانا مفتی محمد امجد صاحب	جامعہ اسلامیہ محمدیہ فیصل آباد
۸۴- حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب	جامعہ اسلامیہ عربیہ فیصل آباد
۸۵- حضرت مولانا مفتی محمد طاہر صاحب	جامعہ اسلامیہ عربیہ فیصل آباد
۸۶- حضرت مولانا مفتی فضل الرحمن صاحب	مدرسہ عائشہ صدیقہ غلام محمد آباد
۸۷- حضرت مولانا مفتی احمد علی صاحب	مدرسۃ الحسنین فیصل آباد
۸۸- حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب	جامع مسجد سیدنا ابوبکر سعید کالونی فیصل آباد
۸۹- حضرت مولانا مفتی محمد اعجاز صاحب	خطیب ابوبکر مسجد مسلم ٹاؤن فیصل آباد
۹۰- حضرت مولانا مفتی محمد رفیق صاحب	خطیب غفوری مسجد جناح کالونی فیصل آباد
۹۱- حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب	خطیب مرکزی جامع مسجد فیصل آباد
۹۲- حضرت مولانا مفتی محمد ندیم عباسی صاحب	خطیب جامع مسجد الامین فیصل آباد

۹۳- حضرت مولانا مفتی شاہد لطیف صاحب خطیب مرکزی مسجد گلشن اقبال فیصل آباد

۹۴- حضرت مولانا مفتی عبداللہ عدیل صاحب اُستاذ الحدیث جامعہ رحیمیہ فیصل آباد

۹۵- حضرت مولانا مفتی فضل آمین صاحب سابق شیخ الحدیث جامع قاسمیہ فیصل آباد

قصور

۹۶- اُستاذ العلماء جامع المنقول والمعقول حضرت مولانا مختار احمد صاحب

مدرسہ علوم نبویہ قصور

۹۷- حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب جامعہ زکریا دار الایمان قصور

''بندہ اس پر مکمل اعتماد کرتا ہے۔''

۹۸- حضرت مولانا مفتی رفیق صاحب جامعہ حنفیہ قصور

''احقر اس سے پوری طرح متفق ہے۔''

۹۹- حضرت مولانا مفتی محمد رفیق صاحب مہتمم مدرسہ سیدنا عمر بن خطاب قصور

۱۰۰- حضرت مولانا مفتی ممتاز سرور صاحب مفتی مدرسہ سیدنا عمر بن خطاب قصور

۱۰۱- حضرت مولانا مفتی محمد سفیان حنفی صاحب منتظم اعلیٰ تنظیم فرزندانِ ابوحنیفہ قصور

جنرل سیکریٹری مجلس الدعوۃ الحق

چکوال

۱۰۲- حضرت مولانا مفتی محمد وسیم صاحب دار الافتاء تدریس القرآن چکوال

۱۰۳- حضرت مولانا مفتی محمد معاذ صاحب دار العلوم حنفیہ چکوال

بہاولنگر

۱۰۴- حضرت مولانا خلیق احمد اخون صاحب رئیس دار الافتاء مدرسہ عیدگاہ بہاولنگر

''بلاسود بینکاری کے خلاف فتویٰ جمہور علماء کی نمائندگی نہیں کرتا، ابھی مسئلے میں بحث کی کافی گنجائش ہے۔''

۱۰۵- حضرت مولانا مفتی عبدالخالق صاحب — دار العلوم زکریا بہاولنگر

"بندہ اس سے کماحقہ متفق ہے۔"

اٹک

۱۰۶- شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام صاحب — جامعہ عربیہ اشاعت القرآن حضرو ضلع اٹک

۱۰۷- حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب — جامعہ قاسمیہ تعلیم القرآن اٹک

۱۰۸- حضرت مولانا مفتی مسعود احمد صاحب — جامع مسجد اٹک

۱۰۹- حضرت مولانا قاری محمد الیاس صاحب — جامعہ قاسمیہ انوار القرآن اٹک

۱۱۰- حضرت مولانا عبدالصمد صاحب — نائب امام مرکزی جامع مسجد اٹک شہر

۱۱۱- حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب — خطیب و امام مسجد عثمانیہ میونسپل کمیٹی اٹک

۱۱۲- حضرت مولانا داؤد خان صاحب — امام مسجد ابن زید تر گو یہ اٹک

۱۱۳- حضرت مولانا محمد ندیم صاحب — خطیب جامع مسجد ابو ہریرہ اٹک شہر

۱۱۴- شیخ الحدیث حضرت مولانا ظہور الحق صاحب — اٹک

۱۱۵- حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب — حضرو اٹک

۱۱۶- حضرت مولانا عبدالخالق صاحب — مہتمم جامعہ قاسمیہ نرتوپہ اٹک

۱۱۷- حضرت مولانا حافظ نثار احمد صاحب — مہتمم مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم الاسلام حضرو اٹک

راولپنڈی

۱۱۸- حضرت مولانا مفتی محمد اسماعیل طورو صاحب — مفتی جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی

"بندہ بالکل اصلاح کی تائید کرتا ہے۔"

۱۱۹- حضرت مولانا مفتی ریاض محمد صاحب — رئیس دار الافتاء تعلیم القرآن پنڈی (رکن "المجلس الفقہی" اسلام آباد و پنڈی)

۱۲۰- حضرت مولانا مفتی ضیاء الرحمن صاحب — اُستاذ تخصص جامعہ تعلیم القرآن پنڈی (رکن "المجلس الفقہی" اسلام آباد و پنڈی)

۱۲۱- شیخ الحدیث حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب — جامعۃ الصالحات ڈھوک مستقیم پنڈی

۱۲۲- حضرت مولانا مفتی ظہور احمد عباسی صاحب — روالپنڈی

۱۲۳- حضرت مولانا مفتی محمد زہیر احمد صاحب — جامعۃ العلوم الشرعیۃ راولپنڈی

"بندہ مذکورہ بالا تحریر سے اتفاق کرتا ہے۔"

۱۲۴- حضرت مولانا قاضی عبد الرحمن صاحب — مدرّس جامعہ انوار القرآن ٹیکسلا

اسلام آباد

تائیدی دستخط شرکاء "المجلس الفقہی" اسلام آباد

۱۲۵- حضرت مولانا مفتی خالد حسین عباسی صاحب — (بانی و مہتمم جامعہ دار العلوم مری) رکن "المجلس الفقہی" اسلام آباد

۱۲۶- حضرت مولانا مفتی شکیل احمد صاحب — منتظم "المجلس الفقہی" جامعہ محمدیہ اسلام آباد

۱۲۷- حضرت مولانا مفتی عبد الکریم عثمان صاحب — ریسرچ ایسوی ایٹس ادارہ تحقیقاتِ اسلامی فیصل مسجد اسلام آباد

۱۲۸- حضرت مولانا مفتی دوست محمد صاحب — رئیس دار الافتاء مرکزی لال مسجد اسلام آباد

۱۲۹- حضرت مولانا مفتی احسان الحق صاحب — دار الافتاء لال مسجد اسلام آباد

"هذا هو الحق وأحق أن يتبع قال تعالىٰ: فاسئلوا اهل الذكر إن كنتم لا تعلمون. (الآية)."

۱۳۰- حضرت مولانا مفتی انس رضوان صاحب — (متخصص جامعہ دار العلوم کراچی) رکن "المجلس الفقہی" اسلام آباد

۱۳۱- حضرت مولانا مفتی زکریا اشرف صاحب — دار العلوم اسلامیہ اسلام آباد

۱۳۲- حضرت مولانا مفتی محمد شاکر صاحب — (متخصص جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا) رکن ''المجلس الفقہی'' اسلام آباد

۱۳۳- حضرت مولانا شہزاد احمد صاحب — مدرّس دار العلوم زکریا ترنول اسلام آباد

۱۳۴- حضرت مولانا اکرام الحق صاحب — فاضل جامعہ محمدیہ، مدرس جامعہ عمر ام القریٰ بھارہ کہو اسلام آباد

۱۳۵- حضرت مولانا مفتی سیف الدین صاحب — دار الافتاء اسلام آباد

''مذکورہ بالا تحریر سے مکمل اتفاق ہے۔''

۱۳۶- حضرت مولانا مفتی فیض الدین صاحب — رئیس دارالافتاء دارالعلوم زکریا ترنول اسلام آباد

آزاد کشمیر

۱۳۷- حضرت مولانا مفتی محمد جاوید اقبال صاحب — مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن بھٹی شریف آزاد کشمیر

متفرق شہر

۱۳۸- حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب — سابق مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان

''ذلک کذلک.''

۱۳۹- حضرت مولانا مفتی جمشید احمد صاحب — (فاضل دار العلوم سراج الاسلام) مہتمم مدرسہ اسلامیہ ٹولہ منگلی میانوالی

۱۴۰- حضرت مولانا عبد الواحد صاحب — کوئٹہ ضلع پشین بلوچستان

غیر سودی بینکاری کے بارے میں متعدد علماء اور مفتیانِ کرام کی آراء

﴿۱﴾

رائے گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب

جامعہ عثمانیہ پشاور

باسمہ تعالیٰ الجواب وباللہ التوفیق

موجودہ دور میں اندرون اور بیرون ملک اسلامی بینکاری کے حوالے سے جو محنت ہو رہی ہے یہ وقت کی ضرورت ہے، اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہم اور آپ کے رُفقائے کار کی جدوجہد قابلِ تحسین ہے۔ بہتر ہوگا کہ علمائے کرام اس سلسلے میں مخلصانہ جدوجہد میں شریک ہوں، تاہم جو تحفظات ہوں ان کے بارے میں مل بیٹھ کر کوئی صورت نکالنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں ایک دُوسرے کے خلاف میدان گرم رکھنے سے مخالفین زیادہ فائدہ اُٹھائیں گے اس لئے احتیاط سے قدم اُٹھانا ضروری ہے تاکہ سودی نظام کو اِستحکام نہ مل سکے۔

غلام الرحمٰن

۳۰/۳/۹۰ھ

﴿۲﴾

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی مختار اللہ صاحب

مفتی و مدرّس دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

باسمہٖ تعالیٰ

مروّجہ اسلامی بینکاری کا اِجرا جس کی سرپرستی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

صاحب اور دیگر عرب علماء کرتے ہیں ایک مستحسن عمل ہے، اہلِ علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس عمل کو ثابت قدم رکھنے کے لئے آگے بڑھیں البتہ جو تحفظات ہیں ان کو اِفہام و تفہیم کے ساتھ حل کریں۔ بندہ نے اپنی بساط کے مطابق اسلامی بینکاری کے بارے میں جو کچھ معلومات حاصل کی ہیں اس کے مطابق بندہ اسلامی بینکاری کے نظام سے متفق ہے اور اس کو جائز سمجھتا ہے۔ **هٰذا ما ظهر لي و الله أعلم** مختار اللہ

﴿۳﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی بینکاری کے سلسلے میں

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ کی وضاحت

دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ کے دارالافتاء کو مجوزہ اور مروّجہ اسلامی بینکاری کے سلسلے میں کراچی کے علماء کے درمیان اِختلافات کے متعلق ایک اِستفتاء موصول ہوا جس پر دارالعلوم کے اساتذہ اور دارالافتاء میں مصروفِ عمل علمائے کرام کی ایک مجلسِ مشاورت ہوئی دونوں طرف کے دلائل پر مشتمل تحریروں کا پوری سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیا گیا۔

مجلس میں قرار پایا ہے کہ دارالعلوم کراچی کے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ اور ان کے موافقین و رُفقاء اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہٗ اور ان کے موافقین دونوں فریق ہمارے لئے انتہائی قابلِ قدر اور قابلِ عزّت ہیں، مگر جب علماء کے درمیان کسی مسئلے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو کسی ایک فریق کی تائید و تصویب دُوسرے فریق کی توہین یا ان کے حق میں سوءِ ادب نہیں، لہٰذا ہم اس رائے کا اظہار کرتے ہوئے پورے شرحِ صدر کے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی رائے اور ان کے خیالات کی تائید و تصویب کرتے ہیں اور ان کے علمی مقام و مرتبہ، ذہانت و فطانت، تدین و تقویٰ اور فقاہت و مہارت پر اِعتماد کا اِظہار کرتے ہیں اور

سودی بینکاری نظام کے مقابلے میں متبادل غیر سودی بینکاری نظام کی تشکیل و تدوین کے سلسلے میں ان کی مساعی جمیلہ کو نہ صرف بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں بلکہ اس کو عظیم دِینی خدمت سمجھتے ہیں، اور کراچی میں کچھ علماء کی طرف سے جو متفقہ فتویٰ کے نام سے جو فتویٰ شائع ہوا ہے ہم اس سے متفق نہیں ہیں، البتہ جزوی طور پر بعض اُمور کی نشاندہی پر ان کی اِصلاح کے خواہاں ہیں۔

البتہ دُوسری طرف کے علماء اور شیوخ العلم بھی نہ صرف قابلِ قدر بلکہ متقی اور متدین بھی ہیں، لہٰذا ہم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور ان کے موافقین اور رُفقائے کار سے درخواست کرتے ہیں کہ ممکن حد تک ان علماء کے خدشات، تحفظات اور اعتراضات پر پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ غور وخوض کر کے شکوک و شبہات اور اعتراضات کا اِزالہ کریں اور اِصلاحِ اَحوال کی مخلصانہ کوشش کریں۔

ہماری توقع ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور ان کے متبعین و موافقین بھی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور ان کے ہم خیال و ہم کار دُوسرے علماء کی طرف سے غیر سودی بینکاری کے سلسلے میں جہد وسعی اور انتہائی مشکل کام انجام دینے پر پانی نہیں پھیریں گے بلکہ ان کی عزّت و توقیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ بیٹھ کر ایک اسلامی شرعی مسئلے کو شرعی انداز کے مطابق حل کرنے میں سرپرستی فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دِینِ اسلام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین

۱۔	حضرت مولانا علی شاہ صاحب	مہتمم جامعہ دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۲۔	حضرت مولانا مفتی عبداللہ شاہ صاحب	رئیس دار الافتاء دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۳۔	حضرت مولانا مفتی غلام محمد صادق صاحب	ناظم تعلیمات دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۴۔	حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف شاکر صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۵۔	حضرت مولانا افتخار علی صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۶۔	حضرت مولانا جمیل احمد صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

۷-	حضرت مولانا بشیر الحق صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۸-	حضرت مولانا محمد نبی صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۹-	حضرت مولانا ابوطلحہ عبد الواحد صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۱۰-	حضرت مولانا مفتی احسان اللہ حقانی صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۱۱-	حضرت مولانا مفتی محمد شفیق صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۱۲-	حضرت مولانا مفتی محمد عادل صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۱۳-	حضرت مولانا فضل مولی صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ
۱۴-	حضرت مولانا مفتی احمد مجتبیٰ صاحب	دار العلوم اسلامیہ چارسدہ

﴿۴﴾

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی محمد عظمت اللہ صاحب

جامعہ یوسفیہ شاہو وام ہنگو

بلاسود بینکاری میں ہمارے جلیل القدر علماء جن کے تقویٰ و علمیت پر ہمارا اِعتماد و بھروسہ ہے، اور وہ جدید بینکاری کے جمیع اُصول وضوابط سے مکمل واقفیت رکھتے ہیں اور جن میں پاکستان کے علاوہ دیگر اِسلامی ملکوں کے متدین، نامور علماء شامل ہیں، ہم مکمل طور پر ان کی تائید کرتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ: عظمت اللہ عفی عنہ

﴿۵﴾

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی سیّد قمر صاحب

جامعۃ العلوم الاسلامیہ پشاور

هو الموفق

موجودہ دور کی نزاکتِ وقت کا تقاضا بس یہی ہے کہ اکابر حضرات علماء شوریٰ وفاق المدارس متحد متفق ہوتے ہوئے ساری اُمتِ مسلمہ کے سارے معاملات صاف کرنے کی خاطر اسلامی بینکاری والی محنت کا مسئلہ حل کروادیں اور باہمی اِختلافات ختم

کرانے کے لیے کوشاں رہیں، تاکہ اُمتِ مسلمہ کے مسائل بسہولت حل ہوجائیں اور سودی نظام کا قلع قمع ہوسکے۔

سیّد قمر عفا اللہ عنہ
۱۴۳۰/۲/۱۷ھ

﴿۶﴾

رائے گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب اورکزئی

دار الافتاء جامعہ یوسفیہ شاہووام ہنگو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بلاسود بینکاری کی ترویج کے لیے مخلص اہلِ علم حضرات کی مساعی مشکورہ قابلِ تحسین ہیں، اور جہاد فی سبیل اللہ کا حصہ ہیں، زیادہ سے زیادہ اصلاحی کوششوں کے ساتھ خداوند متعال ان کو مزید توفیق سے نوازے۔ ولا حول ولا قوّۃ إلّا باللہ۔

محمد امین عفا اللہ عنہ

(سابق اُستاذ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کراچی)

﴿۷﴾

رائے گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد السلام صاحب

جامعہ عربیۃ اشاعت القرآن حضرو اٹک

فاضل مکرم حضرت مولانا سیّد مفتی مختار الدین صاحب! دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فاضل عزیز قاری محمد الیاس صاحب نے آپ کا رسالہ ''بلاسود بینکاری'' دیا، مطالعہ کیا، آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی تحقیقِ معاشیات کے بارے میں بعض علمائے کرام دامت فیوضہم کے فتویٰ کا بہترین جواب دُرست عطا فرمایا۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کی اس مسئلے میں بصیرت نے کروڑوں

مسلمانوں کو صریح حرام سود سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک اسلامی متبادل راستہ دِکھایا ہے اور سودی نظام جس پر تمام کفار بالخصوص یہود قابض ہیں، حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے اس اِقدام پر ان کی ناراضگی لازمی امر ہے، ہم مخالف علمائے کرام کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے فتویٰ پر نظرِ ثانی فرمائیں۔ جس کی طرف آنجناب نے نشاندہی فرمائی ہے، اللہ کریم حضرت مفتی مدظلہ اور آپ کی اس سعی کو سعیٔ مشکور بنائے آمین۔

﴿۸﴾

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی محمد معاذ صاحب

أستاذ الحدیث ورئیس دار الافتاء دار العلوم حنفیہ چکوال

موجودہ اسلامی بینکاری نظام اگر چہ منزلِ مقصود پر نہ پہنچا ہو، تاہم آغازِ سفر ضرور ہے، اس لئے اس سلسلے میں تحمل کے ساتھ اِصلاحی کوشش کی بندہ تائید کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب اکابر کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد معاذ
دار العلوم حنفیہ چکوال
۶ / ربیع الاوّل ۱۴۳۰ھ

﴿۹﴾

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی دوست محمد صاحب

مفتی دار الافتاء مرکزی لال مسجد اسلام آباد

الجواب حامدًا و مصلیًا

حضرتِ اقدس مولانا مفتی سیّد مختار الدین صاحب مدظلہ کے تالیف کردہ رسالے ''بلاسود بینکاری'' کا بغور مطالعہ کیا ہے، بلاشبہ عالمِ اسلام کی عظیم اور مستند شخصیات بالخصوص مفکرِ اسلام حضرتِ اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی خدماتِ جلیلہ کو اُمتِ مسلمہ بالخصوص علمائے کرام اور مفتیانِ عظام بنظرِ تحسین دیکھتے ہیں۔ بلاسود بینکاری کے خلاف شائع شدہ فتویٰ کو غیر تحقیقی سمجھتے ہیں، اس فتویٰ کے شائع کرنے میں خفیہ سازش کارفرما ہے،

بعض علمائے کرام نے جلدی میں اس سازش کو نہ سمجھا، بہر حال بندہ حضرت مفتی مختار الدین شاہ صاحب کی تائید کرتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ دوست محمد عفی عنہ

﴿۱۰﴾

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی امجد حسن خان

مہتمم جامعہ فاروقیہ رائیونڈ روڈ لاہور

بینکاری کے نظام سے ناواقف لوگوں کی بات ویسے بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی تھی، مذکورہ فتویٰ سے یہ بات بہت واضح ہے کہ فتویٰ دینے میں بہت عجلت کی گئی، نہ تو نظام پر کوئی معقول اعتراض کیا گیا اور اگر کوئی اعتراض ہے تو اس کا حل بھی پیش نہیں کیا گیا کہ جو نامناسب بات ہے۔

امجد حسین خان

﴿۱۱﴾

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی حماد اللہ وحید صاحب

رئیس دارالافتاء جامعہ انوار القرآن کراچی

بندہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کوششوں کو بنظرِ تحسین دیکھتا ہے موجودہ حالات اور بننے والی فضا میں اس تحریر کی تائید کرتا ہے، علمائے کرام کو چاہیے کہ جو اشکالات ہیں وہ آپس میں بیٹھ کر حل کریں تا کہ یہ مسئلہ علماء کے درمیان افتراق و انتشار اور بد اعتمادی کا سبب نہ بنے۔

حماد اللہ وحید

۱۴۳۰/۲/۲۲ھ

﴿۱۲﴾

رائے گرامی حضرت مولانا مفتی محمد فیض الدین صاحب وحضرت مولانا شہزاد احمد صاحب

دارالافتاء دارالعلوم زکریا ترنول اسلام آباد

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بلاسود بینکاری کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کے خلاف گزشتہ دنوں سے کچھ فتاویٰ منظرِ عام پر آرہے ہیں اور انہوں نے بلاسود بینکاری کے بارے میں اب تک جو کام کیا ہے اس کو یکسر مسترد کیا ہے اور یہ بھی تاثر دیا ہے کہ یہ ملک کے تمام علمائے کرام کی رائے ہے، حالانکہ بعد میں پتہ چلا کہ معاملہ ایسا نہیں تھا اس لئے ہم اپنے اکابرین سے درخواست کرتے ہیں کہ اس مشکل وقت میں اُمتِ مسلمہ کی رہنمائی کریں اور آپس کے اِتفاق سے بلاسود بینکاری کے بارے میں کوئی متفقہ لائحہ عمل طے فرمائیں۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اور دیگر مستند شخصیات کی کوششوں کو اور محنتوں کو اس طرح نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا اور ان حضرات کی بلاسود بینکاری کے بارے میں جو کوششیں ہیں ہم ان کو بنظرِ تحسین دیکھتے ہیں۔

اور حضرت مفتی تقی صاحب اور ان کے رُفقا کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ دیگر اکابر کو اگر کوئی خدشات ہیں تو ان پر غور فرما کر دُور کرنے کی سعی فرمائیں، فقط والسلام۔

(۱) محمد فیض الدین (۲) شہزاد احمد

***

دستخطوں کے عکس

محمد نثار خطیب

حضرت مفتی محمد نثار

مدرسہ عبداللہ بن مسعود نوشہرہ

20/2/09

احمد خان

مولانا عبدالحکیم ناظم اعلیٰ

مولوی عبدالحکیم

مولانا عبیداللہ

0300 9069374.

5-4-209

مولانا عبدالواحد صاحب کوئٹہ

مولانا ملک سعید
محمد اسحاق خطیب
مسجد عبداللہ و مدرسہ

اظہار الحق فاضل

محمد ابراہیم
فاضل جامعہ عربیہ
احسن العلوم گلشن اقبال
(کراچی)
خطیب و امام جامع مسجد
جمال ابراہیم

ذلک کذلک
محمد انور
سابق مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان
۲۱ صفر ۱۴۳۰ھ

دستخطوں کے عکس

دستخطوں کے عکس

دستخطوں کے عکس

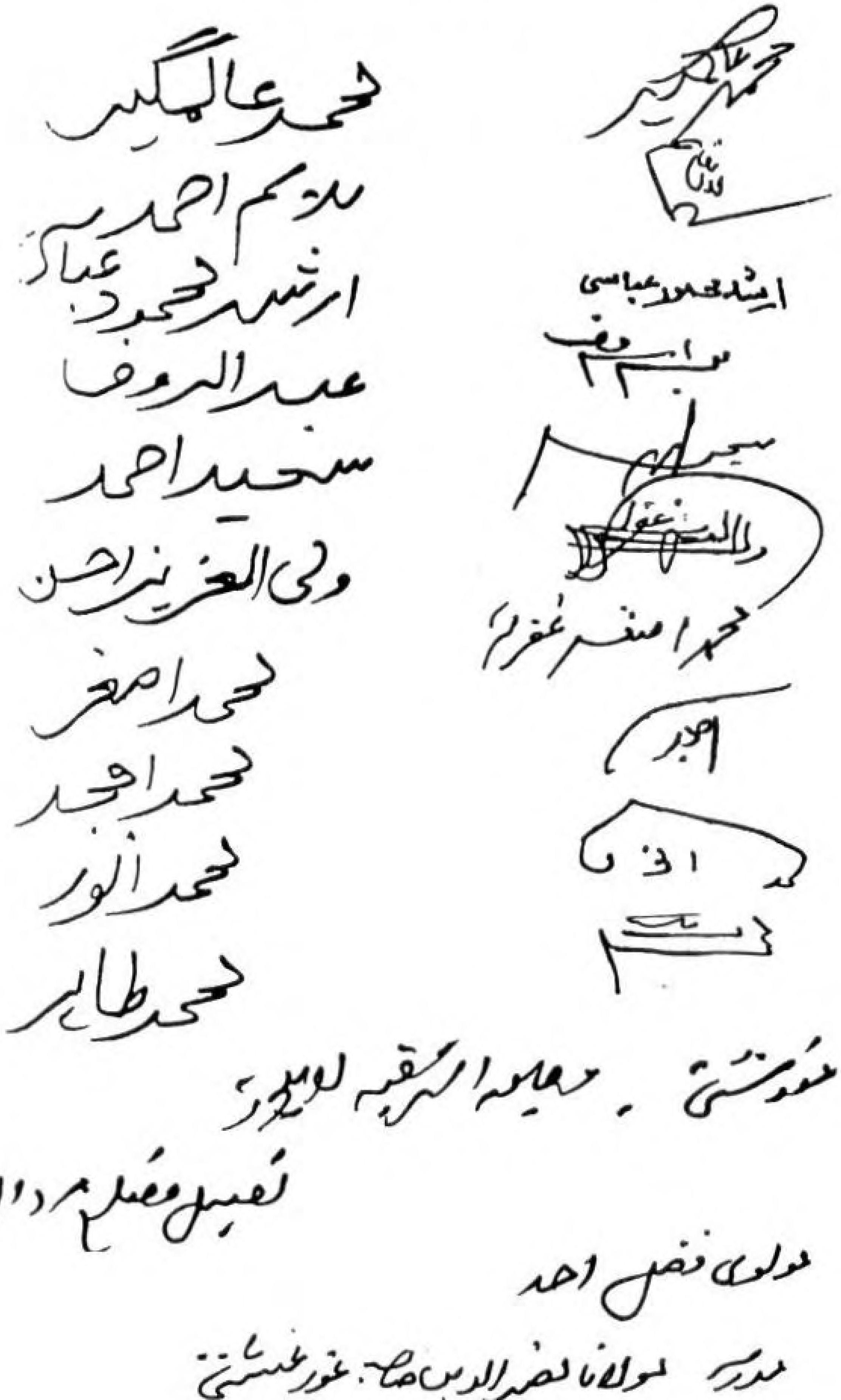

دستخطوں کے عکس

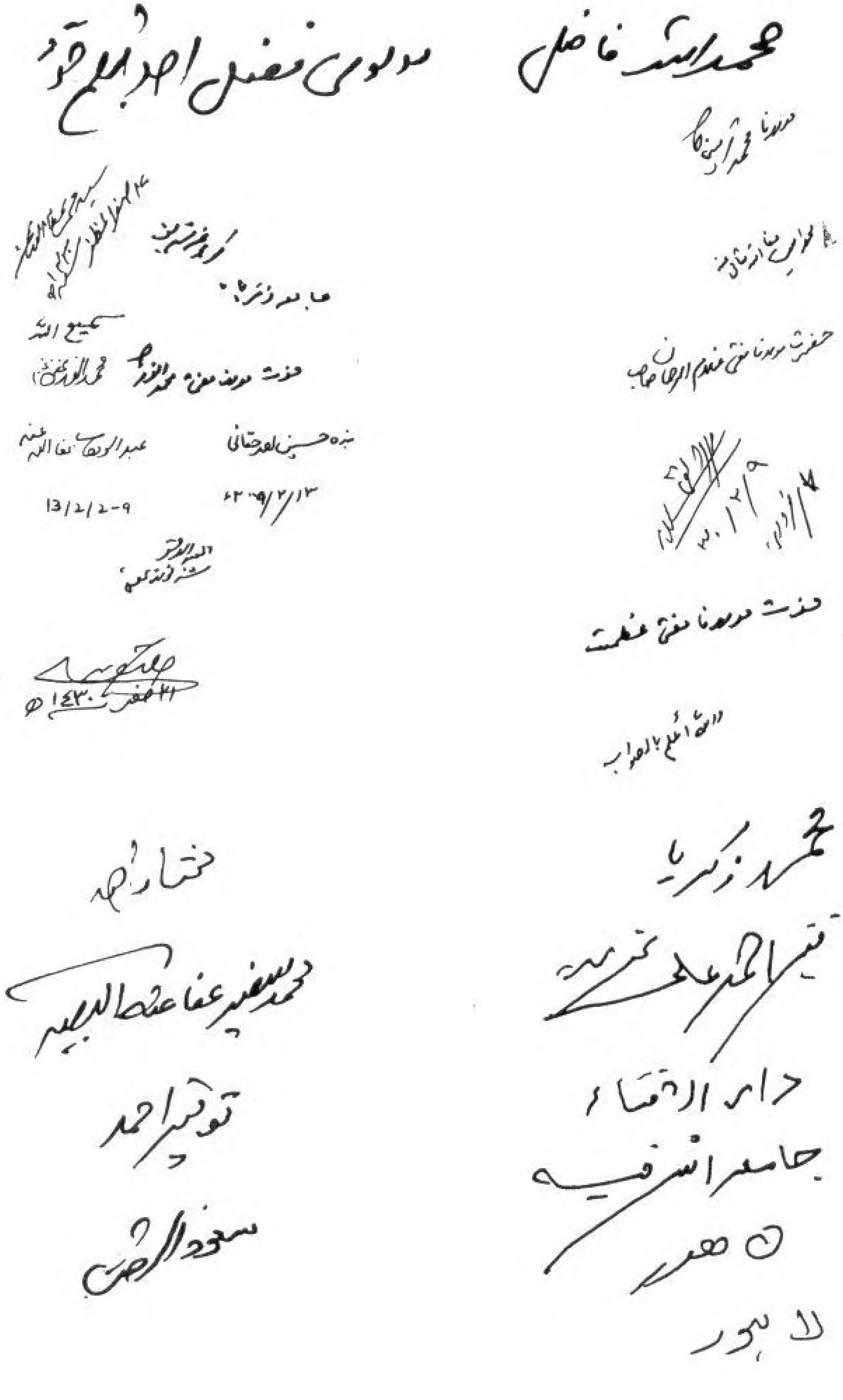

دستخطوں کے عکس

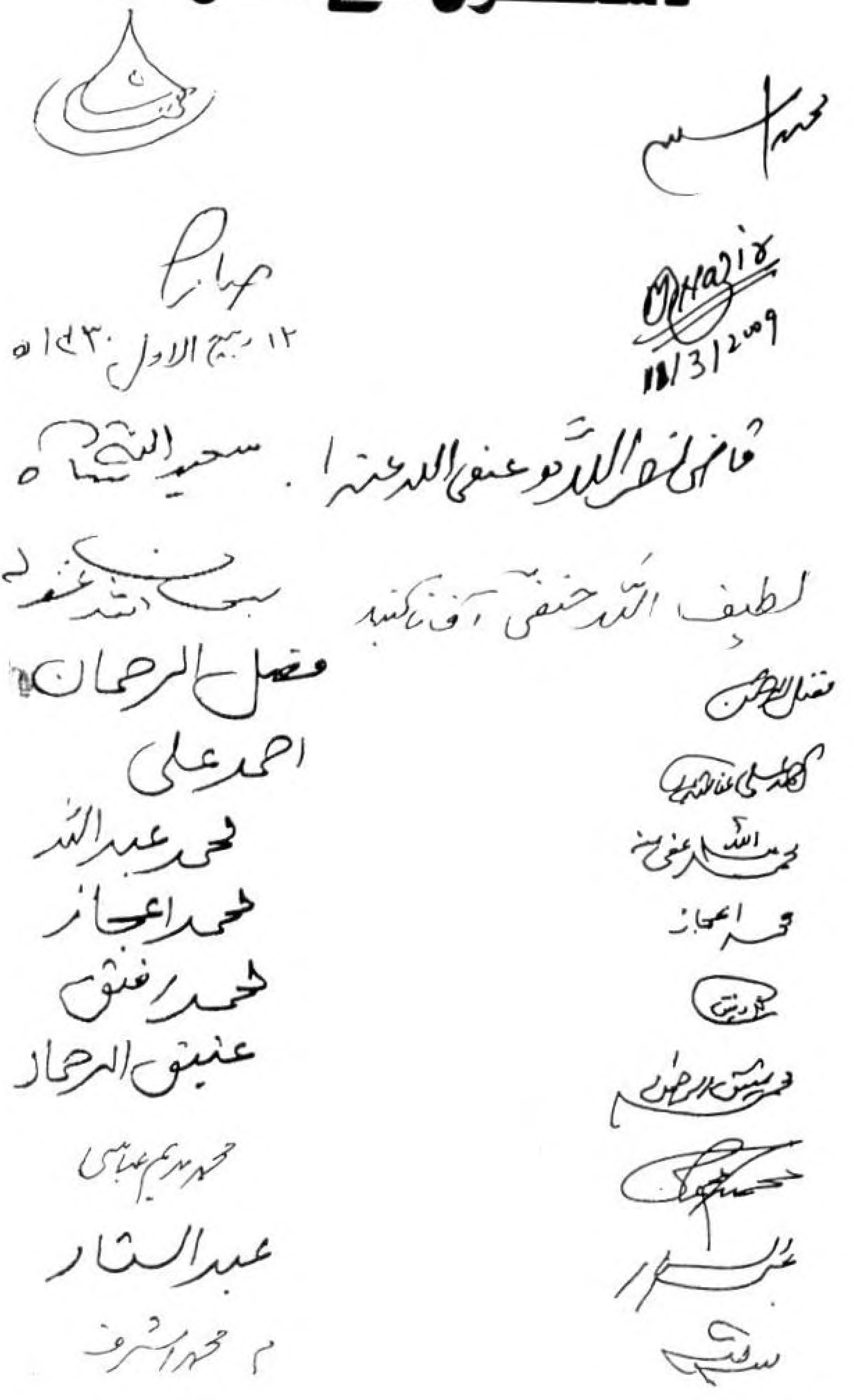

دستخطوں کے عکس

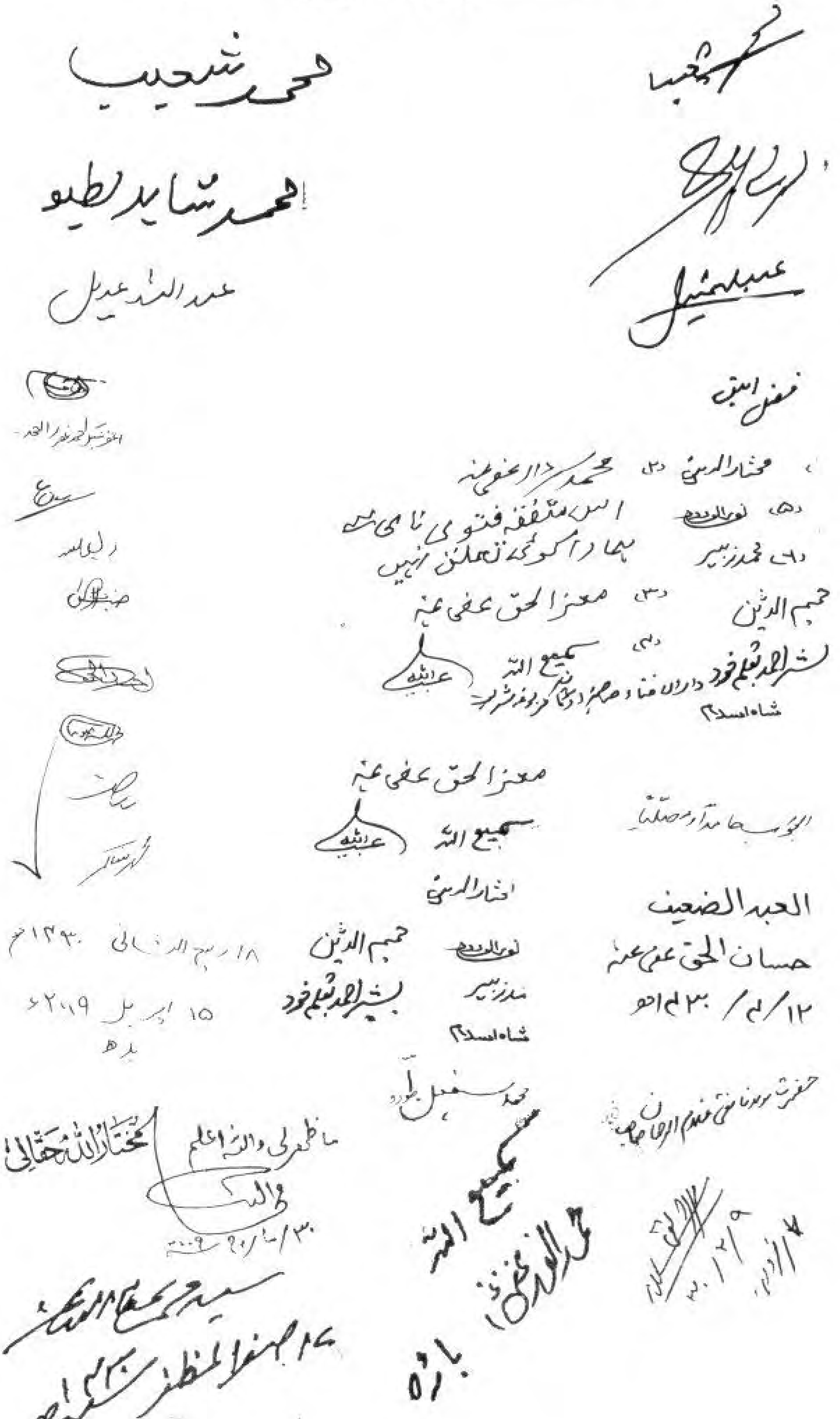

دستخطوں کے عکس

محمد فیض الدین

بندہ حسین احمد حقانی
۲۰۰۹/۲/۱۳ء
بیشتر فرنٹ کی

مولانا محمد حافظ نجم الدین ہاشمی

سید نجم الدین الہاشمی
خادم جامعۃ العلوم الاسلامیہ

قاضی نصر اللہ عفی اللہ عنہ

سعید اللہ شاہ

مولانا عبد الحکیم ناظم اعلیٰ

لطیف اللہ حنفی

مولوی عبد الحکیم

مفتی حمد اللہ وجید
رئیس دار الافتاء جامعہ دارالعلوم اسلامیہ کراچی

حضرت مولانا سعید اللہ شاہ صاحب

صفر المظفر ۱۴۳۰ھ۔ ۲ فروری ۲۰۰۹ء حضرت مولانا مفتی محمد وسیم صاحب

مولانا عبید اللہ

مفتی محمد اسرار

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

محمد وسیم اشرف
دار الامتاز تدریس القرآن
تلہ گنگ روڈ چکوال
محمد زکریا

محمد سعید احمد عفی عنہ
۱۴۳۰/۲/۳

11/3/2009

مولوی فضل احد

حافظ اشرف

۲۰۰۹/۲/۲۵

4-3-2006

حضرت مولانا مفتی عظمت اللہ عفی عنہ

محمد سعید عفا عنہ

توقیر احمد

بندہ محمد عبد الوہاب عفا اللہ عنہ
13/2/2009

عبد الحق عفی عنہ

سعود الرحمن